قال الله تعالیٰ إن هذا القرآن یهدی للتی هی أقوم

چوں نص بالا دال است بر بودن
قرآن مجید و تفسیرہ الشامل للاسفار الدینیہ ہادی و رفیق الی اقوام
السبیل و فی سواء الطریق و منجملہ ایں اسفار ایں رسالہ منتخبہ از مواعظ
حضرت سیدنا و مولانا شاہ اشرف علی صاحب مدظلہم العالی بود کہ مسمّی است بہ

الرفیق فی سواء الطریق

و ملقب بہ

کیل یوسفی

وایں جلد دوم سبب از ان کہ باعتبار افادۂ علوم و حکم گویا ناطق است بقول
یوسف علیہ السلام الا ترون انی اوفی الکیل باہتمام تمام یکے از خدام بارگاہ
حضرت حکیم الامۃ مجدد ملت جناب مولانا مولوی اشرف علی شاہ صاحب
تھانوی بہ طبع اول مطبوع گردید

کتبخانہ امدادیہ عبدالمجید چھرانوی
مطبوعہ تجلی برقی پریس دہلی

فہرست کتب ذیل

بعد الحمد و الصلوٰۃ مسئلہ مولد میں آجکل عوام ہی میں نہیں بلکہ خواص میں بھی جو افراط و تفریط ہو رہا ہے ظاہر ہے علماً بھی عملاً بھی اسلئے ضرورت اس کی تھی کہ ہر پہلو کے اعتدال کو ظاہر کر دیا جاوے علمی اعتدال تو تحقیق مسئلہ اور رفع شبہات حاصل ہوتا ہے اور عملی اعتدال واقعات و فضائل نبویہ کے طرز بیان سے معلوم ہو سکتا ہے۔ چونکہ حضرت حکیم الامۃ سلطان المشائخ سراج السالکین زبدۃ العارفین مرشدنا و مولٰنا الحاج شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم کے مواعظ و رسائل و مکاتبات و تحریرات میں یہ سب مادہ موجود ہے مگر متفرق طور پر اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ انمیں سے ضروری اجزاء کو ایک جگہ جمع کر کے شایع کرایا جاوے کہ طالبان اعتدال کو سہولت ہو اور اسکو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ایک حصہ اعتدال عملی دکھلانیکے لئے اس میں بعض ایسے مواعظ ہیں جنکے یہ نام ہیں (۱) النور (۲) الظہور (۳) السرور (اس کے اخیر میں مسئلہ عید میلاد کے متعلق نہایت نفیس و لطیف تحقیق ہے جو طالب علموں کیلئے حظ افزا ہے) (۴) الحبور (۵) الشذور ان کے مجموعہ کا لقب مجمع البحور ہے۔ دوسرا حصہ اعتدال علمی بتلانے کیلئے اس میں مختلف تحریرات ہیں جن کی یہ فہرست ہے۔ الف۔ یہ بعض ان خطوط کے جواب ہیں جو بعض سالکین نے بعض شبہات کے حل کیلئے مولٰنا کو لکھے ہیں منقول از امداد الفتاوی) ب۔ یہ رسالہ الرفیق فی سواء الطریق کا ایک مضمون ہے عید میلاد کے متعلق جس کا عنوان نہایت عام فہم اور دلپذیر ہے چونکہ وعظ السرور کے اخیر میں یہی مسئلہ طالب علمانہ طرز میں لکھا گیا تھا جیسا اوپر مذکور ہوا اس کو عوام کیلئے لکھا گیا۔ ج۔ یہ حضرت مولٰنا گنگوہی قدس سرہٗ کی ایک مختصر اور جامع تحریر ہے۔ جو رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کے متعلق بعض اغلاط کے رفع کیلئے لکھی گئی ہے۔ د۔ وہ مکاتبات ہیں جو اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر حضرت مولٰنا گنگوہی قدس سرہٗ اور حضرت مولٰنا تھانوی مدظلہ کے درمیان ہوئی ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید) چونکہ یہ مکاتبت ایک مستقل مضمون ہے اسلئے اس کا ایک لقب بھی ہے خود حضرت مولٰنا تھانوی مدظلہٗ نے تجویز کیا ہے یعنی ضیاء الافہام من علوم بعض الاعلام۔ ان چاروں مضامین کے مجموعہ کا لقب [illegible] ہے اور دونوں کے مجموعہ کا لقب ملیح الصدور فی حقوق ظہور النور ہے۔ وباللہ التوفیق و ہو خیر رفیق قیمت ۸؎

تکمیل تربیۃ السالک و نجاۃ الہالک۔ یہ ذخیرہ حضرت مولٰنا حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مرشدنا شاہ اشرف علی صاحب مدظلہ العالی تھانوی کا جو سالکین کی خط و کتابت کا مجموعہ ۱۳۳۲ھ [illegible] کا مجموعہ ہے۔ شائقین جلد از جلد طلب فرمائیں ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑیگا۔ احقر نے اپنے ایک مہربان دوست کی فرمائش سے طالب علموں کیلئے قیمت بجائے ساڑھے چھ روپے کے پانچ روپے کر دی ہے۔ غیر شخص اس رعایت کا مستحق [illegible]

انفاس عیسیٰ یہ ۱۳۴۲ھ سے ۱۳۵۰ھ تک کا حضرت مولٰنا مدظلہ العالی کے مواعظ کا انتخاب ہے۔ جو سلوک اور تربیت کے متعلق الرفیق فی سواء الطریق کے حصہ اول و دوم کا سلسلہ ہے وہی انفاس عیسیٰ کا سلسلہ اور مضمون ہے یہ یہاں مستقل طبع ہو گئی ہے گویا یہ بھی الرفیق فی سواء الطریق کا حصہ سوم ہے۔ قیمت ۲؎ ۔ ۱؎ ۔ ع

منکرات روزہ

بوجہ قرب رمضان شریف مناسب ہے کہ کچھ احکام اُسکے بیان کر دیئے جائیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ روزہ فرض ہے اس کے تو بیان کی ضرورت نہیں اور ایسے ہی تراویح سنتِ مؤکدہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے اس کے بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں البتہ ضروری مضمون یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس مہینے میں کچھ منکرات بڑھا دیئے ہیں اور وجہ اسکی یا تو عدم علم ہے یا قصور علم یا جانتے بھی ہیں مگر احتیاط نہیں کرتے بڑے تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں ان چیزوں کو بھی حرام کر دیا جو پہلے حلال تھیں کیا یہ اس بات پر دال نہیں کہ جو چیز ہمیشہ سے حرام ہے اسمیں اور شدت زیادہ ہو جائیگی۔ حق سبحانہ تعالےٰ نے تو علت بیان کی روزہ رکھنے کی لعلکم تتقون۔ روزہ اسواسطے ہے کہ تم متقی بنجاؤ۔ اب ہر شخص غور کرے کہ قبل رمضان میں اور رمضان میں کچھ فرق اسکی حالت میں ظاہر ہوا اس نے نظر بد کو یا غیبت کو چھوڑ دیا یا نہیں سو کچھ نہیں دونوں حالتیں یکساں ہیں کسی باب میں بھی کمی نہیں ہوئی اب رہا کھانا سو اسکے بھی وقت بدل دیئے مقدار میں کچھ تغیر نہیں کیا۔ غرض یہ کہ شارع علیہ السلام کا تو مقصود یہ تھا کہ منکرات میں کمی ہو مگر لوگوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ اہل تحقیق تو کھانے تک میں کمی کر دیتے ہیں اس مہینے میں بہ نسبت شعبان کے مگر اسکی مقدار کچھ معین نہیں ہو سکتی ہے جتنا شعبان میں کھاتے تھے اُس سے کم کر دیا بعض نے صرف بقدر لا یموت کھا کر روزہ رکھا جب ہی تو کچھ اثر پایا ہمیشہ اچھی طرح کھایا ایک مہینہ عبادت ہی کے واسطے سہی حاصل یہ کہ ان لوگوں نے اکل میں بھی کمی کر دی مگر یہ بات مندوب خواص کیلئے ہے یہ ہر شخص سے نہیں ہو سکتا ہے مگر معاصی کو تو چھوڑو خیر کھانے کیلئے جواز کا مرتبہ تو ہے معاصی کے واسطے تو جواز بھی نہیں ہم برخلاف اس کے دن بھر معاصی میں مشغول رہتے ہیں بلکہ بعضے تو عصیان میں اور زیادہ ہو جاتے ہیں اسی کو دیکھ لیجیے کہ صبح کی نماز اس مہینے میں اپنے وقت پر ہوتی ہے یا نہیں اس نماز کی تو وقت سے تاخیر کرنے کی عادت ہو گئی ہے بہتیروں کی تو قضا ہوتی ہے اور قضا نہ بھی ہو تو اسقدر تاخیر تو ہوتی ہے جس سے جماعت فوت ہو جاوے خوش ہیں کہ ہم نے روزہ رکھ لیا بڑا تعجب ہے کہ نماز کو چھوڑ دیا روزہ کیا کفایت کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کو اسقدر بڑھا دیا کہ دس ضعف ثواب کا وعدہ فرما دیا اور ہم اسقدر گناہ کرتے ہیں کہ حسنات باوجود اتنے بڑھائے جانے کے بھی سیئات کے برابر نہیں ہوتیں چاہئے تو یہ تھا کہ حسنات کی تعداد بڑھی ہوئی رہتی اس کو بھی جانے دیجئے برابر تو رہتی کہ پھر بھی حسنات بموجب سبقت رحمتی علیٰ غضبی کے غالب ہو جاتیں اور جب باوجود اضعافاً مضاعفہ ہونے کے بھی

نیکیاں گناہوں کے برابر نہیں ہوتیں بلکہ گناہ بڑھا رہتا ہے تو پھر کیا حشر ہونا ہے

ماہ رمضان کی عبادت کا اثر برکت اعمال پر تمام سال رہتا ہے

اچھا اسکو بھی جانے دیجئے اگر ہمیشہ ہم اسپر قادر نہیں ہیں کہ معاصی کو گھٹا دیں تو رمضان ہی تو ایسا کر لیا جاوے تجربہ سے ثابت ہوا کہ عبادت کا اثر اُسکے بعد گیارہ مہینے تک رہتا ہے جو کوئی اسمیں کوئی نیکی بتکلف کر لیتا ہے اسکے بعد اُسپر بآسانی قادر ہو جاتا ہے اور جو کوئی کسی گناہ سے اسمیں اجتناب کرے تمام سال بآسانی اجتناب کر سکتا ہے اور اس مہینے میں معصیت سے اجتناب کرنا کچھ مشکل نہیں کیونکہ یہ بات ثابت ہی کہ شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں پس جب شیاطین قید ہو گئے معاصی آپ ہی کم ہو جائیں گے محرک کے قید ہو جانے کی وجہ سے اور یہ لازم نہیں آتا کہ معاصی بالکل مفقود ہی ہو جاویں کیونکہ دوسرا محرک یعنی نفس تو باقی ہے اس مہینے میں وہ معصیت کرائیگا مگر ہاں کم اثر ہو گا کیونکہ ایک ہی محرک رہگیا اس میں ایک مہینے کی مشقت گوارا کر لیجائے کوئی بات نہیں غرض اسمیں ہر عضو کو گناہ سے بچایا جاوے۔

بقیہ منکرات

ایک زبان ہی کے بیس گناہ ہیں جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے ایک ان میں سے کذب ہے جسکو لوگوں نے شیر مادر سمجھ رکھا ہے اور کذب وہ شے ہے کہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں اور پھر اسکو مسلمان کیسا خوشگوار سمجھتے ہیں ذرا سا بھی لگاؤ کذب کا ہو جاوے بس معصیت ہو گئی۔

حکایت۔ یہانتک کہ ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بچہ سے بہلانے کے طور پر یوں کہا کہ یہاں آؤ چیز دینگے تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ آجاوے تو کیا چیز دو گی انھوں نے دکھایا کہ یہ چھوہرے ہیں ہاتھ میں فرمایا اگر تمھاری نیت میں کچھ نہ ہوتا تو یہ معصیت لکھی جاتی حضرت کذب یہ چیز ہے خیر یہ تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں اگر اس سے احتراز نہ ہو سکے تو کذب بعض سے تو بچنا چاہیئے اور پھر روزہ میں۔ دوسرا گناہ زبان کا غیبت ہی۔ لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ میاں ہم تو اسکے منہ پر کہدیں منہ پر عیب جوئی کروگے تو بہت اچھا کروگے او پیچھے تو ظاہر ہے جیسا اچھا ہی بلکہ اگر منہ پر برا کہو گے تو بدلا بھی پاؤ گے وہ شخص تمھیں برا کہیگا یا اپنے اوپر سے اس الزام کو دفع کریگا پیچھے برائی کرنا تو دھوکہ سے مارنا ہے یاد رکھو جیسا کہ دوسرے کا مال محترم ہے ایسی ہی بلکہ اُس سے زیادہ آبرو ہے چنانچہ جب آبرو

پر آبنتی ہے تو مال تو کیا چیز ہے جان تک کی پرواہ نہیں رہتی پھر آبروریزی کرنے والے کیسے حق العبد سے بری ہو سکتا ہے۔ مگر غیبت ایسی رائج ہوئی ہے کہ باتوں میں احساس بھی نہیں ہوتا کہ غیبت ہو گئی یا نہیں۔ اس سے بچنے کی تدبیر تو بس یہی ہے کہ کسی کا بھلا یا برا اصلا ذکر ہی نہ کیا جاوے کیونکہ ذکر محمود بھی اگر کیا جاوے کسی کا تو شیطان دوسرے کی برائی تک پہونچا دیتا ہے اور کہنے والا سمجھتا ہے کہ میں ایک ذکر محمود کر رہا ہوں ورایں طرح ایک خیر اور ایک شر ملجانے سے وہ خیر بھی کالعدم ہو گئی اور حضرات اپنے ہی کام بہتیرے ہیں پہلے ان کو پورا کیجئے دوسرے کی کیا پڑی۔ علاوہ بریں غیبت تو گناہ بے لذت بھی ہے اور دنیا میں بھی مضر ہے جب دوسرا آدمی سنیگا تو عداوت پیدا ہو جائیگی اور پھر کیا ثمرات اُسکے ہوں گے اسی طرح زبان کے بہت گناہ ہیں سب سے بچنا ضروری ہے ان کے علاوہ ایک گناہ جو خاص روزہ کے متعلق ہے افطار علی الحرام ہے بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس مہینے میں حلال کا کھانا بھی ایک وقت میں حرام ہو گیا اور پھر دن بھر تو اُسے لوگ چھوڑے رہیں اور شام کو حرام سے افطار کریں۔

غلطی اُن لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ حلال رزق نہیں ملتا

اور دراصل بعض لوگوں نے خبط میں ڈالدیا ہے یوں کہتے ہیں کہ رزق حلال تو پایا نہیں جاتا سوائے اس کے کہ دریا میں سے مچھلی شکار کر کے کھائی جائے یا سبزی کھا کر یا گھاس چر کر پیٹ بھر لیا جائے۔ اور کچھ قصے اس کے متعلق مشہور کئے ہیں۔

وہ ایک بزرگ کا قصہ بیان کیا کرتے ہیں کہ ان کا بیل لڑتے لڑتے دوسرے کے کھیت میں چلا گیا تو انھوں نے اس کھیت کا غلہ کھانا چھوڑ دیا کہ نہ معلوم دوسرے کے کھیت کی مٹی جو میرے بیل کے کھر میں بلا اجازت چلی آئی کونسے دانے میں شامل ہو گئی ہو۔ اگر یہ قصہ ہوا ہے تو وہ صاحب حال ہے دوسروں کے لئے اُن کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ قصداً اتنا مبالغہ کرنا تقویٰ کا ہیضہ اسی کو کہتے ہیں۔ جب اتنے شبہ کو بھی حرام میں سمجھا جاویگا اور اس سے بچنا ظاہر ہے کہ مشکل ہے تو گمان یہ ہوگا کہ حرام سے بچنا مشکل ہے۔ بس حراموں میں مبتلا ہو گئے۔ اور حلال کو بالکل چھوڑ ہی دیا۔ میں کہتا ہوں کیا کنز و ہدایہ بالکل لغو ہی ہیں جب یہی بات ٹھہری کہ حلال کا وجود ہی نہیں تو ناحق اتنا بسط کیا صرف اتنا کافی تھا۔ کہ الحلال لا یوجد۔ ہرگز نہیں جس پر کنز و ہدایہ فتویٰ دیدیں وہ حلال ہے میں کہتا ہوں کیا سب علماء حرام خور ہیں۔

حکایت - ایک بزرگ تھے مولٰنا مظفر حسین صاحب ان کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی انکو مال حرام دھوکے سے بھی کھلا دیتا تھا تو قے ہوجایا کرتی تھی اور پھر بھی وہ دونوں وقت کھانا کھاتے تھے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حلال کا وجود دنیا میں ضرور ہے - ورنہ وہ کیا کھاتے تھے - اگر فرض کیجئے کہ مال حرام ہی کھاتے تھے تو طبیعت کو یہ نفرت نہیں ہوسکتی یا یہ کہ ہمیشہ قے ہی کیا کرتے ہونگے تو کھانا فضول ہے - غرض دنیا میں حلال بھی ہے حرام بھی ہے جو مسائل دریافت کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے - مگر لوگ پوچھتے ہی نہیں -

منشا اس غلط خیال کا کہ حلال رزق نہیں ملتا

اور یہ فساد پیدا کا ہے سے ہوا کہ لوگوں نے پوچھنا چھوڑ دیا جو جی میں آیا کرتے رہے حتی کہ اس کے عادی ہوگئے اب جو کسی نے منع کیا تو اس کا چھوڑنا نہایت دشوار معلوم ہوا بس کہدیا کہ میاں یہ لوگ تو خواہ مخواہ بھی حلال کو حرام ہی کہا کرتے ہیں - ان کی تو غرض یہی ہے کہ مال نہ بڑھے اور مسلمانوں کو ترقی نہ ہو - بس ہوتے ہوتے یہ ذہن میں جم گیا کہ ان کے یہاں تو سب چیز حرام ہی ہے - حلال کا وجود ہی نہیں جو حلال تھا وہ بھی حرام ہی سمجھنے لگے اور خوف سے مفتی کے پاس جانا چھوڑ دیا کہ دیکھا چاہیئے کہ ہمارے کس معاملہ کو حرام بتا دیں یا حلال بتائیں تو ہماری ہماری خاطر سے ہی شاید کہدیں اور فی نفسہ حرام ہی ہوگا - کیونکہ حلال کا تو وجود ہی نہیں - سو یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ جسکو مفتی مباح کہے وہ عند اللہ مباح ہے اسمیں کچھ حرج نہیں شیطان کے بہت سے جال ہیں - ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ سب حرام ہے - پھر بعض لوگ حرام و حلال میں خواہ مخواہ شبہ کرکے حلال کو بھی چھوڑ دیتے ہیں کہ جب اسمیں وسوسہ ہے تو چھوڑ ہی دو چاہے مفتی کتنا ہی کہے کہ یہ حلال ہے مگر وہ اس کے چھوڑتے ہی کو اولیٰ سمجھتے ہیں - نہیں اس فعل میں کچھ حرج نہیں جو مباح ہے - اہل علم سے پوچھ لو کہ کوئی وجہ اس میں اباحت کی بھی ہے وہ کوئی ظالم نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ یہی چاہتے ہوں کہ تم کو دقت میں ڈالیں اور یہ خیال مت کرو کہ حلال موجود ہی نہیں پوچھ لو پھر جس سے وہ منع کریں اس پر عمل کرنے کے لئے ہمت باندھو -

نفس کی کم ہمتی کا عمدہ علاج

اور اگر نفس کم ہمتی ہی کرے تو اس سے یوں کہو کہ یہ جو حکام وقت کے احکام ہیں انکو کس طرح مانتا ہے۔ اس کو حاکم حقیقی کا حکم سمجھکر مانو پھر دوسرے لوگ بھی انشاء اللہ تم سے معارضہ نہ کریں گے۔

حکایت ۔ میرا ہی خود قصہ ہے کہ کبھی زیور بنواتا تو چونکہ چاندی کے واسطے روپیہ دینے سے ربٰو لازم آجاتا ہے اس لئے جب کبھی زیور بنوانے کا اتفاق ہوتا میں چاندی دوسری جگہ سے خرید کر اسے دیتا۔ دو ایک مرتبہ تو اس نے کہا کہ روپیہ دیدو پھر تول کر حساب کر دینا میں نے اس سے کہدیا کہ یہ میرے دین کے خلاف بات ہے۔ بس اس نے اس کو خوشی سے منظور کر لیا تو لوگ سب مان جاتے ہیں آدمی پکا چاہیئے۔ اور اللہ میاں کی طرف سے اسباب ویسے ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔ خیال کر لیجئے کہ حاکم جب کسی کو امر شاق کا حکم دیتا ہے تو اس پر مامور کی اعانت بھی کیا کرتا ہے۔ حاصل یہ کہ دل کو مضبوط کرو اور اس پر عزم کر لو کہ ہم کوئی کام بلا پوچھے نہ کرینگے۔ یہاں اس پوچھنے سے بعض صورتیں عدم جواز کی بھی نکلینگی اور اس میں آمدنی کبھی کم ہو جاویگی تو خوب سمجھ لو اور تجربہ کر لو کہ اس کم ہی میں برکت ہو جاویگی اور اس کے یہ معنی نہیں کہ کم چیز مقدار میں بڑھ جاتی ہے کہ بازار سے تو ایک من گیہوں لائے اور گھر پر آکر دو من اترے۔ ممکن تو ایسا بھی ہے۔ ایک صاحب خیر نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ مسجد بنواتے تھے اور ایک تھیلی میں روپے رکھتے تھے اور کام شروع کیا جب ضرورت ہوتی اس میں ہی سے ہاتھ ڈالکر نکال لاتے یہاں تک کہ سب کام بنگیا حساب جو لگایا تو جتنا روپیہ تھا اس سے کم نہیں ہوا۔ تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے مگر ہمیشہ ضرور نہیں۔ بلکہ اس کے معنی اور ہیں۔ اور وہی اکثر واقع ہیں اور وہ یہ کہ یہ مقدار قلیل جب تمہارے ہی صرف میں آئے۔ بیماری میں خرچ نہ ہو اور ایسے ہی فضول خرچیوں میں مقدمات میں لاطائل تکلفات میں ضائع نہ جائے۔ جو کچھ آئے تمہاری ہی ذات پر صرف ہونا چاہیئے۔ تھوڑا ہو اس سے بہتر کہ زیادہ آئے اور تم پر خرچ نہ ہو۔

رضاء حق عمل کا اصل ثمرہ ہے

اور آخر میں میں کہتا ہوں کہ نہ ہو برکت مگر خود اللہ میاں کی رضا ہی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اللہ میاں ملیں پھر کیا حقیقت ہے کسی چیز کی مال و دولت کے مقابلہ میں کیا اللہ میاں کی کچھ وقعت نہیں

حکایت - ایک بزرگ تھے مولینا مظفر حسین صاحب ان کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی انکو مال حرام دھوکے سے بھی کھلا دیتا تھا تو قے ہوجایا کرتی تھی اور پھر بھی وہ دونوں وقت کھانا کھاتے تھے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حلال کا وجود دنیا میں ضرور ہے۔ ورنہ وہ کیا کھاتے تھے - اگر فرض کیجئے کہ مال حرام ہی کھاتے تھے تو طبیعت کو یہ نفرت نہیں ہوسکتی یا یہ کہ ہمیشہ قے ہی کیا کرتے ہونگے تو کھانا فضول ہے - غرض دنیا میں حلال بھی ہے حرام بھی ہے جو مسائل دریافت کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ مگر لوگ پوچھتے ہی نہیں۔

منشا اس غلط خیال کا کہ حلال رزق نہیں ملتا

اور یہ فساد پیدا کاہے سے ہوا کہ لوگوں نے پوچھنا چھوڑ دیا جو جی میں آیا کرتے رہے حتی کہ اس کے عادی ہوگئے اب جو کسی نے منع کیا تو اس کا چھوڑنا نہایت دشوار معلوم ہوا بس کہدیا کہ میاں یہ لوگ تو خواہ مخواہ بھی حلال کو حرام ہی کہا کرتے ہیں - ان کی تو غرض یہی ہے کہ مال نہ بڑھے اور مسلمانوں کو ترقی نہ ہو - بس ہوتے ہوتے یہ ذہن میں جم گیا کہ ان کے یہاں تو سب چیز حرام ہی ہے - حلال کا وجود ہی نہیں جو حلال تھا وہ بھی حرام ہی سمجھنے لگے اور خوف سے مفتی کے پاس جانا چھوڑ دیا کہ دیکھا چاہیئے کہ ہمارے کس معاملہ کو حرام بتادیں یا حلال بتائیں تو ہماری ہماری خاطر سے ہی شاید کہدیں اور فی نفسہ حرام ہی ہوگا - کیونکہ حلال کا تو وجود ہی نہیں - سو یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ جسکو مفتی مباح کہے وہ عند اللہ مباح ہے اسمیں کچھ حرج نہیں شیطان کے بہت سے جال ہیں - ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ سب حرام ہے - پھر بعض لوگ حرام و حلال میں خواہ مخواہ شبہ کرکے حلال کو بھی چھوڑ دیتے ہیں کہ جب اسمیں وسوسہ ہے تو چھوڑ ہی دو چاہے مفتی کتنا ہی کہے کہ یہ حلال ہے مگر وہ اس کے چھوڑتے ہی کو اولیٰ سمجھتے ہیں - نہیں اس فعل میں کچھ حرج نہیں جو مباح ہے - اہل علم سے پوچھ لو کہ کوئی وجہ اس میں اباحت کی بھی ہے وہ کوئی ظالم نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ یہی چاہتے ہوں کہ تم کو دقت میں ڈالیں اور یہ خیال مت کرو کہ حلال موجود ہی نہیں پوچھ لو پھر جس سے وہ منع کریں اس پر عمل کرنے کے لئے ہمت باندھو۔

نفس کی کم ہمتی کا عمدہ علاج

اور اگر نفس کم ہمتی ہی کرے تو اس سے یوں کہو کہ یہ جو حکام وقت کے احکام ہیں انکو کس طرح مانتا ہے۔ اس کو حاکم حقیقی کا حکم سمجھکر مانو پھر دوسرے لوگ بھی انشاء اللہ تم سے معارضہ نہ کریں گے۔

حکایت ۔ میرا ہی خود قصہ ہے کہ کبھی زیور بنواتا تو چونکہ چاندی کے واسطے روپیہ دینے سے ربٰو لازم آجاتا ہے اس لئے جب کبھی زیور بنوانے کا اتفاق ہوتا میں چاندی دوسری جگہ سے خرید کر اسے دیتا۔ دو ایک مرتبہ تو اس نے کہا کہ روپیہ دیدو پھر تول کر حساب کر دینا میں نے اس سے کہدیا کہ یہ میرے دین کے خلاف بات ہے۔ بس اس نے اس کو خوشی سے منظور کر لیا تو لوگ سب مان جاتے ہیں آدمی پکا چاہئیے۔ اور اللہ میاں کی طرف سے اسباب ویسے ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔ خیال کر لیجئے کہ حاکم جب کسی کو امر شاق کا حکم دیتا ہے تو اس پر مامور کی اعانت بھی کیا کرتا ہے۔ حاصل یہ کہ دل کو مضبوط کرو اور اس پر عزم کر لو کہ ہم کوئی کام بلا پوچھے نہ کرینگے ہاں اس پوچھنے سے بعض صورتیں عدم جواز کی بھی نکلینگی اور اس میں آمدنی کبھی کم ہو جاویگی تو خوب سمجھ لو اور تجربہ کر لو کہ اس کم ہی میں برکت ہو جاویگی اور اس کے یہ معنی نہیں کہ کم چیز مقدار میں بڑھ جاتی ہے کہ بازار سے تو ایک من گیہوں لائے اور گھر پر آکر دو من اترے۔ ممکن تو ایسا بھی ہے۔ ایک صاحب خیر نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ مسجد بنواتے تھے اور ایک تھیلی میں روپے رکھتے تھے اور کام شروع کیا جب ضرورت ہوتی اس میں ہی سے ہاتھ ڈالکر نکال لاتے یہاں تک کہ سب کام بنگیا حساب جو لگایا تو جتنا روپیہ تھا اس سے کم نہیں ہوا۔ تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے مگر ہمیشہ ضرور نہیں۔ بلکہ اس کے معنی اور ہیں۔ اور وہی اکثر واقع ہیں اور وہ یہ کہ یہ مقدار قلیل جب تمہارے ہی صرف میں آئے۔ بیماری میں خرچ نہ ہو اور ایسے ہی فضول خرچیوں میں مقدمات میں لاطائل تکلفات میں ضائع نہ جائے۔ جو کچھ آئے تمہاری ہی ذات پر صرف ہونا چاہئیے۔ تھوڑا ہوا اس سے بہتر کہ زیادہ آئے اور تم پر خرچ نہ ہو۔

رضاء حق عمل کا اصل ثمرہ ہے

اور آخر میں میں کہتا ہوں کہ نہ ہو برکت مگر خود اللہ میاں کی رضا ہی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اللہ میاں ملیں پھر کیا حقیقت ہے کسی چیز کی مال و دولت کے مقابلہ میں کیا اللہ میاں کی کچھ وقعت نہیں

سمجھتے ہو حضرت اللہ میاں کی رضا وہ چیز ہے کہ جس کی نسبت ایک بزرگ کہتے ہیں۔ ع تو بہاں اے آنکہ جز تو پاک نیست۔ دنیا کے حکام کی صرف خوشنودی کے واسطے کتنے کتنے سفر اور کیا کیا کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے اور پھر اونکی خوشنودی دیرپا نہیں ذراسی بات پر بگڑ گئے اور اللہ میاں فرماتے ہیں کہ ہم شکور ہیں۔ خیال کیجئے اس لفظ کو۔ ایک بادشاہ کے سامنے کوئی چیز لیجائیے اور وہ اس کی نسبت منظوری و عدم منظوری کچھ ظاہر نہ کرے مگر اس میں کوئی عیب نہ نکالے اور خازن کو حکم دیدے کہ رکھ لو تو لیجانے والے کے دماغ آسمان پر پہونچ جاوینگے اور سناتا پھریگا کہ بادشاہ نے ہمارا ہدیہ رکھ لیا۔ اور اللہ میاں کے یہاں ہم لوگ اپنے اعمال لیجاتے ہیں اور ذرا ان اعمال کو بھی دیکھ لیجئے کہ وہ کس قابل ہیں۔

ہماری نماز کی مثال

ایک نماز ہی کو لے لیجئے اس وقت نظر کے واسطے کہ کھڑے ہوتے ہیں اللہ میاں سے باتیں کرنے کو اور کرتے ہیں کس سے گاؤخرے یا یوں مثال دیجئے کہ ایک بادشاہ نے محض اپنی عنایت سے اپنے غلام کو دربار میں حاضری کی اجازت دی بلکہ یوں کہئے کہ زبردستی طلب کیا (ہم لوگ ایسے بھلے مانس تو کاہے کو ہیں کہ حاضری کی اجازت سے ہی دربار میں پہونچنے کو غنیمت سمجھیں) زبردستی بلائے ہوئے بلکہ پابزنجیر ہوکر دربار میں پہونچے۔ اور کام ہم سے کیا ہے کہ بادشاہ کو ان پر رحم آیا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ ان سے دربار میں کچھ گفتگو کرلے کہ درباریوں اور تمام رعایا میں ان کی عزت ہوجائے اپنا کچھ نفع مقصود نہیں ہے ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم ۔۔۔ بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

ہائے۔ من نکردم خلق تا سودے کنم ؎ بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم۔ اللہ میاں کا کیا نفع ہے ہمارے پیدا کرنے یا عزت دینے سے۔ خیر ان حضرات نے کیا مکافات کی اس بلانے کی کہ پہونچتے ہی تو منہ پھیر کر کھڑے ہوگئے۔ اور کانوں میں انگلیاں دے لیں مگر بادشاہ تو کم ظرف نہیں ہے اس گستاخی پر نظر نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے اپنے خادموں کو کہ اس بیوقوف کی انگلیاں کانوں سے نکالدو بلکہ ہاتھ باندھ دو کہ پھر انگلیاں کانوں میں نہ دے سکے۔ اور منہ اس کا ہماری طرف کردو۔ اور جلدی سے شفقت آمیز کلمات فرمانے لگا

کہ ایک دفعہ تو اس کے کان میں پڑ جائیں دیکھیں تو معلوم کیسے نہیں ہوتا۔ مگر یہ تو قسم کھا کر چلے ہیں کہ الٹا ہی کرینگے جھٹ سے پھر انگلیاں کانوں کی طرف بڑھائیں۔ مگر ہاتھ بندھے ہوئے تھے جلدی سے اس خوف سے کہ کہیں محبوب کا کلام کان میں پڑ جائے اس جگہ سے بھاگ اصطبل میں گھوڑے کے پاس جا چھپے۔ وہاں آدمی پکڑنے کیلئے پہنچا گدھے کے پاس جا چھپے۔ غرض ایک گھنٹہ بھر یہی کیفیت رہی کہ یہ بھاگا کئے اور بادشاہ کے نوکر بلکہ خود بادشاہ اللہ اکبر ان کے پیچھے پھرا کیا مگر انھوں نے وہی کیا جو شامت اعمال سے ہونا تھا۔

ہماری نماز پر سزا نہ ہونا ہی غایتہ درجہ کی رحمت ہے

اب فرمائیے کہ یہ شخص کس سزا کا مستحق ہے۔ یا بادشاہ کو اس پر رحم آنا چاہیئے۔ یہ تو اس قابل ہے اگر ایک دفعہ بھی یہ حرکت اس نے کی ہے تو توہین بادشاہ کے جرم میں اسکو لے لیا جائے اور کبھی دربار کی حاضری کی اجازت نہ ہو۔ اب آپ اپنے معاملہ کو اللہ میاں کے ساتھ دیکھ لیجئے کہ ادھر سے تو حاضری کی اجازت ہر وقت یعنی نفل نماز کے لئے اجازت ہے جب چاہو پڑھو (باستثنائے تھوڑے وقتوں کے) مگر ہمیں توفیق نہیں ہوتی کہ اس اجازت کو غنیمت سمجھیں۔ یہاں تک کہ پکڑ کر بلانے کی نوبت پہنچی یعنی فرض نماز کا وقت آیا نہایت کاہلی کے ساتھ گرتے پڑتے پہونچے۔ بُرا بھلا وضو کیا اور باکراہ نیت نماز کی یعنی سامنے باتیں کرنے کو کھڑے کئے گئے۔ کھڑے ہوتے ہی منہ نہ ایسا پھیرا کہ کچھ خبر نہیں صرف الفاظ زبان پر جاری ہیں۔ دھوکا دینے کے واسطے آداب شاہی بجا لا رہے ہیں یعنی سبحانک اللھم پڑھا اللہ میاں نے اس منہ پھیرنے پر نظر نہ کی۔ اور کلام شروع کیا۔ چنانچہ الحمد للہ رب العالمین پر جواب ملنا حدیثوں میں آیا ہے۔ ذرا سی بھنک کان میں پڑتے ہی ایسے بھاگے کہ سیدھے گھر آ کر دم لیا۔ کبھی بیوی کے پاس کبھی بچوں کے پاس کبھی مکان میں کبھی طویلہ میں پھرا کئے۔ مراد اس سے خیالات کا جولانی دینا ہے۔ غرض یہی مسخرا پن کیا کئے۔ یہاں تک کہ بمشکل تمام دربار کی حاضری ختم تک پہنچی یعنی سلام پھیرا۔ بڑی خیر ہوئی بادشاہ کی ہمکلامی سے بچ گئے جانے وہ کاٹ کھاتا۔ یا کیا کرتا (یہ خبر نہیں کہ کیا کرتا اور کیا ہوتا اور یہ کیا پاتے۔ صاحبو! اب ان گستاخیوں کی سزا وہی ہونی چاہیئے تھی یا نہیں جو مثال میں میں نے عرض کی کہ اگر ایک

دفعہ بھی ہم ایسی نماز پڑھتے تو کبھی اللہ میاں کے یہاں ہم کو گھسنے نہ دیا جاتا۔ اور فوراً دربار سے نکلتے ہی گرفتاری اور حبس دوام کا روبکار جاری ہوجاتا۔ مگر سنئے کہ اللہ میاں سے کیا روبکار جاری ہوا۔ وکان سعیکم مشکورا۔ اس نے دربار میں اتنی دیر کی مصاحبت کو بہت اچھی طرح انجام دیا۔ مرجانے کی بات ہے اچھی طرح تو جیسے انجام دی وہ ہم بھی خوب جانتے ہیں اور جو وہاں حاضر تھے انھوں نے بھی خوب دیکھا بلکہ حاضرین کے سامنے شرم رکھنے کے واسطے اور فرماتے ہیں۔ اولئٰک یبدل اللہ سیأتہم حسنات۔ گویا یہ بیوقوف ہے کتنی گستاخیاں کیں مگر ہم اس آنے کو حاضری ہی میں لکھے لیتے ہیں۔ اور اس کی وہی عزت کیجائے جو باقاعدہ آنے والے کی کیجاتی ہے۔ اب فرمایئے کہ اگر ایک مرتبہ ایسا معاملہ بادشاہ کسی کے ساتھ کرے تو کیا دوبارہ اس شخص کی ہمت پڑسکتی ہے کہ پھر اسی وحشیانہ طریق سے دربار میں جاوے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ سر سے پیر تک خجالت کے پسینہ میں غرق ہوجائیگا۔ مگر ہم ایسے احسان فراموش ہیں کہ ایک دو دفعہ کیا معنی سیکڑوں بار بلکہ ہر روز پانچ بار یہی جفا کاری کرتے ہیں۔ مگر ادہر سے مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔ اس پر طرہ یہ کہ ان لنگڑے لولے اعمال (بلکہ اعمال کیسے کہا جاسکتا ہے بداعمالیوں) میں بھی کمی اور کوتاہی ہے۔ بلکہ خداتعالےٰ کے محرمات کی طرف میلان ہے۔ صاحبو! ذرا شرماؤ اور عمل کرو۔ اور حرام سے بچو خاصکر رمضان کے مہینے میں۔

تلاوت قرآن شریف کا مع اپنے حق کے ضروری ہونا

الذین اٰتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولئٰک یومنون بہ ومن یکفربہ فاولئٰک ھم الخسرون۔ یہ آیت سورہ بقر کی ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو تلاوت کرتے ہیں۔ جیسا حق ہے تلاوت کا۔ ایمان والے یہی ہیں اور جو کتاب پر ایمان نہ لائے وہ خسارہ والے ہیں۔ اس کی دو تفسیریں ہیں۔ مگر دونوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ تلاوت کرنے والوں کی مدح ہے۔ اس آیت میں ہرچند کہ کتاب سے مراد توریت ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ توریت کی تلاوت کے قابل مدح ہونے کا سبب توریت کا کتاب اللہ ہونا ہے محض کتاب ہونا نہیں ہے۔ اور چونکہ قرآن پاک افضل کتب ہے تو اس کی تلاوت اور زیادہ قابل مدح ہوگی۔ سو اسی آیت سے اس کی فضیلت بطریق دلالت

ثابت ہوگئی۔ اس آیت سے قرآن مجید کے تلاوت کرنے کی اور اس کے حقوق ادا کرنے
کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ تلاوت بلا سیکھے ہوئے اور پڑھے
ہوئے کیسے ہو سکتی ہے۔ سیکھنا اور پڑھنا اس کا موقوف علیہ ہے۔ اور مقدمہ ضروری کا
ضروری ہوتا ہے۔ اگر آپ باورچی کو حکم دیں کہ کھانا پکا تو اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے
کہ ہانڈی چولھے پر رکھکر آنچ دے لا بلکہ بازار سے گوشت لا۔ اور مصالح لا۔ اور اناج لا۔ اور
پکانے کے برتن مہیا کر اور آگ جلا۔ تب ہانڈی کو آنچ دے۔ چنانچہ کھانا پکانے کے حکم کے
بعد باورچی کا ان سامانوں میں لگا رہنا آپ کے نزدیک اور کاموں کے نکرنے کا عذر سمجھا جاتا
ہے۔ اور ان کاموں میں اس کا لگا رہنا پکانے ہی کے حکم کی تعمیل سمجھا جاتا ہے۔ اگر اناج
مثلاً نہ ہو اور وہ بیٹھا رہے اور عین وقت عذر کرے تو یہ عذر اس کا آپ ہرگز نہ سنیں گے کہ حضور
آپ نے مجھے صرف پکانیکا حکم دیا تھا یہ نہیں فرمایا تھا کہ اناج بھی منگانا اس عذر نہ سننے کی کیا
وجہ ہے یہی کہ کسی چیز کا حکم اس کے اسباب و مقدمات کا بھی حکم ہے الشئے اذا ثبت ثبت بلوازمہ
بنابریں تلاوت کتاب کا مطلوب ہونا اس کے سیکھنے اور پڑھنے کا بھی مطلوب ہونا ہے
جو فضیلت تلاوت کی ہوگی وہی فضیلت سیکھنے کی ہوگی اور جسقدر ضرورت تلاوت کی ہوگی
اسی قدر ضرورت سیکھنے کی بھی ہوگی۔ غرض قرآن شریف کا سیکھنا ضروری ہوا اور دیکھئے کہ
حق سبحانہ تعالیٰ نے صرف یتلون نہیں فرمایا بلکہ حق تلاوتہ کی قید بھی بڑھائی اور اس میں
اور اسمیں بڑا فرق ہے۔ مثلاً ایک تو یوں کہیں کہ یہ کام کر لاؤ اور ایک یہ کہ یہ کام خوب
سوچ سمجھکر کر لاؤ۔ اس دوسرے لفظ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نفس کام کرنے سے عہدہ
برآ نہیں ہو سکتے۔ تا وقتیکہ وہ من کل الوجوہ مکمل نہ ہو اس سے نفس امر کی اور زیادہ تاکید
ہوجاتی ہے۔ تو آیت میں نفس تلاوت کی اور زیادہ تاکید ہوگئی۔ پھر نفس تلاوت میں تشدید
ہوجانے سے اس کے مقدمہ یعنی سیکھنے کے حکم میں بھی تشدید ہوگئی۔ غرض قرآن شریف
کا سیکھنا ضروری بلکہ نہایت ضروری ہوا پھر اتنا سیکھنا بھی کافی نہیں ہوگا کہ نفس تلاوت
کا ذریعہ ہو بلکہ اتنا سیکھنا چاہیئے کہ حقوق تلاوت ادا ہوں اب سمجھئے کہ حق تلاوت کیا ہے
ہمیشہ یاد رکھیئے کہ جس چیز کی فضیلت بیان ہو اور جس چیز کی برائی بیان ہو اس کی حقیقت
سمجھ لینا چاہیئے اگر وہ چیز اپنی حقیقت پر ہو تو قابل فضیلت یا برائی ہے ورنہ نہیں۔

حقیقت تلاوت

یہاں تلاوت کتاب اللہ کی فضیلت بیان ہوئی لہذا اسکی حقیقت سمجھ لیجئے کہ حق سبحانہ تعالی نے اپنی کتاب اُتاری جو مجموعہ ہے اوراد کا اور قصص اور حکایات کا اور احکام کا اور جامع ہے تمام بھلائیوں کو قطع نظر تمام خوبیوں سے محض کلام اللہ ہی ہونا اسکا مقتضی اس امر کا ہے کہ ہم جیسے ناچیز بندوں کی اس تک رسائی بھی نہوتی کہاں وہ کلام مقدس کہاں ہم حقیر بندے۔ دیکھ لیجئے دنیا کے ذرا ذرا سے بادشاہوں کے دربار کی حاضری کے لئے لوگ کتنی کتنی کوششیں کرتے ہیں اور عمریں گذار دیتے ہیں، تب کہیں سلام کرنے کا موقع ملتا ہے اور جسکو ایک دو بات کرنیکا موقع ملگیا وہ اپنے آپ کو کتنا کچھ سمجھنے لگتا ہے اور تمام سلطنت بھر میں اوسکی کیا عزت ہوجاتی ہے جب کلام شاہان دنیا کی یہ عزت ہے تو بادشاہِ شاہان اور احکم الحاکمین کے کلام کی کیا کچھ عظمت ہونی چاہیئے شاہان دنیا کا کلام دو چار برس کی تمنا اور کوششوں کے بعد میسر ہوتا ہو تو کلام الٰہی اگر کچھ بھی نہیں تو دو چار برس کی محنت کے بعد تو نصیب ہونا چاہیئے مگر نہیں کس درجہ رحمت ہے اللہ میاں کی کہ ہمارے ہاتھوں میں اپنی کتاب دیدی اور اذن عام دیدیا کہ جس کا جسوقت جی چاہے ہم سے باتیں کرے پھر صرف اذن ہی نہیں بلکہ مطالبہ بھی ہے بندوں سے کہ باتیں کرو اب ہم بندے اپنی ذلت اور احکم الحاکمین کی عزت کو پیش نظر کرکے دیکھیں کہ یہ باتیں کرنے کی فرمایش کیا چیز ہے سوا اس کے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ محض فضل ہے معلوم ہوگیا ہوگا کہ تلاوت کتاب اللہ کی حقیقت اللہ میاں سے باتیں کرنا ہے اب اس آیت میں فرماتے ہیں کہ تم ہم سے باتیں تو کروگے مگر قاعدے اور ادب کیساتھ کرنا یتلونہ حق تلاوتہ ترکیباً تو اخبار ہے مگر مقصداً انشا ہے یعنی تلاوت کرنے والوں کو چاہیئے کہ تلاوت کے حقوق ادا کریں۔

تلاوت کے ظاہری و باطنی حقوق اور قرآن کی تعلیم کی جامعیت

جب تلاوت کی حقیقت معلوم ہوگئی تو اب سمجھ لیجئے کہ حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں باطنی اور ظاہری قربان جائے تعلیم شریعت کے کہ اعمال میں صرف بناوٹ نہیں سکھلائی بلکہ ظاہری حقوق بھی بتائے اور باطنی بھی اور باطنی کو ظاہری سے زیادہ ضروری رکھا مثلاً ماں باپ کے حق ظاہری کو فرمایا واخفض لھما جناح الذل کہ ان کے سامنے پستی اختیار کرو وضع میں قطع میں تکلم میں

نشست و برخاست میں غرض ہر چیز میں ان سے تذلل برتو۔ کسی بات میں ان پر ترفع مت کرو۔ یہ تو حق ظاہری ہے اور حق باطنی کو سبحان اللہ کیسے ذرا سے لفظ سے ادا فرما دیا۔ یعنی من الرحمۃ یعنی ان کے سامنے نری ظاہری پستی پر اکتفا نہ کرو۔ اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ بلکہ اس ظاہری پستی کا منشا رحمت ہو۔ رحمت رقت قلب کو کہتے ہیں یعنی ان کی خدمت دل سے کرو۔ جیسا کہ ظاہر ان کے سامنے پست کیا ہے۔ باطن کو بھی پست کرو۔ دل کے اندر خشوع بھی ہو خضوع بھی ہو۔ قرآن میں کوئی ضروری بات چھوڑی نہیں جاتی۔ یہی خوبی ہے کلام اللہ کی تعلیم کی۔ کسی حکیم یا کسی فلسفی کی تعلیم میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ اور اس پر بھی اکتفا نہیں کیا آگے فرماتے ہیں وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ اوپر تو ان حقوق کا حکم تھا جن کی ادا کا علم والدین کو اور اور لوگوں کو وقت ادا ہو جائیگا۔ اور اوسمیں فرمادیا تھا کہ صرف ظاہری بناوٹ نہ ہو۔ ان کو بھی دل سے ادا کرو۔ یہاں حکم ہے کہ ان حقوق کو بھی ادا کرو جن کی اطلاع بھی نہ ہو۔ قل رب ارحمھما یعنی اُن کے لئے دعا بھی کرو۔ یہ بھی ایک حق باطنی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ حق تین ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ اور ابطن۔ اور تینوں قسموں کے ادا کا حکم ہے۔ اسی طرح حق تلاوت بھی مختلف ہوتے ہیں۔ میں اس کی ایک مثال دئے دیتا ہوں جس سے اچھی طرح توضیح ہو جائیگی۔

تلاوت کی ایک مثال

فرض کیجئے کہ بادشاہ کسی کے ہاتھ میں شاہی قانون دیکر کہے کہ اسکو پڑھو تو اسکی حالت پڑھنے کے وقت یہ ہوگی کہ ہر ہر لفظ کو صاف صاف پڑھے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا پڑھنا بادشاہ کے ناپسند ہو اور اس کے معنی اور مفہوم کو بھی سمجھتا جائیگا۔ ایک تو اس خیال سے کہ عبارت کا لہجہ بلا معنی سمجھے ہوئے ٹھیک نہیں ہوسکتا اور ایک اس خیال سے کہ شاید کہیں بادشاہ پوچھ بیٹھے کہ کیا مطلب سمجھا تو خفت ہو اور ایک حالت پڑھنے والے کی یہ ہوگی کہ دل میں اس قانون کے احکام کی تعمیل کا بھی عزم ہوگا اور یہ کسی قرینہ سے ظاہر نہ ہونے دیگا کہ میں اس کی پابندی میں کچھ کوتاہی کرتا ہوں۔ بلکہ حال قال سے یہی ثابت کریگا کہ میں سب سے زیادہ تعمیل کرنے والا ہوں۔ بس اس مثال کو ذہن میں حاضر رکھئے۔

تلاوت قرآن شریف کے تین مرتبے ہیں

اور سمجھئے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں بھی اسی طرح کے تین مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ الفاظ ظاہری کا ہے۔ یعنی ہر ہر حروف کو علیحدہ علیحدہ صاف صاف اور اپنے مخرج سے ادا کرنا اور ایک مرتبہ معنی کا یعنی مدلول الفاظ کو سمجھ لینا یہ نہیں کہ خیال کہیں ہے صرف طوطے کی طرح سے لفظ ادا کردے یہ مرتبہ حق باطنی کا ہے۔ اور ایک مرتبہ اس سے بھی ابطن ہے وہ اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ جب یہ تینوں باتیں جمع ہونگی۔ تب کہا جائیگا کہ حق تلاوت کا ادا ہوگیا۔ غرض کل تین حق ہوئے۔ ایک حق ظاہری یعنی تلاوت۔ دوسرا حق باطنی یعنی معنی سمجھ لینا تیسرا عمل کرنا یہ بمقابلہ دوسرے کے بھی باطن ہے۔ تو اس کو ابطن کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ معاملہ فیما بینہ وبین اللہ ہے ان تینوں میں وجوداً سب سے مقدم حق ظاہری ہے اور موکد سب سے زیادہ تیسرا درجہ ہے یعنی عمل۔ ان دونوں میں حقیقت اور صورت کا فرق ہے۔ اصل چیز حقیقت ہی ہوتی ہے۔ لیکن وجود اس کا لباس صورت میں ہوتا ہے اسی وجہ سے صورت مقدم ہوتی ہے۔ اور ضروری دونوں ہیں۔ پس حقیقت بلا صورت کے باطل ہے اور صورت بلا حقیقت کے عاطل، غرض ثابت ہوا کہ عمل بھی ایک حق ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ محض مرتبہ مستحب ہی میں ہے۔ دیکھئے اللہ میاں نے آگے فرما دیا اولٰئک یومنون بہ۔ جو لوگ تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان رکھتے ہیں یعنی کامل ایمان انھیں کا ہے۔ پس عمل موقوف علیہ ہے کمال ایمان کا اور کمال ایمان کی تحصیل واجب ہے تو ضرور عمل بھی واجب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی صفت کبریا کے لحاظ رکھنے سے کل مفاسد کی اصلاح ہوجاتی ہے

ولہ الکبریاء فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم ط اس آیت میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے خاص اپنی ایک صفت بیان فرمائی ہے کہ اگر اسکو انسان نظر میں رکھے تو کل مفاسد اس سے الگ رہیں۔ خلاصہ اس کا معرفت تعلق انسانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ تعلق امر نسبتی ہے جو طرفین کو چاہتا ہے۔ ایک طرف حق تعالیٰ۔ ایک طرف بندہ تو اس تعلق کے پہچاننے کا طریق دو معرفتوں کا جمع کرنا ہے۔ معرفت حق تعالیٰ کی اور معرفت اپنے

نفس کی اور ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ تلازم بھی ہے۔ اگر حق تعالیٰ کو پہچان لیا جائے تو نفس کی پہچان ہو جائیگی۔ اور اگر نفس کا علم ہو جائے تو معرفت حق تعالیٰ ہو جائیگی اسی واسطے کہا گیا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ اور پہلی معرفت دوسری معرفت سے اسلئے اہم ہے کہ نفس تو حاضر ہے اور اللہ غائب اور غائب کا پہچاننا مشکل ہے حاضر سے۔ اس اہمیت کے سبب اس آیت میں اسی کی تعلیم کی گئی ہے کہ اس میں اپنی ایک صفت ذکر فرمائی کہ اس صفت سے پہچانیں۔ اور وہ صفتِ کبریا ہے۔ جو تمام صفات کے درجہ کمال کو شامل ہے اور معنی اس کے بڑائی ہیں جس کو حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور جب یہ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ تو دوسرے میں نہ ہونی چاہیے سو جب تک یہ معرفت محفوظ رہیگی۔ حاشا وکلا جو کوئی مفسدہ بھی ہونے پائے۔

کبر تمام عیوب حتی کہ کفر و شرک کی بھی جڑ ہے

اور جب یہ معرفت نہ رہیگی اور بندہ صفت کبریا کو اپنے اندر لینا چاہیگا تو جو کچھ بھی مضرتیں اور عیوب پیدا ہوں کم ہیں۔ اور واقع میں یہی ایک صفت کبر ہے کہ جڑ ہے تمام مفاسد کی حتی کہ شرک کی دنیا میں جو کوئی بھی کافر ہوا ہے۔ وہ کافر نہیں ہوا مگر اپنے نفس کے کبر سے ورنہ حق مخفی نہیں رہتا۔ وجحدوا بہا واستیقنتہا الآیہ۔ ظلم اور علو کو سبب فرمایا ہے۔ جحد کا علو اور کبر ہم معنی ہیں۔ ابو طالب کو ایمان سے کس نے روکا صرف عار نے یوں کہا کہ مرتے وقت ایمان لاؤنگا۔ تو قوم میری کہیگی۔ ابو طالب دوزخ سے ڈر گیا۔ اس کی حقیقت یہی تو ہے کہ جو رفعت قوم پر حاصل ہے وہ نہ رہیگی۔ اس رفعت نے پیچھا نہ چھوڑا۔ یہانتک کہ کام تمام ہی کر دیا۔ اور کبر کا وجود کسی ایک گروہ میں نہیں بلکہ یہ وہ عام مرض ہے کہ کم و بیش ہر طبقہ کے لوگ اسمیں مبتلا ہیں۔ اور دوسرے عیوب میں تو اکثر جاہل لوگ پھنسے ہوتے ہیں۔ تعلیم یافتوں میں وہ عیب کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کے برے نتائج کو جانتے ہیں۔ لیکن اس میں جاہل عالم سب کم و بیش مبتلا ہیں۔ مشرکین عرب تو جاہل تھے۔ اب اس گروہ کو دیکھئے جو تعلیم یافتہ کہلاتا تھا۔ یعنی اہل کتاب ان کو بھی ایمان لانے میں جو حارج ہوا سو وہی کبر اس مختصر بیان سے بقدر کفایت اس کی توضیح ہو گئی۔ کہ کفر و شرک کا مبنی ہمیشہ کبر ہے۔ اب غور کر کے دیکھئے تو یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ اور بہت سے معاصی

کا مبنیٰ بھی کبر ہی ہے ۔ جو کفر و شرک سے نیچے ہیں ۔ ایسے گناہ کبر سے اسطرح ہوتے ہیں کہ گنہگار اپنے بُرے عمل کو صرف اس عار کی وجہ سے نہیں چھوڑتا کہ لوگ کہیں گے کیا اتنے روز سے یہ احمق رہا اس کام کو ہمیشہ سے کیوں کرتا رہا جواب چھوڑنا پڑا ۔ اس شخص نے عیب حماقت سے اپنے نفس کو بچایا یہی کبر بڑا مرض ہے ۔

تکبر کا علاج

اور علاج بالضد ہوا کرتا ہے یہ مرض پیدا ہوا عدم معرفت کبریا رحق سے تو علاج معرفت کبریا رحق ہو گا یعنی عظمت حق تعالیٰ کی ۔ اس کو حق تعالیٰ نے آیت میں بلفظ حصر اپنے واسطے ثابت کیا ہے ۔ ولہ الکبریا یعنی اسی کے واسطے ہے عظمت ۔ بلاغت کے قاعدے سے لہ کو مقدم کرنیکا یہی مطلب ہے کہ عظمت مخصوص ہے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ یہ صفت دوسرے میں بالکل نہیں ہو سکتی ۔ نیز یہ نہیں فرمایا ولہ الکبریا ر العظمے کہ بڑی عظمت تو حق تعالیٰ کے لئے ہے ۔ اور چھوٹا موٹا کوئی حصہ اس کا دوسرے کے لئے بھی ثابت ہے ۔ بلکہ مطلق کبریاء کو دوسرے سے نفی کر دیا ۔ اسی کو حدیث میں اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے العظمۃ ازاری والکبریاء ردائی فمن تازعنی فیہما قصمتہ یعنی عظمت میرا تہ بند ہے اور کبریا میری چادر ہے جو کوئی ان دونوں کو مجھ سے چھیننا چاہیگا میں اس کی گردن توڑ دونگا ۔ چادر اور تہ بند فرمانا کنایہ ہے خصوصیت سے معنی یہ ہوئے کہ یہ دونوں صفتیں خاص ہیں میرے ساتھ دوسرا کوئی مدعی ہو گا تو میں اس کو سزا دونگا ۔ جب کبر حق ہوا باری تعالیٰ کا تو اپنے نفس میں اس کا رکھنا مساواۃ ہوئی باری تعالیٰ کے ساتھ اور دیگر معاصی کے لئے تو حدود ہیں ۔ کہ جب تک ان تک نہ پہونچے معصیت نہیں ہوتی مثلاً کھانا کہ جب تک اتنا زیادہ نہ ہو کہ موجب ہو جائے مرض کا اس وقت مباح ہے ۔ یا بھوکا رہنا جب تک کہ سبب نہ ہو جائے ہلاکت کا جائز ہے ۔ مگر کبر وہ معصیت ہے کہ اس کے لئے کوئی حد نہیں بلکہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر ۔ یعنی جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی کبر ہو گا وہ جنت میں نہ جائیگا بلکہ ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ تشدد ہے ۔ اخرجوا من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان ۔ یعنی قیامت کے دن حکم ہو گا کہ جس کے دل میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہے اُسے دوزخ سے نکال لو ۔ اسے پہلی حدیث سے ملایئے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے

وہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر بھی کبر جس کے دل میں ہے جنت میں نہ جائیگا۔ یہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر بھی ایمان جس کے دل میں ہے جنت میں جائیگا۔ اس سے صاف یہ بات نکلتی ہے کہ ذرہ بھر کبر بھی جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر ایمان نہیں ہو سکتا۔ اور ذرہ بھر ایمان جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر کبر نہیں ہو سکتا ہے۔ دونوں بالکل نقیضین ہیں گو اس کی توجیہ یہ ہے کہ جنت میں جانے کے وقت ذرہ بھر کبر نہ ہوگا۔ لیکن اخر اس سے بھی تو اس صفت کا مضاد ایمان کسی درجہ میں ہونا ثابت ہوا۔ اب سمجھ لو کہ کبر کس قدر سخت معصیت ہے اور ہونا چاہئیے کیونکہ سب سے بڑا گناہ کفر ہے اور کبر خود اس کی بھی اصل ہے اور کفر اس کی فرع تو مسلمان کو چاہئیے غور کیا کرے۔ کہ اس کے دلمیں کبر ہے یا نہیں مگر ہماری تو عادت ہو گئی ہے کہ سوچتے ہی نہیں ورنہ معلوم ہو جاتا کہ نہ دیندار ہمارے خالی ہیں کبر سے نہ دنیا دار خالی ہیں کبر سے۔ جو دیندار کہلاتے ہیں۔ وہ دین کے پیرایہ میں اسمیں گرفتار ہیں اور جو دنیا دار ہیں ان کو خبر نہیں۔ کہ کبر کوئی چیز ہے یا نہیں۔ چنانچہ دیندار لوگ نماز پڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا داروں سے اچھے ہیں۔ جتنی ترقی ان کو نماز پڑھنے سے ہوتی ہے اس سے زیادہ تنزل اس پندار سے ہوتا ہے۔ دین کے ساتھ ساتھ بدترین دنیا ان کے قلب میں جگہ پکڑے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ نماز میں جب یہ خرابی ہے تو ان کو چاہئیے کہ نماز چھوڑ دیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ خرابی نماز میں جب پیدا ہوتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کی عظمت قلب میں نہ ہو۔ اور جب عظمت ہو تو دوسری طرف توجہ ہی نہیں ہو سکتی بلکہ حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنی نماز سے آدمی بجائے اس کے کہ اتراوے الٹا شرمندہ ہوتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بہت بڑے شاہنشاہ کے حضور میں ایک نہایت ذلیل آدمی کوئی تحفہ بہت کم قیمت لیجائے دربار کی عظمت و شوکت دیکھ کر اس کی کیا حالت ہو گی مختصر یہ ہے کہ اس ذلیل تحفہ کو پیش کرنے پر بھی اسکو قدرت نہ ہو گی ہاتھ پیر پھول جائینگے اور غنیمت سمجھیگا کہ کسی سزا کا حکم نہ ہو جائے۔ جلدی کسی طرح یہاں سے نکل جاؤں۔ ہماری نمازوں کی جو حقیقت ہے وہ خوب معلوم ہے۔ پھر اسکو حق تعالیٰ جیسے احکم الحاکمین کے سامنے پیش کرکے ذرا شرم بھی نہ آنا اسی وجہ سے ہے کہ عظمت و جلال حق تعالیٰ سے ہم نے قطع نظر کر لی ہے۔ اور اسی سے یہ خرابی پیدا ہوئی کہ دوسری طرف توجہ ہوئی۔ اور اپنی نماز کو کچھ سمجھ کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے اس تقریر

سے بخوبی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ نماز پڑھنے یا اور دین کے احکام بجالانے سے اگر دل میں کبر پیدا ہو تو اس کا علاج یہ نہیں کہ اس عمل کو چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ جو سبب ہے اس کو قطع کیا جائے۔

تکبر کا سبب اور اسکا عموم اور غموض

سبب اس کبر کا تعمیل حکم دین نہیں ہے بلکہ عظمت الٰہی کا دل میں نہ ہونا ہے۔ سو اسکو پیدا کرنا چاہیئے۔ اس سے تعمیل حکم بھی ہوگی اور وہ خرابی جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے وہ بھی نہ رہیگی۔ اس غلطی میں بہت سے لکھے پڑھے اور سمجھدار بھی مبتلا ہیں خوب سمجھ لو غرض ہمارے دیندار بھی کبر میں مبتلا ہیں اور دنیادار بھی۔ دنیا داروں میں اس طرح کا کبر تو نہیں ہے جو دینداروں میں ہے ہاں دنیا داروں میں اور طریقے کبر کے ہیں۔ وضع میں لباس میں بیاہ شادی میں۔ کبر میں سب گناہوں سے بڑھکر ایک خرابی اور ہے وہ یہ کہ مسلمان خواہ کسی درجہ کا ہو مگر اس کے دل میں یہ بات ضروری ہے کہ جب کوئی گناہ ہوجائے کر تو گذرتا ہے کسی ضرورت سے لیکن کرنے کے بعد دل میں چوٹ ضرور لگتی ہے اور پشیمان ہوتا ہے مگر کبر کہ یہ گناہ ساری عمر دل میں رہتا ہے اور دل پر صدمہ نہیں ہوتا۔

غیبت و حسد وغیرہما جو کبر ہی سے پیدا ہوتے ہیں ان کا چھوڑنا بھی معین فی العلاج ہے

تو ہر اس عمل کو جو کبر کی فرع ہو چھوڑ دو۔ جیسے غیبت حسد وغیرہ غیبت کوئی جب ہی کرتا ہے کہ جب اپنے آپ کو اس سے اچھا سمجھتا ہے جسکی غیبت کرتا ہے۔ کسی مریض کو ہنستا وہی شخص ہے جو خود تندرست ہو اور اگر اپنے آپ کو اس سے بھی زیادہ مریض پاتے تو کہیں نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے سے کم مریض کو ہنستا ہو۔ یہ اچھا سمجھنا ہی کبر ہے۔ علیٰ ہذا دوسرے کی نعمت کو دیکھکر جو آدمی جلتا ہے اسے حسد کہتے ہیں۔ اس کی بنا بھی اس پر ہے کہ اس صاحب نعمت سے زیادہ اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل سمجھتا ہے یہ بھی اپنے نفس کی بڑائی ہے۔ جسے کبر کہتے ہیں۔ غرض اکثر گناہوں کو ٹٹولوگے تو بنا کبر ہی پاؤگے۔ لہذا

سب کو چھوڑ دو حتی کہ معاصی کی اصل ہی دل سے نکلجائے۔ کیونکہ بڑائی کو حق تعالےٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ کسی دوسرے کا اس میں حصہ نہیں تو جو شخص کبر کو نہیں چھوڑتا وہ نہیں پہچانتا کہ یہ کس کا حق تھا۔ اور کس کو دیتا ہے تو اس نے نہ نفس کا حق پہچانا نہ حق تعالیٰ کا اس سے بڑھکر جاہل کون ہوگا۔ یہ شخص معاصی سے کبھی چھوٹ نہیں سکتا۔ جس گناہ میں بھی پڑجائے کم ہے۔ کیونکہ معاصی کی جڑ اس کے دل میں موجود ہے۔ ایک سے بچیگا دوسرے میں پڑجائیگا۔

کبر کا نہایت مجرب اور کافی علاج

اس واسطے حق تعالیٰ نے ایک ایسا علاج اس کا بتایا کہ جب اسکو مستحضر رکھا جائے تو نہ چھوٹا گناہ ہو نہ بڑا۔ وہ علاج یہ ہے کہ اپنی ایک صفت کو بیان فرمایا کہ جب خیال رکھوگے کہ یہ کسی دوسرے کے لئے کسی وقت اور کسی حالت میں ثابت نہ ہونے پائے تو گناہ تم سے خود بخود چھوٹتے جائیں گے۔ اور وہ صفت عظمت ہے۔ ولہ الکبریاء فی السموات والارض یہ اصل کل ہے تمام گناہوں سے حفاظت کی اور جب صفت کبریا یعنی عظمت مختص ہوئی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ تو نفس کے واسطے کیا رہ گیا؟ تذلل یہ اصل ہے تمام عبادت کی تو جس شخص نے صفت کبریاء کو مختص مان لیا حق تعالیٰ کے ساتھ اس نے حق تعالیٰ کا بھی پہچان لیا اور نفس کا بھی اس سے بڑھکر کوئی عالم یا محقق ہو سکتا ہے۔ انھیں کی شان میں ہے واولئک ھم اولوالباب یعنی عقلمند لوگ یہی ہیں جب آدمی کے دلمیں سے تمام گناہوں کی اصل نکل گئی اور تمام عبادات کی جڑ جم گئی تو سبھی کچھ اس نے پالیا۔ اس کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوگی۔ اس کے ساتھ اتنا اور سمجھ لو کہ یہ اصل کلی بہت مختصر الفاظ میں سمجھائی گئی ہے۔ مگر بعض اوقات بلا تفسیر کے اس پر عمل دشوار ہوتا ہے یعنی جب تک ہر ہر عمل کی نسبت معلوم نہ ہو کہ اس کا منشا کبر کس طرح ہے۔ اس کا ترک آسان نہیں ہو سکتا۔

کتب دین کا مطالعہ بھی اعون فی العلاج ہے

اس کے لئے سہل اور مفید تدبیر یہ ہے کہ کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ بلکہ کسی سے سبقاً سبقاً پڑھ لیا جائے۔ اور جو کوئی نہ پڑھ سکے وہ کسی عالم سے وقتاً فوقتاً سن لیا کرے

واقعات کو پوچھتا رہے۔ اور وعظ سنا کرے اور عورتوں کو خاص طور پر یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں ان کی ہانڈی چولھے کا ایک وقت ہے کتاب کے پڑھنے یا سُننے کا بھی ایک وقت ہونا چاہیئے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ مستورات کو اس سے بالکل مس بھی نہیں۔ مرد تو کبھی کوئی مسئلہ پوچھ بھی بیٹھتے ہیں مگر عورتوں کو نہ کہیں زبانی پوچھواتے دیکھا نہ کوئی تحریر کسی کی آتی ہے (الاماشاء اللہ) حالانکہ بعض مسائل عورتوں کے اس قدر پیچیدہ ہیں کہ جواب دینا بھی ہر ایک کا کام نہیں۔ مثلاً پاکی اور ناپاکی کے مسائل کہ فقہ کی تمام بحثوں سے ادق بحث یہ مشہور ہے۔ صورتیں مشکل سے مشکل پیش آتی ہیں۔ مگر اس پر عمل ہے کہ نہ پڑھی نہ قضا ہوئی۔ کچھ عورتیں تو شرم کے مارے نہیں پوچھتیں اور بعض جو کسیقدر پڑھی لکھی ہیں وہ کسی اردو کی کتاب میں دیکھکر جو الٹا سیدھا سمجھ میں آیا کر گذرتی ہیں۔ حیف کی بات ہے کہ اگر کوئی مرض شرم کا ہو جاتا ہے تو اس کے علاج میں یہ نہیں کرتیں کہ بلا سے جان جاتی رہے مگر شرم نہ جائے۔ علاج کے لئے سوچکر کوئی نہ کوئی تدبیر ایسی نکال لیتی ہیں کہ شرم بھی نہ جائے اور علاج بھی ہو جائے۔ بی بیو کسی مسئلہ کا تحقیق کر لینا تو آجکل کچھ بھی بات نہیں تین پیسے میں جہاں سے چاہے جواب منگالو۔ اگر خود نہ کر سکو اپنے خاوند کی معرفت پوچھوالو یا اور کسی بی بی کے ہاتھ سے لکھوا کر دریافت کر لو اگر نہ خود لکھ سکو نہ شوہر موجود ہو مگر بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ جب ہو کہ حب دین کا خیال ہو۔ اس غفلت کو چھوڑ دو اور دین کو دنیا سے بھی زیادہ ضروری سمجھو دنیا ختم ہو جاویگی اور آخرت ختم نہ ہوگی۔ جو طریقہ میں نے بیان کیا اس سے بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ گھر میں جب مسائل کا تذکرہ ہوگا بچوں کے کان میں پڑیں گے اور ساری عمر ان کو یاد رہینگے۔ جو لوگ تمہارے تابع ہیں ان کی اصلاح ہو گی ان کی اصلاح بھی تمہارے ذمہ ضروری ہے۔ حدیث میں ہے کلکم راع وکلکم مسئول عن عیتہ۔ یعنی ہر بڑے کو چھوٹے کے لئے حضور نے محافظ فرمایا۔ کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ ذمہ وار ہے اور اس کی جوابدہی اس کے ذمہ ہے۔ اگر نوکرنی تمہاری نماز نہیں پڑھتی ہے تو وہ گنہگار ہے ہی مگر تم بھی اس کے ساتھ گنہگار ہو اور جواب دینا ہوگا کہ اسے نماز کیوں نہیں سکھائی تھی۔ بعض لوگوں نے اس کا جواب یہی اختیار کر لیا ہے کہ ہم نے بہتیری تاکید کی مگر وہ نماز پڑھتی ہی نہیں۔ کیوں بیبو اگر کھانے میں وہ نمک کم و بیش کر دے تو تم کیا کرتی ہو۔ کیا ایک دو دفعہ سمجھا کر نہیں تجنت نمک ٹھیک رکھا کر خاموش ہو رہتی ہو اور

پھر نمک ویسا ہی کھالیتی ہو جیسا اس نے ڈالدیا ہو۔ یہ تو کبھی بھی نکروگی۔ چاہے نوکری رہے یا نہ رہے اسے سمجھاؤگی پھر مارو پیٹو گی اگر کسی طرح نہ مانے گی تو نکال باہر کروگی۔ بیبو دین کا اتنا بھی خیال نہیں جتنا نمک کا جو نماز کے مقابلے میں بالکل غیر ضروری چیز ہے۔ دین کا خود بھی خیال کرو اور جن پر تمہارا قابو چل سکتا ہے ان کو بھی دیندار بناؤ۔ تمہاری کوشش سے جو کوئی دیندار بنیگا تمہیں بھی اسی کے برابر ثواب ملیگا۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو میں نے بیان کیا۔ کہ جہاں دنیا کے دس کاموں کا وقت ہے ایک دین کے کام کا بھی وقت نکال لو جو بی بی خود کتاب پڑھ سکیں وہ کتابوں کو دیکھکر اپنی اصلاح کریں اور جو خود نہ پڑھ سکیں کسی اپنے رشتہ سے پڑھوا کر سنیں۔ علماء سے وعظ اپنے مکان میں کہلوایا کریں جو واقعات پیش آیا کریں ان کی پوچھ پاچھ کیا کریں۔ علماء سے ان کی بی بی کی معرفت یا خط کے ذریعہ سے جواب منگالیا کریں۔ اس سے دین میں ایسی بصیرت پیدا ہو جائیگی کہ رفتہ رفتہ ہر ہر عمل کی نسبت حکم معلوم ہو جائیگا۔ جب کسی چیز کی برائی معلوم ہو جاتی ہے تو کبھی نہ کبھی تو دل میں اس سے بچنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہی ہے۔ اس صورت میں اگر ذرا سی بھی ہمت سے کام لوگے تو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوگی اور اسی میں شدہ شدہ تمام مفاسد کی جڑ یعنی کبر بھی قلب سے نکل جائیگا۔ اسی کو حق تعالےٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور تمام مفاسد کا علاج بتادیا کہ اس ایک صفت کو حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص مان لو یہ صفت کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتی۔ وہ صفت کبریا ہے یہ ایک جڑ ہے جس کے ہزاروں شعبے ہیں۔ اجمالاً نہیں بلکہ تفصیلاً اس کے تمام شعبوں کو حق تعالےٰ کے ساتھ خاص کردو اور میں یہ نہیں کہتا کہ سب کے سب متبحر مولوی بن جاؤ۔ بلکہ جہاں تک موقع ملے غفلت نہ کرو۔ جیسا روپیہ اور زیور کے جمع کرنیکا سب کو شوق ہے یہ یقینی بات ہے کہ تمام بیبیاں اپنا دل بھر کے زیور اور روپیہ نہیں پاسکتیں مگر غریب ہے تو امیر ہے تو ہر بی بی کو کوشش ضرور ہے کہ زیور اور روپیہ ملجاوے۔ جتنی کوشش سے ایک مقدار روپے کی مل سکتی ہے اتنی کوشش سے بلکہ اس سے کم سے دین کی بہت بڑی مقدار مل سکتی ہے۔ ہمت نہ ہارو کچھ نہ کچھ ہو ہی رہیگا۔ تم ایک حصہ کماؤگی تو خدا تعالیٰ کی طرف سے دس حصے مرحمت ہوں گے۔

پھر بروعید اور توقف وقوع وعید سے دھوکہ نہ کھانا اور خائف رہنا

آگے اس مضمون کو حق تعالیٰ نے وہو العزیز الحکیم سے موکد کیا۔ ان لوگوں کے چونکانے کیلئے جو اس مفسدے سے کسی طرح بچتے ہی نہیں۔ اور اپنے عیب پر ان کی نظر پڑتی ہی نہیں جب ان کو سمجھانے اور انکی بھلائی سوجھانے سے اثر نہیں ہوتا تو فرماتے ہیں میں عزیز یعنی غالب بھی ہوں۔ اگر تم کہنا نہ مانوگے تو میرے ہاتھ سے کہیں جا نہیں سکتے۔ جیسی چاہونگا سزا دونگا۔ اور اگر کسی بُرے عمل پر فوراً سزا نہ ملے تو مطمئن مت ہو جاؤ میں حکیم بھی ہوں۔ کسی مصلحت سے مہلت دیتا ہوں۔ بعض لوگ رشوت لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں تو رشوت سزاوار ہے۔ صاحبو اس دھوکے میں نہ رہو۔ خدا کے غضب کو مت بھولو۔ اول تو دنیا ہی میں سزا ملیگی۔ اور اگر دنیا میں کسی حکمت اور مصلحت سے ٹل ہی گئی تو آخرت تو دار الجزاء ہے ہی۔ وہاں کی سزائیں اور زیادہ سخت ہیں۔ وہاں کی سزا سے تو دنیا ہی کی سزا بھگت لینا اچھا ہے۔ وہاں کے احوال و آفات کو سوچتے رہنا چاہیئے تصریح موجود ہے۔ ولتنظر نفس ما قدمت لغد۔ یعنی چاہیئے کہ خیال رکھے ہر شخص کہ کل کے لئے کیا سامان کیا ہے۔ اور اسی کے یاد دلانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں زوروا القبور واکثروا ذکر ھاذم اللذات یعنی قبروں پر جایا کرو اور لذتوں کو مٹانے والی چیز یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو۔ اس سے عورتیں یہ فتویٰ نہ نکال لیں کہ قبرستان میں جانا جائز ہے۔ عورتوں کے پردے سے نکلنے میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ مراد تذکرۂ آخرت و قیامت ہے۔ جس طرح بھی ہو کسی معتبر کتاب میں قیامت کے حالات پڑھیں یا سنیں۔ اور یہ موت اور قیامت کی اجمالی حالت کافی نہیں کہ کوئی موت موت کی تسبیح پڑھا کرے۔ بلکہ موت کو یاد رکھنا یہ ہے کہ جب کوئی کام کرے سوچ لے کہ بعد موت اس پر کوئی جوابدہی تو میرے ذمہ عائد نہ ہوگی۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھو۔

حقتعالے کا مطیعین کیلئے دو بڑی دولتوں کا وعدہ فرمانا اور ان کے حصول کا طریقہ بتلانا

من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن

ما کانوا یعملون۔ **ترجمہ** ۔آیت شریفہ کا یہ ہے جو شخص عمل نیک کرے مرد یا عورت اور وہ مومن ہو پس بیشک ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا فرما دینگے۔ اور بیشک ہم ان کو انکا اجر بدلہ میں دینگے بسبب ان کے اچھے اعمال کے۔ اس آیت شریف میں حقتعالیٰ نے اپنے مطیع بندوں کے لئے اطاعت پر دو بڑی دولت کے عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور نیز اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے۔

دنیا میں کوئی شخص طلب سے خالی نہیں اور باوجود تعدد طرق کے مطلوب سب کا شے واحد ہے

اول ایک مضمون بطور مقدمہ سمجھنا چاہئیے۔ اس کے بعد آیہ کریمہ کا مضمون بخوبی ذہن نشین ہو جاویگا دنیا میں جسقدر عقلا ہیں کہ جن کے افعال کی غایت ہوتی ہے ان میں ہر ایک شخص ایک شے کا طالب ہے۔ کوئی مال کا طالب کوئی جاہ کا کوئی صحت کا کسی کو درویشی مطلوب ہے کوئی علم کا دیوانہ ہے کسی کو تجارت میں لطف آرہا ہے۔ کوئی اولاد کی دھن میں ہے۔ کوئی مکانات کی تعمیر کا شوق رکھتا ہے۔ کسی کو باغ لگانیکی حرص ہے۔ غرض کوئی ایسا نہیں جو طلب سے خالی ہو بعضے ان ہی میں خدا کے بھی طالب ہیں۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سب اشیاء متعددہ مختلفہ کے طالب ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے اور نظر کو عمیق کر کے دیکھا جائے تو فی الواقع ہر شخص کا مطلوب صرف ایک شے ہے۔ صرف اختلاف اس کے تعیین طرق میں ہے۔ کسی نے سمجھا کہ وہ شے تجارت سے حاصل ہوگی۔ وہ تجارت میں مشغول ہو گیا۔ کسی نے خیال کیا کہ علم سے اس کی تحصیل ہوگی۔ وہ علم کا طالب بن گیا۔ کسی نے اولاد میں اس مطلوب کو گمان کیا۔ وہ اولاد کا شیفتہ ہو گیا۔ آپ کو تعجب ہوگا۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کا مقصود جدا ہے۔ اور تم کہتے ہو کہ سب کا ایک ہی مقصد ہے۔ اختلاف طرق میں ہے۔ اس لئے اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہئیے۔

سب کا مطلوب شے واحد ہونیکی مثالیں اور اس شے واحد کی تعیین

ایک شخص کے پاس دس سائل آئے۔ ایک نے روٹی طلب کی۔ دوسرے نے چاول پختہ مانگے۔ تیسرے نے پیسہ مانگا۔ چوتھے نے روپیہ۔ پانچویں نے غلہ۔ چھٹے نے آٹا۔ ساتویں نے کوڑیاں ساتھویں نے چنے بھنے ہوئے۔ نویں نے کچے چاول۔ دسویں نے

حلوا۔ پس اس مثال میں بظاہر مطلوب ہر ایک کا جدا ہے۔ لیکن درحقیقت مقصود واحد ہے طرق مختلف ہیں مقصود پیٹ بھرنا ہے۔ کسی نے سمجھا کہ پکانے کا کون قصہ کرے اس نے پکی ہوئی روٹی مانگی۔ کسی نے خیال کیا کہ کچی جنس ملیگی تو اپنی مرضی کے موافق پکا کر کھائینگے۔ کسی نے یوں ہوس کی کہ روپیہ پیسہ ملیگا تو جنس بھی اپنی خواہش کے موافق خرید کر پکائینگے۔ اس مثال سے آپ کو مختلف کا جمع کرنا آسان ہوگیا ہوگا۔ اسی طرح ان لوگوں کے مقصود کو دیکھنا چاہیئے کہ ان کا مقصود کیا ہے تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کو شے واحد مقصود ہے اور وہ لذت و راحت ہے طرق کا اختلاف ہے کسی نے سمجھا کہ روپے کے حاصل ہونے میں مزہ ہے وہ اس کا طالب ہوگیا کسی نے سمجھا کہ جاہ میں مزہ ہے کسی نے اولاد میں لطف دیکھا کسی نے تجارت میں کسی کی سمجھ میں آیا کہ دنیا کے مزے تو سب فانی ہے مزہ اصلی تو آخرت میں ہے الی غیر ذلک من الطرق مگر حاصل سب کا ایک ہے کہ قلب کو چین ہو راحت ہو مسرت ہو انبساط ہو دوسری مثال اور لیجئے کہ تاجر مختلف اشیاء کی تجارت کرتے ہیں کوئی بساطی ہے کوئی بزاز ہے کوئی بقال ہے اور کوئی لکھنؤ میں تجارت کرتا ہے کوئی کلکتے میں کوئی بمبئی میں تو یہ سب ایک شے کے طالب ہیں وہ شے کیا ہے نفع مگر اس کے طرق مختلف ہیں کسی نے سمجھا کہ بزازی کی دکان میں نفع ہے کسی نے خیال کیا کہ بساط خانہ میں بہت نفع ہے اس نے اسی کو اختیار کرلیا کسی نے سمجھا کہ لکھنؤ میں چکن اچھی ہوتی ہے وہ وہاں جا پہنچا کسی نے یہ خیال کیا کہ کلکتے میں تجارت سے بہت نفع ہوگا۔ وہ وہاں پہنچگیا۔ چنانچہ اگر کسی تاجر سے کہا جاوے۔ کہ تم کو جو نفع کلکتے میں ملیگا وہ ہی نفع تم کو ہم یہاں دیتے ہیں وہ ہرگز کلکتہ نہ جاویگا۔ کیونکہ مقصود اسکو حاصل ہوگیا۔ غرض یہ امر بالکل اب واضح ہوگیا ہوگا کہ لوگ بظاہر اشیاء مختلفہ کے طالب ہیں مگر حقیقۃً مطلوب ایک ہے۔

لذت و راحت کے حاصل کرنے میں رایوں کا اختلاف

اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس مطلوب یعنی لذت و راحت کے حاصل کرنے میں رائیں مختلف ہیں۔ کسی کی رائے تجارت کی ہے۔ کسی کی زراعت کی ہے اور کا ہے آپس میں ایک دوسرے کو خاطی بتاتے ہیں۔ چنانچہ جو تجارت کرتا ہے۔ وہ اجیانا زراعت کرنے والے کو خطا پر بتاتا ہے۔ اور زراعت کرنے والا تاجر کو خاطی بتا رہا ہے۔ اور ان ہی طالبین

میں بچے بھی وہ بھی اس مطلوب یعنی لذت و راحت کے حاصل کرنے میں مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں لڑکیاں گڑیاں کھیلتی ہیں۔ لڑکے کوئی گیند کھیلتا ہے کوئی کنکوا اڑاتا ہے کوئی ریتے کا مکان بناتا ہے اونکے مکان کو ہم بیہودہ شغل سمجھتے ہیں اور ہم جو فرض لیکر مکان بناتے ہیں اوسکو بیہودہ نہیں سمجھتے وجہ یہ ہے کہ اپنے مکان کو پایدار سمجھتے ہیں اور معتد بہ راحت کا آلہ۔

لذت و راحت کے درجے اور افراد

پس معلوم ہوا کہ اوس مقصود کے باوجود اُس کے کہ واحد ہے درجات مختلف ہیں ایک معتبر اور قابل شمار اور دوسرے غیر معتبر اور نا قابل شمار اور مجموعہ تقریر سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقصود کے طرق میں اختلاف ہی دوسرے یہ کہ اس مقصود یعنی لذت و راحت کے افراد بعض قابل شمار ہیں اور بعض نہیں ہیں۔

راحت کا کون فرد معتبر ہی اور یہ کہ اسکا فیصلہ کرنیوالا کون ہے

اب یہاں دو امر تنقیح طلب ہیں کہ مقصود یعنی لذت و راحت کا کون فرد حقیقتہً معتبر ہے اور دوسرے یہ کہ اوسکا طریقہ تحصیل کا کیا ہے پس اسکا فیصلہ ایسا شخص کرسکتا ہے کہ جو حقائق اشیاء اور آثار اشیا سے من کل الوجوہ واقف ہو اور نیز وہ خود غرض نہو کیونکہ کسی کا علم اگر ناقص ہوگا یا کوئی خود غرض ہوگا تو وہ ہرگز ان دو امروں کے متعلق فیصلہ نہیں کرسکتا تو اب دیکھنا چاہیئے کہ جس میں یہ دو صفتیں علی وجہ الکمال موجود ہوں وہ کون ہی تو ہم دیکھتے ہیں کہ مخلوق میں یہ دونوں صفتیں ناقص ہیں جو عالم نظر آتا ہے اس سے زیادہ اور عالم موجود ہے وفوق کل ذی علم علیم اور راد استغنا اور بے غرضی کی صفت میں بھی مخلوق ناقص ہے جس کو دیکھئے وہ خود غرض ہی۔ اگر کہا جاوے کہ بعضے ہمدردان قوم ایسے ہیں کہ دوسروں کو بلا غرض نفع پہونچاتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں بعضے ثواب کے طالب ہیں اور بعضوں کی ایسی طبیعت ہوتی ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچا کر ان کے دل کو ٹھنڈک اور راحت پہونچتی ہے یہ ازاحتہ رقت جلیت بھی ایک غرض ہے اسی طرح ماں باپ اور جملہ اقربا جو کچھ کرتے ہیں سب اپنی شفائے قلب کیواسطے کرتے ہیں

اگر کوئی کہے کہ بعضے لوگ ایسے طور سے دیتے ہیں کہ نہ دینے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لینے والا کون ہے اور نہ لینے والے کو دینے والے کا حال معلوم ہوتا ہے اس میں کونسی غرض ہے جواب یہ ہے کہ یا تو اس کو ثواب مطلوب ہوگا اور اگر ثواب مطلوب نہو تو نفس عطا سے اس کے دل کو حظ ہوگا یہ بھی ایک غرض مطلوب ہی بالجملہ مخلوق میں ایسا کوئی نہیں جو علم اور استغنار کی صفت علی وجہ الکمال سے موصوف ہو ایسی ذات پاک تو حق تعالیٰ کی ہی ہے علم کی تو اونکے وہ شان ہے کہ عالم الغیب والشہادۃ ہیں۔ اور بے نیازی ایسی ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم　　　بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

اور خدا تعالےٰ کو اپنا نفع مقصود ہو نہیں سکتا اس لئے کہ نفع جو ہم کو مقصود ہوتا ہے تو اوس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے اندر ایک نقصان تھا اس نفع کے حاصل ہونے سے اسکی تکمیل ہوگئی اور حقتعالیٰ کی ذات تو خود کامل ہے اگر حق تعالےٰ کو بھی اپنا نفع مقصود ہو تو نعوذ باللہ ذات باری میں نقصان اور استکمال بالغیر لازم آتا ہے بہر حال نہ خدا تعالےٰ کی برابر کسی کا علم ہے اور نہ کوئی ایسا بے غرض ہے لہذا ان دونوں مسئلوں کا فیصلہ حقتعالیٰ سے ہی کرانا چاہئے

راحت کے فرد معتبر کی تعیین اور اُس کا طریق تحصیل

چنانچہ کلام اللہ کی ان آیات میں ان دونوں امروں کا فیصلہ کر دیا کہ بطور حاصل ارشاد ہے کہ اے بندو تم جو اپنے مقصود یعنی راحت کو مختلف چیزوں میں ڈھونڈتے ہو کوئی مال میں راحت و لذت کا طالب ہے کوئی بیوی بچوں میں اپنے مطلوب کو تلاش کرتا ہے کوئی جاہ میں کوئی مکانات میں مشغول ہے ہم تم کو راحت حقیقی کے تحصیل کا طریقہ بتاتے ہیں وہ یہ ہے من عمل صالحا الخ مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیک کام کرتا ہے اور اُس میں شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو یعنی عقیدہ اُسکا درست ہو ہم اوسکو مزہ دار زندگی عطا فرماوینگے اور ہم اونکو جزا دینگے بسبب احسن اُن اعمال کے جو کیا کرتے تھے اس ترجمہ سے دونوں امر تنقیح طلب جو اوپر مذکور ہوئے معلوم ہوگئے یعنی یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مقصود معتبر کیا ہے اور اسکا طریق تحصیل کیا ہے مقصود دو چیزیں ہیں حیات طیبہ اور اجر اور اسکا طریق بھی دو چیزوں کا حاصل کرنا ہے عمل صالح اور عقائد صحیحہ۔ (باقی آئندہ)

لذت و مسرت کی تکمیل اجر اخروی سے ہوگی

اور حیات طیبہ اور اجر کا حاصل ایک ہی ہے یعنی لذت اور مسرت کیونکہ حیات طیبہ جسکو فرمایا ہے اس کی تکمیل اجر اخروی سے ہوگی ۔ اس لئے کہ جس حیات کے بعد اجر نہ ہو وہ حیات طیبہ نہیں اس لئے جب اس کو معلوم ہے کہ یہ آرام و راحت دنیا ہی میں ہے اور بعد اس حیات دنیوی کے پھر تکالیف کا سامنا ہے تو وہ حیات بھی مزیدار نہ ہوگی ۔ کیونکہ خوف آیندہ مسرت موجودہ کا تباہ کن ہے مثلاً کوئی شخص نہایت ہوادار ۔ شاندار اور پر لطف کمرے میں ہے اور کھانے پینے کی اشیاء سب موجود ہیں اور آرام کے سب سامان مہیا ہیں لیکن اس پر ایک مقدمہ فوجداری کا قائم ہے اور اس کو معلوم ہے کہ فلاں دن میرے لئے پھانسی کا حکم ہوگا ۔ تو اس کو یہ زندگی اور یہ ظاہری تمتع وبال جان ہوگا ۔ اور ہر شے اسکو خار نظر آئیگی ۔ اسی طرح دنیا کا حال ہے کہ یہاں خواہ کتنا ہی آرام ہو جب یہ معلوم ہو کہ یہ فانی ہے تو کیا لطف ہے ۔

دنیا خواہ ملے یا نہ ملے ہر حالت میں پریشان کرنیوالی ہے

اور دنیا تو خواہ ملے یا نہ ملے ہر صورت میں پریشان کرنے والی ہے ؎

اذا ادبرت کانت علی المرء حسرة　　　وان اقبلت کانت کثیر ہمومہا

اگر نہ ملے تو نہ ملنے کا افسوس اور حسرت رہتی ہے اور اگر ملے تو طرح طرح کے افکار اور ہموم ہوتے ہیں ۔

حکایت ۔ ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے یہاں خیریت ہے وہ سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ خیریت ہوگی تمہارے یہاں ۔ ہمارے یہاں تو بفضلہ تعالیٰ کچھ بچے چھوٹے بڑے موجود ہیں ۔ آج فلاں بیمار ہے ۔ کل اسکو بخار ہے ۔ کوئی مرتا ہے ۔ کوئی جیتا ہے جس کے یہاں کوئی نہ ہو اس کے یہاں خیریت ہوتی ہے ۔ غرض دنیا میں پریشانی ہی پریشانی ہے ۔ اگر حس صحیح ہے تو واقعی سخت مصیبت کی جگہ ہے ۔ کسی طرح چین نہیں ۔ ایک مقصود اگر حاصل ہوتا ہے تو دوسرے کی فکر ہوتی ہے ۔ مثلاً شادی بھی ہوگئی ۔ مال و دولت سب کچھ ہے اولاد نہیں ہے ۔ تو اولاد کا ہر وقت فکر ہے ۔ کہ اولاد ہو یہی دھن ہے یہی فکر ہے ۔ شب و روز اسی میں گذرتا ہے ۔ کبھی خیال ہوتا ہے کہ یہ سب جائداد وقف کردوں

کبھی خیال ہوتا ہے کہ کسی کو متبنیٰ بناویں خدا خدا کرکے اولاد ہو گئی اب شب و روز اسی دھن میں ہیں کہ کسی طرح یہ جلدی پرورش ہو جائے تو اس کے ختنے دھوم دھام سے ہوں اور اس کی شادی ہو۔ اللہ اللہ کرکے اولاد سیانی ہو گئی اور شادی بھی ہو گئی اب رات دن یہی فکر ہے کہ اولاد کے اولاد نہیں ہے اسی غم میں گھلتے ہیں۔ غرض ساری عمر عزیز اسی میں صرف ہو جاتی ہے اور کوئی وقت اللہ کی طرف مشغول ہونے کا میسر نہیں ہوتا ؎

وما قضٰے احد منہا لبانتہ لا ینتہے ارب الا الٰے ارب

بخلاف اس شخص کے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو وہ بہ نسبت اس شخص کے راحت میں ہے اس کا تو یہ حال ہے ؎

نے غم دزد و نے غم کالا لنگگے زیر و لنگگے بالا

حکایت۔ ایک رئیس تھے ان کے ایک بچہ تھا اتفاقاً وہ بیمار ہو گیا۔ تمام جائداد سامان ان کو تلخ معلوم ہوتا تھا۔ یہ حالت دنیا کی ہے۔ سچ ہے۔ ؏ وان اقبلت کانت کثیرا ہمومہا۔

حاصل تعیین مقصود و تعیین طرق

حاصل یہ ہے کہ اگر تمام نعمتیں میسر بھی ہوں اور آخرت میں اس کے لئے کچھ نہ ہو تو سب ہیچ ہے۔ اس لئے حیات طیبہ بھی اسی وقت ہو گی جبکہ اجر بھی ہو۔ اسی واسطے فلنحیینہ الخ کے ساتھ ولنجزینہم الخ فرمایا حاصل دونوں کا حیات کاملہ ہوئی خلاصہ یہ ہوا کہ گویا حق تعالیٰ بطور حاصل ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے دنیا میں بھٹکنے والو تم میں سے ہر ایک جو مقصود معتدبہ کا طالب ہے ہم بتاتے ہیں کہ مقصود معتدبہ حیات کاملہ ہے اور اس کے طرق میں جو تم غلطیاں کر رہے ہو تو اس کے طریق کو بھی متعین کرتے ہیں وہ اطاعت اللہ و رسول کی ہے۔ گویا تمام آیۃ کا حاصل یہ ہوا کہ اطاعت کا نتیجہ و ثمرہ لطف دائم ہے۔ یہ ایک دعویٰ ہے اور یہ ایسا دعویٰ ہے کہ اگر ہم اس کا صدق مشاہدہ بھی نہ کرتے تو بھی ہم کو بلا تامل تصدیق کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ ایسی ذات کا فیصلہ ہے کہ جس کا علم کامل ہے اور بےغرض و مستغنی بالذات ہے۔ چہ جائیکہ اس کا صدق ہمکو کالشمس فی نصف النہار نظر بھی آرہا ہے اور مشاہدہ روز بروز اس کو پختہ کرتا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم اس کو آئندہ چلکر واضح بیان کرینگے۔

آیت میں حیات طیبہ سے کیا مراد ہے

اس وقت فلنحیینہ حیوۃً طیبۃ کی تفسیر کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے کہ اس میں اختلاف ہوا ہے کہ حیات طیبہ سے کیا مراد ہے۔ دنیا کی حیات یا برزخ کی۔ کیونکہ عالم تین ہیں۔ عالم آخرت۔ عالم دنیا عالم برزخ اور آخرت کو گو مشاہدہ نہیں کیا مگر اہل ملت میں بلکہ حکماء فلاسفہ قدماء میں بھی اس کے منکرین کم ہیں حتیٰ کہ سوائے اہل اسلام کے اور لوگ بھی اس کے قائل ہیں۔ اس لئے اس کا کوئی نمونہ دنیا میں بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔

عالمِ برزخ کی تحقیق اور اس کے متعلق شبہات کا دفع مع مثال

بخلاف برزخ کے کہ اس کے منکرین بہت ہیں حتیٰ کہ اہل اسلام میں معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے اور حدیثوں میں جو آیا ہے کہ جب آدمی مرتا ہے قبر میں دو فرشتے منکر نکیر آتے ہیں انکا معاملہ مختلف ہوتا ہے اگر بندہ مومن ہوتا ہے اس کے پاس نہایت اچھی صورت میں آتے ہیں۔ اور اس سے سوال کرتے ہیں وہ پسندیدہ جواب دیتا ہے پھر اس کے لئے قبر کشادہ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ جہاں تک اس کی نگاہ جاتی ہے اس کو ایک وسعت نظر آتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے۔ نم کنومۃ العروس۔ اور اگر وہ کافر ہوتا ہے اس کے پاس نہایت ہولناک صورت میں آتے ہیں اور جو سوال اس سے کیا جاتا ہے وہ جواب میں لا ادری یعنی میں نہیں جانتا کہتا ہے اس کے لئے قبر تنگ ہو جاتی ہے اور اس کو اس قدر دباتی ہے کہ اس کی پسلیاں ادہر کی اُدہر اور اُدہر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔ گرزوں سے اس کو مارتے ہیں اور سانپ اور بچھو اس کو ڈستے ہیں غرض انواع انواع کے عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ معتزلہ اور ہمارے نو تعلیم یافتہ ان احادیث کا بالکل انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تو قبر کو کھود کر دیکھتے ہیں نہ اس میں فرشتہ ہے نہ گرز ہے نہ وسعت ہے نہ سانپ ہیں نہ بچھو ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کو بھیڑیا کھالے یا دو شیر کھالیویں تو وہاں کس طرح یہ سوال و جواب ہوں گے اور کیسے وہاں وسعت ہوگی اور وہاں سانپ بچھو کہاں ہیں۔ ہم تو صریحاً دیکھتے ہیں کہ بھیڑیے اور شیر کے پیٹ میں نہ سانپ ہیں نہ بچھو ہیں۔ نہ گرز ہیں۔ بات یہ ہے ٥

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ　　چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

وجہ یہ کہ خود علم نہیں اور علماء کی اتباع سے عار آتی ہے۔ حالانکہ سلامتی کی بات یہ ہے کہ اپنے سے زیادہ جاننے والے کا دامن پکڑنا چاہیئے۔ کاش اگر ہم پوچھ لیتے تو پتہ لگ جاتا ان تمام شبہات کا منشا یہ ہے کہ قبر نام اس گڑھے کا رکھ لیا ہے حالانکہ قبر سے مراد احادیث میں یہ گڑھا نہیں ہے بلکہ مراد قبر سے عالم برزخ ہے۔ اور عالم برزخ اس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ برزخ اس حالت کا نام ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان کی حالت ہے اگر قبر میں دفن کردیا وہی اس کا برزخ ہے اس سے وہاں ہی سوال جواب و عذاب و ثواب ہوگا۔ اور اگر بھیڑئیے و شیر نے کھالیا اس کے لئے وہی برزخ ہے۔ اور اگر جلادیا تو جہاں جہاں اس کے اجزا ہیں اس سے وہاں ہی یہ سب واقعات پیش آئینگے۔ لیکن چونکہ شریعت میں دفن کرنے کا حکم ہے۔ اس لئے عالم برزخ کو قبر سے تعبیر فرمایا ہے حاصل یہ کہ قبر کے متعلق جسقدر شبہات ہیں وہ سب اسپر مبنی ہیں کہ قبر کی حقیقت نہیں سمجھے اسی استبعاد کی وجہ سے چونکہ اسکا بکثرت انکار کیا جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسی حکمت سے اس کا ایک نمونہ دنیا میں پیدا فرمایا ہے۔ کیا ہے خواب یعنی سونا۔ سوتے ہوئے آدمی دیکھتا ہے کہ سانپ نے کاٹ لیا ہے دریا میں ڈوب گیا ہے کسی نے لٹھ مارا ہے اور اس کو الم محسوس ہو رہا ہے حالانکہ وہ نرم نرم بستر پر لیٹا ہوا ہے۔ اگر گرمی ہے تو پنکھے ہو رہے ہیں خس کی ٹٹیاں لگ رہی ہیں یا دیکھتا ہے کہ وہ مسند پر سریر آرائے سلطنت ہو رہا ہے اور باندیاں اور غلام صف بہ صف دست بستہ کھڑے ہیں اور طرح طرح کے آرام راحت کے سامان ہیں حالانکہ وہ زمین پر لیٹا ہوا ہے نہ تکیہ ہے نہ بستر ہے نہ کوئی پرساں ہی بیمار ہیں سخت درد میں مبتلا ہیں یہ سونیوالے اگر ان حکایات کو بیان کرتے ہیں تو ان سے کوئی دلیل عقلی کا ان واقعات پر مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اگر کوئی دلیل عقلی پوچھے بھی تو اس کو احمق بنایا جاتا ہے اور اسکو وہ سونے والا کہتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کبھی سوئے نہیں خدا کرے تم سوؤ تو تم کو یہ سب باتیں واضح ہوجائیں گی بس ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ جب مروگے معلوم ہوجائیگا بقول شخصے ؎

پرسید یکے عاشقی چیست　　گفتم کہ چو ما شوی بدانی

غرضکہ خواب برزخ کا پورا نمونہ ہے کہ جیسے ہم سونیوالے کو دیکھتے ہیں کہ وہ آرام سے لیٹا ہے حالانکہ وہ

سخت تکلیف کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ یا یہ کہ وہ تکلیف میں ہے اور خواب میں مزے لوٹ رہا ہے۔ اسی طرح مردے کا حال ہے کہ اگر قبر کو کھود کر دیکھا جاوے تو جس طرح دفن کرائے تھے اسی طرح ہے۔ لیکن وہاں کے واقعات اس پر سب گزر رہے ہیں۔ لیکن اس تقریر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بس معلوم ہو گیا کہ برزخ کے واقعات خواب جیسے ہیں جس طرح خواب کی کوئی اصل نہیں اسی طرح فی الواقع یہ بھی کوئی شے نہیں۔ مردے کو یہ واقعات محض تخیل ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ خواب نمونہ ہے یعنی خواب مشابہ برزخ کے ہے۔ مماثل نہیں کہا، عالم برزخ کے واقعات حقیقت رکھتے ہیں تحقیق اس کی یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ روح اس جسم سے تو مفارق ہو جاتی ہے اسلئے اس جسم کو تو عذاب ثواب تکلیف آرام کچھ نہیں ہوتا ہاں اس جسم سے روح کو تعلق قدیم کی وجہ سے ایک تعلق خاص ہوتا ہے جیسا کہ آدمی کو اپنے گھر سے یا کپڑے سے کہ وہ گھر اور کپڑا اس سے مفارق ہے لیکن اس سے تعلق ہے اور اسی تعلق کی بنا پر اگر مردے کے جسم کو کوئی مارے تو روح کو ایک قسم کی کوفت ہوتی ہے۔ پس اس جسم عنصری کے ساتھ اس سے زیادہ کوئی تعلق نہیں رہتا مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عذاب وثواب کا مورد جسم ہی ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ برزخی ثواب و عقاب اور تمام برزخی واقعات اور سوال و جواب کیلئے روح کو ایک اور جسم عطا ہوتا ہے اور اسکو جسم مثالی کہتے ہیں یہ تکلیف و راحت سب اس کے ساتھ پیش آتے ہیں اور جسم مثالی کی حقیقت یہ ہے کہ سوائے اس عالم ظاہر کے ایک اور عالم ہے کہ صوفیہ کا اس کا انکشاف ہے اور نیز اشارات کتاب وسنت سے بھی اس کا وجود معلوم ہوتا ہے اس عالم میں تمام اشیاء اور تمام اعمال وافعال کی صورتیں ہیں۔ خواب میں جو کچھ آدمی دیکھتا ہے وہ بھی اسی عالم کی صورتیں دیکھتا ہے۔ مثلاً خواب میں دیکھتا ہے کہ میں کلکتے گیا ہوں اور وہاں کوٹھیاں بنگلے اور بازاروں کی سیر کر رہا ہوں تو یہ سب صورتیں چونکہ عالم مثال میں موجود ہیں اس لئے وہ خواب میں نظر آتی ہیں۔ میں نے ایک رسالہ مسمی الفتوح فی احکام الروح لکھا ہے اس میں روح کے متعلق مفصل بحث لکھی ہے اس کے دیکھنے سے انشاء اللہ تعالیٰ سب شبہات جاتے رہینگے۔

بہر حال اس تقریر سے مقصود یہ ہے کہ ایک عالم اور ہے جس کا نام برزخ ہے۔ کل تین عالم ہوئے۔ عالم دنیا۔ عالم برزخ۔ عالم آخرۃ۔ اس میں اختلاف ہے کہ حیات طیبہ سے مراد کونسی حیات ہے۔ حیات برزخیہ یا حیات دنیویہ میں کہتا ہوں کہ دونوں مراد ہوں اور لنجزینھم کو آخرت کے ساتھ خاص کیا جاوے۔ اس تقدیر پر حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ جو شخص عمل صالح کرے

اور عقاید بھی اس کے صحیح ہوں اس کو ہم دنیا میں اور بعد مرنے کے برزخ میں مزیدار زندگی عطا فرماویں گے۔ اور آخرۃ میں بعد قیامت کے ان کے نیک اعمال کی وجہ سے اجر کی جزادیں گے۔ اور ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حیات طیبہ سے مراد حیات دنیویہ ہو اور برزخ اور آخرت لَنَجْزِيَنَّهُمْ میں داخل ہو۔ کیونکہ برزخ میں جو کچھ ہوگا وہ بھی جزاء ہوگا۔

جو لوگ خدا تعالٰی کے مطیع ہیں۔ اُن کے لئے حیات طیبہ دلائل اور مشاہدہ سے ثابت ہے

خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کا وعدہ ہے اول حیات طیبہ دوسرے اجر جو کمل ہے حیات طیبہ کا ان میں سے ایک سے یعنی حیات طیبہ کو تو ہم دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں بلکہ مشاہدہ کرا سکتے ہیں دلیل تو یہ ہے کہ قاعدہ عقلی ہے کہ تجربہ سے جب ایک شخص کا صدق ثابت ہوجائے تو اس کو ہر امر میں صادق مانا جائیگا۔ ہر امر پر دلیل کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائیگا جبکہ حق تعالٰی کے اخبار کا صدہا ہزار ہا جگہ صدق ہمنے مشاہدہ کرلیا تو یہ خبر بھی بلا تامل صادق ہے۔ مشاہدہ یہ کہ لوگ دو قسم کے ہیں مطیع اور غیر مطیع دیکھ لیجئے کہ ان میں سے راحت و آرام میں کون ہے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ غیر مطیعین طالبین دنیا ہر وقت پریشانی میں ہیں۔ کسی وقت ان کو چین نہیں۔ بخلاف مطیعین کے کہ وہ جس حالت میں ہیں راحت میں ہیں۔

بعض احکام پر عمل کرنیوالا مطیع نہیں

شاید ہر شخص کہے کہ میں مطیع ہوں اس لئے کہ نماز پڑھتا ہوں روزہ رکھتا ہوں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کہے کہ فلاں بہت خوبصورت ہے کیونکہ اس کے رخسار ایسے ہیں سر ایسا ہے آنکھیں ایسی ہیں۔ ایک شخص دوسرے دیکھنے آوے دیکھا تو میاں نکٹے ہیں تو ان کا سارا حسن و جمال اس ناک نہ ہونے سے کالعدم ہے اور عقلاء اس کو ہرگز حسین نہ سمجھیں گے ایسے ہی ہم لوگوں کا دین ہے کہ دو چار باتیں اسلام کی لیکر سمجھتے ہیں کہ ہم دیندار ہیں تو ایسے دینداروں کی نسبت یہ وعدہ نہیں ہے۔ اگر کوئی پورا دیندار ہو۔ ایمان اور عمل اس کا کامل ہو تو میں دعوے کرتا ہوں کہ اس کو مزیدار زندگی عطا ہوتی ہے۔ بلکہ کامل الاطاعۃ کے پاس تک

پریشانی نہیں آتی۔

اطاعتہ کاملہ یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں درست ہوں

اطاعتہ کاملہ میں ایک جزو اور بھی قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ اطاعتہ کاملہ کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ بس ظاہر درست کرلیں یعنی صوم وصلوٰۃ حج و زکوٰۃ و معاملات کی پابندی کرلیں بس کامل فرمان بردار ہوگئے خواہ اخلاق کسی درجہ میں ہوں تو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا شخص بھی کامل دیندار نہیں ہے کامل دیندار وہ ہے جس کا ظاہر اور باطن دونوں آراستہ ہوں واللہ ہم میں جو دیندار کہلاتے ہیں اُن میں سے بہت لوگوں کی حالت یہ ہے السنتھم احلی من السکر وقلوبھم قلوب الذئاب نماز کے بھی جماعت سے پابند ہیں روزے کا بھی اہتمام ہے داڑھی بھی بڑھائی ہے نیچا کرتہ ہے غرض تمام وضع شرعی سے آراستہ ہیں لیکن اخلاق کے اعتبار سے صفر ہے قلب میں کبر عجب حقد غضب وغیرہ کی بلائیں موجود ہیں۔

تواضع حقیقت میں یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو سب سے کم سمجھے نہ صرف یہ کہ ہر ایک کے سامنے نرمی سے پیش آوے

اور بعضے ایسے ہیں کہ متکبر ہیں لیکن اپنے کو متواضع سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تواضع کی حقیقت ہی سے واقف نہیں جیسے ایک شخص کریما پڑھتے تھے اس میں تواضع کا بیان آیا اُستاد نے پوچھا کہ تواضع جانتے ہو کہ کیا شے ہے کہنے لگے کہ تواضع یہی ہے کہ کوئی اپنے گھر آئے اُس کو حقہ پان دیدیا اس کو کھانا کھلادیا اسکی آؤبھگت کرلی آج کل بڑے بڑے سمجھدار تواضع کی حقیقت اسی قدر سمجھے ہوئے ہیں اور جو اور زیادہ سمجھدار ہیں وہ جانتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ ہر ایک کے سامنے نرمی سے پیش آوے۔

صاحبو! تواضع یہ نہیں ہے نہ ایسے شخص کو حقیقتاً متواضع کہتے ہیں۔ ایسے شخص کو متواضع کہنے کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی نقال کسی تحصیلدار کی نقل کرے۔ اسکو کوئی بے وقوف تحصیلدار سمجھنے لگے۔ تواضع حقیقت میں ایک صفت کا نام ہے۔ وہ یہ کہ آدمی اپنے دل میں اپنے نفس کو سب سے کم سمجھے یہ صفت دنیا میں بہت مفقود ہے ایسے تو بہت نکلیں گے جو تقریر تحریراً

اپنی مذمت کرتے ہیں۔
بعضے کہتے ہیں میں بڑا نالایق ہوں بڑا ناکارہ ہوں۔ بعضے اپنے کو حقیر فقیر عاصی پر معاصی لکھتے ہیں لیکن جب وہ یہ کلمات فرمادیں اسوقت اگر کوئی کہدے کہ ہاں صاحب آپ بڑے نالایق ہیں۔ پھر دیکھئے ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ سنکر تلملا ہی تو جائیں گے وضعداری سے چاہے چپ ہو رہیں گے مگر دل میں تو یہ آئیگا کہ اس کو کھا جائیں۔ ہاں اگر دل میں ذرا بھی بُرا نہ مانیں اور کچھ تغیر نہ ہو تو واقعی متواضع ہیں۔ یہ بڑا عمدہ امتحان ہے مگر ایسے کہاں ہیں آجکل تو ظاہری نیازمندی خشوع وخضوع سب کچھ ہے۔ لیکن دل میں کچھ نہیں بس یہ حالت ہے ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل | وز دروں قہر خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید | وز درونت ننگ میدارد یزید

جس دینداری کا خدا تعالیٰ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بالکل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم ہوجاویں

خلاصہ یہ کہ ایسے لوگ کامل دیندار نہیں ہیں اس لئے کہ جیسا خدا تعالیٰ نے ان سے دیندار ہونے کا مطالبہ فرمایا ہے ویسے نہیں بنے اور میں تم کو بتاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے کیسا چاہا ہے اور میں دو لفظوں میں خلاصہ بتاتا ہوں۔ اور میں کیا خود خدا تعالیٰ بتاتے ہیں اگر تفصیلاً بیان کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ نے کیسا چاہا ہے تو دفتر کے دفتر ختم ہو جاویں پھر بھی بیان ناتمام ہی رہے اس لئے گر کی بات عرض کرتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ امور اختیاریہ میں ایسے بن جاؤ اور ایسے ہو کر آؤ جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ گویا حق تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک نمونہ بھیجدیا ہے اور گویا فرمادیا کہ تفصیلاً کہاں تک بیان کریں کہ یہ صفت پیدا کرو وہ صفت چھوڑ دو۔ ہم ایک نمونہ بھیجے دیتے ہیں ایسے بن جاؤ۔ اپنے اخلاق۔ عادت کھانا۔ پینا۔ سونا۔ بیٹھنا۔ اٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ وضع۔ طرز۔ انداز۔ چال۔ ڈھال ایسا ہو جیسا ہمارے محبوب کا ہے۔ بس اب آپ غور کر لیجئے کہ اگر ایک صفت کی بھی کمی ہوئی تو ہم نمونہ کے موافق نہ ہوئے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ درزی سے ہم کو اچکن سلوانا

منظور ہے۔ ہم نے نمونہ کے واسطے ایک اچکن بھیجدیا کہ ایسا سی لاؤ۔ اب تبلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آستین اسقدر ہوں سلائی اس طرح کی ہو۔ اسقدر نیچا ہو۔ وہ سی کر لایا دیکھا تو ہاں کے مطابق ہے لیکن ایک آستین بڑھی ہوئی ہے تو اس درزی سے کہا جاویگا کہ ظالم تیرے پاس ہم نے نمونہ بھیجدیا تھا پھر بھی تو نے اس کے موافق نہ سیا اور اس اچکن کو ہرگز نمونہ کے موافق نہ کہا جائیگا۔ وہ اچکن اس درزی کے منہ پر ماریں گے۔ اور اس کو سزا دیں گے۔ تو صاحبو جب ہم حاکم حقیقی کے سامنے پیش کئے جاوینگے اور ہماری نماز ایسی نہ ہوگی جیسی کہ حضور کی تھی۔ وضع۔ لباس۔ طرز۔ انداز ایسا نہ ہوگا جیسا کہ حضور کا تھا تو کچھ عجب نہیں کہ نکالدیے جائیں۔ اللھم احفظنا واحشرنا فی زمرۃ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

حکایت۔ ایک حکایت بطور تمثیل کے یاد آئی کہ بادشاہ عالمگیر جب صاحب تخت وتاج ہوئے تو تمام اہل فن واہل حرفہ وصنعت کو موافق دستور شاہی انعام دیا گیا۔ بہروپئے بھی آئے لیکن عالمگیر ایک مولوی آدمی تھے اس لئے ان کو دینا ناجائز سمجھا لیکن صراحۃً ان کو ٹالنا اور صاف جواب دینا مناسب نہ سمجھا یہ چاہا کہ کسی حیلہ لطیف سے ان کو ٹالدیا جائے کہا کہ جب ایسی شکل میں آؤ کہ ہم نہ پہچانیں تو انعام دیں گے۔ وہ مختلف شکلوں میں آئے مگر عالمگیر نے پہچان لیا جب دکن کی مہم پیش آئی اور عالمگیر نے دکن کا سفر کیا تو سفر میں عالمگیر کا طریق یہ تھا کہ راستہ میں جس صاحب کمال کو سنتے تھے اس سے جاکر ملتے تھے دکن کے سفر میں بھی حسب عادۃ اہل کمال سے ملنے جاتے تھے۔ ایک مقام پر سنا کہ یہاں ایک درویش بڑے باکمال ہیں۔ اول وزیر کو ملنے کے لئے بھیجا وزیر نے ہر طرح ان کو جانچا وہ ہر بات میں پورے اترے آکر عالمگیر سے بہت تعریف کی اور کہا کہ ان کو تکلیف دینا بے ادبی ہے آپ خود تشریف لیجا کر ان سے ملئے۔ عالمگیر خود گئے اور ملکر بہت خوش ہوئے عالمگیر کو بعض مسائل تصوف میں کچھ شبہات تھے وہ پیش کئے۔ سب شبہات کے شافی جواب پائے بالکل اطمینان ہوگیا۔ اور نہایت متاثر ہوئے۔ اور ایک توڑہ اشرفیوں کا پیش کیا درویش نے ایک لات ماری اور کہا کہ مجھکو بھی اپنی طرح دنیا دار سمجھتا ہے۔ عالمگیر اور زیادہ متاثر ہوئے اور اس توڑہ کو اٹھا لیا اور وہاں سے چلے راہ میں وزیر سے دیر تک اس درویش کا ذکر مذکور رہا۔ جب لشکر میں پہونچے تو سامنے دیکھا کہ وہ بزرگ تشریف لا رہے ہیں اور بادشاہ کو جھک کر سلام کیا اور انعام مانگا۔ عالمگیر حیرت میں ہوگئے اور عذر

کر کے پہچانا اور اس کو کچھ انعام دیا اور یہ پوچھا کہ میں نے اب تسلیم کرلیا کہ تو بڑا ہوشیار اور اپنے فن کا کامل ہے مگر یہ تبلا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس وقت میں نے تجھکو اس سے کہیں زیادہ دیا تھا اس کو تو نے رد کر دیا۔ اور یہ روپیہ اس سے بہت کم ہے یہ خوشی سے لے گیا۔ اس نے کہا کہ جو نقل میں نے کی تھی وہ لینا اس کے خلاف تھا۔ اس لئے نہیں لیا۔ تو صاحبو ہم لوگ تو اس نقال سے بھی گئے گزرے ہوئے۔ ہم نے تو نقل بھی دین کی نہیں ہوتی۔

بزرگی یہ ہی کہ ظاہراً بھی دیندار ہو اور باطناً بھی نہ کہ کشف و کرامت

حاصل یہ ہے کہ دیندار کامل تو وہ ہے کہ ظاہراً بھی دیندار ہو اور باطناً بھی۔ کیونکہ اعمال کی دو قسمیں ہیں ظاہری اور باطنی۔ ظاہری تو روزہ۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ اور باطنی انس رضا۔ شوق۔ صبر۔ قناعت وغیرہا ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں بداخلاقیاں غضب حقد۔ تکبر۔ بے صبری۔ حرص ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو مشائخ کے یہاں ملتے ہیں۔ اساتذہ کے یہاں تو ظاہر درست ہوتا ہے اور مشائخ کے یہاں یہ اخلاق درست ہوتے ہیں۔ اور اسی کا نام بزرگی ہے۔ آجکل تو درویشی اور بزرگی کشف و کرامت کو جانتے ہیں۔ مجھکو ایک شیخ صاحب کے ارشاد پر تعجب ہوا کہ انھوں نے ایک شخص سے کہا کہ میاں تم ذکر و شغل کرتے ہو کچھ نظر بھی آتا ہے انھوں نے کہا کہ مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ تو ہنس کر فرمایا کہ بھائی ثواب جمع کئے جاؤ۔ آہ افسوس ہے کہ ان شیخ نے ثواب کی کچھ بھی قدر نہ کی۔ میں تو اسی دن سے ان کی شیخت سے بھی بے اعتقاد ہو گیا۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی رضا کو چھوڑ کر کشف کو ڈھونڈے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے وزارت کو چھوڑ کر گھاس کھودنے لگے۔ اسلئے کہ کشف کا حاصل بعض غیر معلوم غیر مقصودہ اشیاء کا معلوم ہو جانا ہے۔ سو یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ ظاہر اور باطن موافق شریعت کے ہو پس ایسے شخص کے لئے میں دعویٰ کر کے کہتا ہوں کہ اس کو حیات طیبہ نصیب ہوگی اور کسی قسم کی پریشانی اسکو نہ ہوگی

حضرات اہل اللہ کو مصائب میں بھی پریشانی نہیں ہوتی بلکہ اور لطف آتا ہے

اگر کوئی کہے کہ ہم تو بچشم خود دیکھتے ہیں اور سنتے آئے ہیں کہ اکثر اولیاء اللہ اور بزرگان دین تکالیف

میں مبتلا ہوتے ہیں پھر مزہ دار زندگی کہاں ہوئی میں کہتا ہوں کہ بے شک مسلم ہے کہ ان حضرات کو بلا اور مصائب کا سامنا رہتا ہے۔ بلکہ اوروں سے زیادہ لیکن ان کو ان مصائب میں بھی مزہ آتا ہے اور جسکا نام پریشانی ہے وہ نہیں ہوتی اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کسی پر عاشق ہو جائے اور محبوب اس سے مدتوں سے نہ ملا ہو اور وہ اس کی یاد میں گھلتا ہو ایک روز دفعتہً محبوب آپہنچا اور آکر لپٹ گیا اور اسکو خوب دبایا اور اس قدر دبایا کہ پسلیاں ٹوٹنے لگیں لیکن اگر وہ سچا عاشق ہے تو واللہ اس کو اسقدر مسرت ہوگی کہ دنیا ومافیہا سے بڑھکر اس کو سمجھے گا اور کہیگا کہ یہ تو وہ شخص ہے جس کے واسطے تمام عمر کھودی اور مال و دولت آبرو اس پر نثار کردی اگر محبوب کہے بھی کہ اگر تکلیف ہو تو چھوڑ دوں تو وہ کہیگا کہ خدا نکرے وہ دن کہ تم مجکو چھوڑ دو۔ بلکہ یوں کہے گا ؎

اسیرت نخواہد رہائی ز بند | شکارت نجوید خلاص از کمند

اور اگر وہ کہے کہ میں اس رقیب کو جو پاس کھڑا ہے دبالوں اور تم کو راحت دوں تو کہیگا ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت | سر دوستاں سلامت تو خنجر آزمائی

اور کہے گا ؎

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے | کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

حضرات اہل اللہ کو موت بھی محبوب ہوتی ہے

دیکھئے لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ مصیبت موت ہے اور عشاق کے نزدیک وہی موت عجیب دولت ہے کہتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم | راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر بسر آید ایں غم روزے | تا در میکدہ شاداں و غزلخواں بروم

اور یہ تمنائیں تو ان حضرات کی موت آنے سے پہلے ہوتی ہیں لیکن عین موت کے وقت بھی یہی ہوتا ہے ایک بزرگ وفات کے وقت کہتے ہیں ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم | جسم بگذارم سراسر جاں شوم

ابن فارض کا جب انتقال کا وقت آیا تو آٹھوں جنتیں ان کے لئے مکشوف ہوئیں دیکھکر منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا ؎

ان کان منزلتی فی الحب عندکم ماقد رأیت فقد ضیعت ایامی

یعنی اگر میرا مرتبہ عشق میں آپ کے نزدیک یہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو میں نے اپنا وقت ہی ضائع کیا میرا مقصود تو آپ کی ذات پاک ہی۔ اگر آپ نہ ہوئے تو جنت کو لے کر کیا کروں گا۔ اس کے بعد اُن پر تجلی حق ہوئی اور اسی میں رحلت فرمائی سبحان اللہ اب فرمائیے کہ جب موت سے بھی یہ حضرات پریشان و ہراساں نہیں ہوتے تو فقر و فاقہ میں افلاس و تنگی میں تو کیا پریشانی ہے۔

حکایت۔ حضرت بہلول رح نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ کس حال میں ہو فرمایا کہ ایسے شخص کا کیا حال پوچھتے ہو کہ جو کچھ عالم میں ہو رہا ہے سب اس کی مرضی کے موافق ہو رہا ہے وہ کیسا کچھ مزے میں ہو گا حضرت بہلول نے کہا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی مخلوق کے لئے ایسا کب ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے سب اس کی خواہش کے موافق ہوتا ہے۔ یہ شان تو حق تعالیٰ ہی کی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے ارادہ کو ارادۂ اللہ میں فنا کر دیا ہو تو جو امر ارادہ الہیہ کے موافق ہو گا وہ اس کے ارادہ کے بھی موافق ہو گا صحیح۔
حاصل یہ کہ ہم اپنے نفس کو اپنی رائے کو حق تعالیٰ کی رضا میں فنا کر چکے ہیں جس حالت میں ہیں خوش ہیں۔

حضرات اہل اللہ کو پریشانی نہ ہونیکا راز

بات یہ ہے کہ پریشانی کی دو وجہ ہوا کرتی ہیں۔ اول تو جس سے معاملہ ہو اس سے محبت نہ ہو۔ جب پریشانی ہوتی ہے اور اگر محبت ہو تو پریشانی کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ مثلاً محبوب اگر یوں کہے کہ تجھ سے دو گھنٹہ دھوپ میں کھڑے ہو کر باتیں کرو اگر وہ کہے کہ نہیں تو دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے اور اگر سچا ہے تو اس کی یہ حالت ہو گی۔

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ جنت است آں گرچہ باشد قعر چاہ

دوسری وجہ پریشانی کی یہ ہوتی ہے کہ خلاف اُمید کوئی امر پیش آ دے کہ سوچا کچھ اور ہو گیا کچھ مثلاً طاعون آیا ہم چاہتے تھے کہ تندرست رہیں مگر نہ رہے۔ چاہتے تھے کہ تجارت میں نفع ہو نہ ہوا۔ چاہتے تھے کہ اولاد ہو نہ ہوئی تو اس وقت پریشانی ہو گی۔ اور جو شخص اپنی رائے کو فنا کر چکا ہو اور اپنے ارادے کو رضائے مولیٰ میں مٹا چکا ہو اسکو پریشانی کی یہ وجہ بھی نہ ستائیگی

حکایت - حضرت بہلول سے کسی نے کہا کہ اناج بہت گراں ہوگیا ہے۔ فرمایا کہ کچھ پروا نہیں ہمارے ذمہ یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ذمہ ہے کہ ہم کو حسب وعدہ رزق دے۔

حکایت - ایک بزرگ نے اپنی توبہ اور رجوع الی اللہ کا قصہ بیان کیا کہ ایک سال قحط بہت تھا مخلوق بہت پریشان تھی اسی حالت میں ایک غلام کو دیکھا کہ بے فکری سے گاتا ہوا خوش بخوش جارہا ہے۔ اس سے کسی نے پوچھا کہ مخلوق تو پریشان ہورہی ہے اور تو اس طرح بے فکری ہے۔ اس نے کہا کہ میں بے فکر کیوں نہ ہوں میرے مالک کے یہاں دو گاؤں ہیں۔ اس وقت نفس کو ایک تازیانہ لگا اور یہ بات ذہن میں آئی کہ ارے نفس جس کے مالک کے پاس دو گاؤں ہیں وہ تو بے فکر ہے اور تیرے مالک کے قبضہ میں آسمان زمین عرش کرسی ہے تو پریشان ہے اسی وقت سے توجہ الی اللہ کی توفیق ہوئی۔ افسوس کہ اس وقت معاملہ بالعکس ہوگیا۔ دنیا کمانے اور شب وروز اسی دھن میں رہنے کو ترقی اور اولو العزمی سمجھتے ہیں اور بے فکری اور توکل کو پستی کہتے ہیں۔ اور طرہ یہ ہے کہ اپنے کو خیر خواہ اور ہی خواہ قوم کہتے ہیں۔ جو شخص رات دن ہوائے نفسانی میں مبتلا ہو اور سوائے دنیا کمانے کے کوئی مشغلہ نہ ہو اس سے دوسرے کی خیر خواہی کیا ہوسکتی ہے۔ حقیقی خیر خواہ انبیا علیہم السلام اور بزرگان دین ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین ۝ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ جو شب وروز ان کی فکر میں گھلتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اسی فکر میں کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔ آپ اپنی جان کو ہلاک کردیں گے۔ ان حضرات کا مشرب یہ ہے ؎

طریق بجز خدمت خلق نیست ٭ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

شاہ اسحٰق صاحب رح کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا کہ حضرت فلاں شخص کے نام ایک رقعہ لکھدیجئے اس سے میرا ایک کام ہے آپ کا رقعہ دیکھنے سے وہ کردیگا۔ وہ شخص حضرت کا سخت مخالف تھا حضرت نے رقعہ لکھدیا اس نے جاکر اس شخص کو دیا اس نے اس رقعہ کی بتی بنا کردی اور یہ کہا کہ شاہ صاحب سے کہو کہ اس کی بتی بناکر فلاں جگہ رکھ لو۔ اس شخص نے اسی طرح آکر یہ مقولہ شاہ صاحب کی خدمت میں نقل کیا شاہ صاحب نے فرمایا کہ بھائی اگر اس فعل سے تیرا کام چلتا تو مجھے اس سے بھی دریغ نہ ہوتا۔ یہ جواب اس کو پہونچا وہ شخص

یہ بات سنکر تڑپ گیا اور اسقدر متاثر ہوا کہ شاہ صاحب کی خدمت میں آکر اس نے معذرت کی اور اس کو ہدایت ہو گئی۔ دس برس کے مجاہدہ میں بھی وہ بات نہ ہوتی جو شاہ صاحب کے ایک کلمہ میں ہو گئی اب بتلایئے کہ ایسی نفع رسانی آج کس میں ہے۔ آج ترقی کا دم بھرنیوالے اس کو پست ہمتی کہتے ہیں۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو انھوں نے فرمایا کہ یہ دنیا اللہ کا گھر ہے اور ہم اس کے ضیف ہیں اور ضیافت بروئے حدیث تین دن ہے اور اللہ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار برس کا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ٥ تو تین ہزار برس تک تو دعوت ہے اس کے بعد پوچھنا۔

روپیہ کمانیکی ممانعت نہیں اسمیں کھپ جانیکی ممانعت ہے

میرا مطلب ان حکایات سے یہ نہیں ہے کہ روپیہ نہ کماؤ اور جاگیر گھر لٹا دو۔ مقصود یہ ہے کہ اسمیں کھپ مت جاؤ۔ بلکہ ضرورت پر نظر رکھو۔ اور ایسے خصال حاصل کرو جیسی کہ بزرگوں میں تھیں اور مال جمع کرنے کی ممانعت نہیں کرتا بلکہ بعض بزرگ روپیہ بہت رکھتے تھے۔ مگر وہ اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ خدمت خلق کے لئے۔ جیسے خزانچی اور تحصیلدار ہوتا ہے یہ حضرات بھی اسی طرح سے روپیہ رکھتے ہیں اور بلا اذن اسمیں سے خرچ نہیں کرتے۔ جیسے سلیمان علیہ السلام کو سلطنت دیگئی اور حضرت صدیق اکبر رضؓ کو خلافت ملی یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہی ملی۔ لیکن حالت کیا تھی۔ کہ جب مصر میں قحط پڑا تو یوسف علیہ السلام پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے۔

اہل اللہ کی خوش خوراکی و خوش لباسی بھی رضا الٰہی کیلئے ہوتی ہے

اور اگر اہل اللہ میں کوئی خوش خوراک خوش لباس پایا جاوے تو وہ بھی باذن الٰہی ہے مثلاً ایک شخص ہے اس کو یہ ثابت ہوا کہ خلق کی ہدایت میرے متعلق ہے اور مواعظ و تقریر سے تدریس سے لوگوں کو ہدایت کرنا اس کا شغلہ ہے سو اگر وہ گھی دودھ اغذیہ مقویہ کا استعمال چھوڑ دے تو دماغ میں خشکی آ دیگی اور کچھ کام اس سے نہو سکے گا۔ اور اگر دماغ کی حفاظت کریگا تو سب کام ہو سکیں گے۔

نفس کو کھلا پلا کر اس سے سرکاری کام لو

یہ نفس بطور مزدور کے ہے اور یہ دماغ سرکاری مشین ہے۔ اگر اس کو مزدوری ملتی رہے اور مرمت ہوتی رہے تو کام دیتا رہیگا۔ پس وہ خدمت نفس کی اس اعتبار سے نہیں کہ وہ ہمارا ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ سرکاری خدمت سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

تازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است | افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را | کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان لنفسک علیک حقا ولزوجک علیک حقا اور فرماتے ہیں المومن القوی خیر من المومن الضعیف۔

ہدایت خلق جن بزرگوں کے متعلق ہوتی ہے انھیں صرف اپنی اصلاح کی فکر ہوتی ہے خلق کے برا بھلا کہنے کا ڈر نہیں ہوتا

اور بعضوں کے کچھ نفع خلق کا متعلق نہیں ہوتا ان کو اپنے ہی نفس کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے ان کا مذاق یہ ہوتا ہے ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار | دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

اور ایک کہتے ہیں ؎

خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی میکند | آرے آرے میکند با خلق و عالم کار نیست

تو یہ کسی قسم کی بدنامی سے نہیں ڈرتے۔

ہدایت خلق جن بزرگوں کے متعلق ہوتی ہے وہ بدگمانی کے موقع سے بھی بچتے ہیں

ایک وہ ہیں جو شبہ سے بھی بچتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف

تھے کہ حضرت صفیہؓ جو ازواج مطہرات سے ہیں تشریف لائیں جب واپس تشریف لیگئیں تو حضور اُن کے پہنچانے کے لئے لب مسجد تک تشریف لائے تھے کہ سامنے سے دو شخص آئے حضور نے فرمایا ذرا ٹھہرو اور پھر فرمایا انھا صفیۃ یعنی یہ صفیہ ہیں۔ یہ بات ان کو بہت بھاری ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ توبہ توبہ کیا حضور کی نسبت ہم کچھ گمان کر سکتے تھے فرمایا کہ شیطان ابن آدم کے رگ وریشہ میں بجائے خون کے دوڑتا ہے۔ مجھکو اندیشہ ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈالدے۔

اہل اللہ مختلف مذاق کے ہوتے ہیں

اولیاء اللہ مختلف رنگ کے ہوئے ہیں۔ سرکاری گلدستہ ہے اس میں گلاب بھی ہے چنبیلی بھی بیلا بھی اور خار بھی ہے۔

اہل اللہ کو غم ہوتا ہے پریشانی نہیں ہوتی

اگر کوئی کہے کہ ہم نے انبیا کی حکایتیں سنی ہیں کہ ان کو غم ہوئے ہیں یعقوب علیہ السلام ایک مدت تک یوسف علیہ السلام کی جدائی میں مغموم رہے۔ ایوب علیہ السلام سخت مصائب میں مبتلا رہے۔ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے ایذا پہنچائی۔ جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو رنج و غم تو ہوا لیکن پریشانی نہیں ہوئی غم اور شے ہے پریشانی اور چیز ہے اور غم ہونا کمال کے منافی نہیں۔ بلکہ عین کمال ہے بعض بزرگوں کا حال آیا ہے کہ ان کے بیٹے کا انتقال ہوا اور وہ ہنس رہے تھے ۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو حضور محزون تھے ظاہر ہے کہ کمال وہ ہے جو حضور کا فعل ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جو مغموم نہیں ہوئے انھوں نے تو صرف حق تعالی کا حق ادا کیا۔ اور جن کو غم ہوا انھوں نے اولاد کا بھی حق ادا کیا اور اللہ تعالی کا بھی کاملین کو جو غم دیا جاتا ہے اس میں یہ حکمت ہوتی ہے کہ صبر کی فضیلت حاصل کریں۔ اس لئے کہ صبر بدون غم کے نہیں ہوتا۔ اور دوسری حکمت یہ ہے کہ حزن سے تصفیہ ہوتا ہے قلب کا۔

غم حیات طیبہ کے منافی نہیں

اگر کوئی کہے کہ جب حزن ہوا تو حیات طیبہ کہاں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ عین واقعہ رنج میں دو حیثیتیں ہیں باعتبار مصیبت ہونے کے تو وہ الم رساں ہیں اور باعتبار من المحبوب ہونے کے وہ مرضی ہے اور ان حضرات کے ہر واقعہ من اللہ ہونا ہر وقت پیش نظر رہتا ہے اس لئے خواہ کسی طرح کی مصیبت پیش آوے وہ اس حیثیت سے پسندیدہ ہے اور ان کے اطمینان قلب میں کسی طرح خلل انداز نہیں ہاں تکلیف پہونچنا امر آخر ہے۔

اس کی حقیقت جو بفضلہ تعالیٰ آج ہی سمجھ میں آئی ایک مثال کے ضمن میں یہ ہے کہ طیب ہونے کے دو درجہ ہیں اول مزہ دار ہونا اور نافع ہونا۔ دوسرے صرف نافع ہونا مثلاً کہتے ہیں کہ یہ دوا طیب ہے تو معنی یہ ہیں کہ مزہ دار بھی ہے اور نافع بھی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ دوا طیب ہے۔ تو اس کا طیب ہونا یہ ہے کہ شفا ہو جاوے۔ امراض زائل ہو جاویں پس حزن مثل دوا کے ہے دوا کا کڑوا ہونا گو طبع کے خلاف ہے لیکن گوارا ہے کڑوی دوا بھی خوشی سے پی لیجاتی ہے اور تلخی برداشت کیجاتی ہے اور یہ بھی حصول لذت کے لئے ہے اس لئے کہ دوا سے صحت ہوگی اور صحت لذیذ ہے۔ تو دوا بھی اس قاعدے سے لذیذ ہوگی اور اس میں بھی ایک گونہ مسرت ہوگی بشرطیکہ اس کا نافع ہونا پیش نظر ہو۔ بحمد اللہ اس تقریر سے سب شبہات رفع ہو گئے۔

محبت سے تمام مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں اور محبت ہی اصل سبب ہے ترقی کا

خلاصہ یہ کہ ان حضرات کو خواہ مصیبت ہو رنج ہو فقر و فاقہ ہو ہر وقت خوش ہیں اور اصل میں خوش کرنے والی ان کو محبت ہے۔ چونکہ ان کو حق جل وعلا شانہ سے محبت ہے اس لئے لقاء حق کے انتظار میں ان کو سب سہل ہے۔ دنیا میں دیکھ لیجئے اگر کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے اور یہ معلوم ہو کہ فلاں وقت وہ ہم سے ملیگا تو اس وقت کے انتظار میں سب بلائیں اس کو سہل ہیں یہ انتظار کہ خدا تعالیٰ ہم سے خوش ہوں گے یا اس وقت ہم سے خوش ہیں اس کی ایسی خوشی ہوتی ہے کہ سب مصائب سہل ہو جاتے ہیں یہ سب محبت کی برکت ہے

خدا کی قسم یہی وہ تیسرے ہے جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم تمام امت میں ممتاز ہوئے۔ اور یہی وہ دولت ہے جس کے سبب سے سلف رحمہم اللہ کے آج تذکرے لکھے جاتے ہیں اور اصل سبب ترقی کی یہی شے ہے آج کل صحابہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے یوں ترقی کی یوں کی اور اس امر میں ان کا اپنے نزدیک اقتدا کرتے ہیں اور اصل روح اور سبب ترقی سے مس تک نہیں اور نہ ترقی کی حقیقت سے واقف ہیں دنیا سمیٹنے کو اور جاہ مذموم کے تحصیل کا نام ترقی کر رکھا ہے۔ صحابہ رضی نے جو فتوحات کی وہ سب للدین تھی دنیا ان کے پاس تک نہ تھی سو ایسی ترقی کو کون منع کرتا ہے۔

اہل اللہ مختلف مذاق کے ہوتے ہیں

صحابہ اور نیز دیگر سلف صالحین میں بھی مختلف رنگ کے لوگ تھے۔ حضرت عیسیٰ ؑ نے گھر تک نہیں بنایا حضرت سلیمانؑ صاحب سلطنت ہوئے حضرت ابو ذر غفاری رضؓ مال جمع کرنے کو بالکل حرام فرمایا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضؓ سے فرمایا تھا کہ اے ابو ذر میں تمہارے لئے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تم دو شخصوں کے درمیان کبھی فیصلہ مت کرنا اور نہ یتیم کے مال کے ولی بننا۔ اس لئے کہ میں تم کو کمزور دیکھتا ہوں یعنی تعلقات کی برداشت نہ ہوگی۔ یہ ابو بکر عمر رضؓ کا ہی جگر تھا کہ مدینہ طیبہ میں چٹائی پر بیٹھے ہیں اور روم و شام و دمشق و فارس کا انتظام کر رہے ہیں۔ غرض انبیا اور صحابہ اور اولیاء اللہ میں بھی ہر ایک کا جدا رنگ ہے۔ اور ان کے لئے وہی رنگ مناسب ہے بعضے روپیہ پیسے سے اسلئے گھبراتے ہیں کہ میاں کون جھگڑے میں پڑے۔ ہم سے حقوق ادا نہ ہوں گے۔ زکوٰۃ عشر قربانی وغیرہ سیکڑوں حقوق ہیں یہ بڑا قصہ ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ ان کو کچھ نہیں دیتے۔ اور ہمیشہ وہ مفلس رہتے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیم ادھم رحؒ کہ سلطنت چھوڑ دی۔ اور جیسے حضرت شاہ ابو المعالی قدس سرہٗ کہ ہمیشہ فقر و فاقہ میں گذرتی تھی۔

ایک روز کا قصہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے یہاں ان کے پیر و مرشد تشریف لائے حضرت مکان پر تشریف نہ رکھتے تھے بی بی تھیں انھوں نے تعظیم و تکریم سے پیر کو ٹھہرایا لیکن حسب عادت حضرت شاہ صاحب کے یہاں اس روز بھی کچھ کھانے پینے کو نہ تھا۔ بی بی نے پڑوس میں سے آٹا ادھار مانگنے کے لئے خادمہ کو بھیجا۔ پڑوسیوں نے ادھار بھی نہ دیا کہ انکو

ادھار دیکر کہاں سے لینگے۔ پیر صاحب خادمہ کو برابر آتا جاتا دیکھکر فراست سے سمجھ گئے پوچھا کہ کس فکر میں ہو بی بی نے سمجھا کہ ان سے کیا چھپانا۔ واقعی یہ حضرات خدا کے نائب ہوتے ہیں۔ ان سے اپنا کوئی حال چھپانا نہ چاہیے۔ بی بی نے صاف کہدیا کہ حضرت آج ہمارے یہاں کچھ نہیں ہے۔ پیر صاحب نے ایک روپیہ عطا فرمایا آجکل کے پیر تو مریدوں کا ہی کھا جاتے ہیں کچھ خیال نہیں کرتے۔ کہ ان کے یہاں کہاں سے آیا ہے۔ اور کس طرح بیچارے لائے ہیں القصہ پیر صاحب نے فرمایا کہ اس ایک روپیہ کا اناج لاؤ۔ اور ہمارے پاس لانا۔ چنانچہ غلہ حضرت پیرو مرشد کے پاس لایا گیا۔ حضرت نے ایک تعویذ لکھکر غلہ میں دبادیا۔ اور یہ فرمایا کہ اس تعویذ کو مت نکالنا۔ پیر صاحب تو رخصت ہوئے۔ اب روزمرہ اس میں سے غلہ نکالا جاتا تھا۔ اور وہ کم نہ ہوتا تھا۔ کئی روز ہوگئے کہ صبح شام کھانا آنے لگا۔ یہ دیکھکر حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ نے فرمایا کہ ہائیں یہ کیا بات ہے کئی روز ہوئے فقر و فاقہ نہیں ہے۔ بی بی نے فرمایا کہ پیر صاحب تعویذ دے گئے تھے۔ اس کی برکت ہے فرمایا کہ ہمارا فاقہ اختیاری ہے اضطراری نہیں ہے اب یہ مقام بڑی کشاکشی کا تھا کہ پیر کا تعویذ اگر رکھا جائے تو اپنے مذاق کے خلاف اور اگر نہ رکھیں تو پیر کے تعویذ کی بے ادبی۔ مگر سبحان اللہ ان حضرات کو حق تعالیٰ ایسا نور باطن عطا فرماتے ہیں کہ ان کا فہم نہایت صحیح اور عقل ان کی کامل ہوجاتی ہے فرمایا کہ اس تعویذ کا حقدار تو میرا سر ہے بٹکا نہیں ہے لاؤ وہ تعویذ میں اپنے سر میں رکھونگا۔ تعویذ منگاکر سر میں رکھ لیا اور اناج فقراء کو تقسیم کردیا۔ شام کو پھر فقر و فاقہ ہوا شکر حق تعالیٰ کا ادا کیا۔ اور بعضوں کو جانتے ہیں کہ اگر نہ ملیگا تو پریشان ہونگے اور یا جانتے ہیں کہ ان سے برداشت حقوق کی ہوگی ان کو خوب دیتے ہیں۔ غرض اولیاء اللہ کے مختلف طبقات ہیں مگر جس حال میں ہیں خوش ہیں ؎

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش ۔۔۔ کہ انچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

اور کہتے ہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن ۔۔۔ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

قبض کی حالت میں فرماتے ہیں ؎

باغباں گر پنج روزی صحبت گل بایدش ۔۔۔ بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال ۔۔۔ مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

اور اس سے زیادہ فرماتے ہیں ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از دو غیر او تمنائے

اب میں پوچھتا ہوں کہ جس کا یہ حال ہو اس کو کیا پریشانی ہوگی وہ تو ہر وقت مسرور ہے۔ ہر وقت خوش ہے۔ حیات طیبہ یہ ہے اور اس کے ماسوا پریشانی ہے۔ اور بے حالی ہے۔ لیکن ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حیات طیبہ اور درجہ ولایت حاصل ہونے کا نہایت سہل طریقہ

مگر ہاں کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ مرتبہ کس کو حاصل ہو سکتا ہے۔ ہم لوگ تو دنیا دار ہیں سینکڑوں طرح کے اشغال ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ سو یہ خیال شیطانی ہے اور منشا اس کا یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ تمام کاروبار دنیا کے چھوڑ کر حجرے میں بیٹھکر تسبیح ہلاؤ۔ ہرگز نہیں۔ ہر شخص کے لئے جداگانہ طریق ہے۔ اگر اس مقام پر ہر ایک کی تفصیل بیان کیجاوے تو ایک وقت طویل درکار ہے اور پھر بھی کافی نہیں اس لئے کہ یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ میرے لئے کونسا طریق نافع ہے اس لئے میں تم کو ایک مختصر سی بات بتلاتا ہوں اور جھگڑے کی بات بالکل نہیں بتاتا۔ وہ یہ کہ مرشد کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر بے فکر ہو جاؤ۔ اور لم و کیف کو چھوڑ دو۔ اپنے کو اس کے سپرد کر دو۔ اور اپنی رائے کو ہرگز دخل نہ دو۔ جو وہ طریق بتائے اس پر عمل کرو۔ انشاء اللہ تعالےٰ کامیاب ہو گے ؎

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست بر پائے کبوتر زد و گانہ رسید

یعنی ایک چیونٹی کو ہوس ہوئی کہ خانہ کعبہ میں پہونچے لیکن اپنے ضعف و عجز کو دیکھکر مایوس تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک کبوتر کبوتران حرم محترم سے بیٹھا ہے۔ وہ چیونٹی اس کے پاؤں کو لپٹ گئی۔ اس نے ایک پرواز کی اور بیت اللہ شریف میں جا پہونچا چیونٹی نے جو آنکھ کھولی تو دیکھا کہ خانہ کعبہ سامنے ہے۔ تو صاحبو اسی طرح ہم اگرچہ ضعیف ہیں لیکن اہل اللہ کا دامن اگر پکڑ لیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ محروم نہ رہیں گے۔ اسی واسطے تو فرمایا ہے کونوا مع الصادقین۔

عاقل کا ہر کام یا تو تحصیل منفعت کیلئے ہے یا دفع مضرت کیلئے

قاعدہ عقلیہ ہے کہ آدمی جو کام کرتا ہے اس سے دو چیزوں میں سے ایک شے مقصود

ہوتی ہے یا تو دفع مضرت یا جلب منفعت مثلاً کھانا کھاتا ہے لذت و تغذی کے لئے یہ
آیت منفعت ہے۔ دوا پیتا ہے دفع مرض کے واسطے یہ مضرت کا دفع ہوا۔ اور مثلاً نوکری
کرتا ہے روپیہ کی تحصیل کے لئے۔ تجارت کرتا ہے منفعت و فائدہ کے واسطے۔ رشوہ دیتا ہے
تا کہ کسی قسم کی سزا نہ ہو جائے۔ یا کسی بلا میں مبتلا ہے اس سے رہا ہو جائے۔ مکان بناتا ہے
سردی و گرمی سے بچنے کے واسطے خلاصہ یہ ہے کہ یہ امر بالکل ظاہر اور بدیہی ہے کہ جو کچھ
انسان کرتا ہے جلب منفعت کے لئے کرتا ہے یا دفع مضرت کے لئے اس میں کسی عاقل
کو کلام نہیں۔ اور نہ اس پر براہین و دلائل قائم کرنے کی ضرورت ہے البتہ منفعت و مضرت
کی تعین میں اہل الرائے و اہل ملت میں اختلاف ہے باقی نفس مسئلہ میں اتفاق ہے
چنانچہ اول واضح ہو چکا ہے تعین میں البتہ بہت بڑا اختلاف ہے۔ تفصیل اس اجمال
کی یہ ہے کہ منفعت کی تحصیل تو ہر ایک کا مقصود ہے۔ لیکن منفعت کی تعین میں ہر ایک نے
ایک رائے قائم کر رکھی ہے۔ ایک شخص ساعی ہے کہ مجھکو مثلاً تحصیلداری یا تھانہ داری یا
ڈپٹی کلکٹری وغیرہا مثلاً علی حسب اختلاف المقاصد ملجاوے کہ اس میں میری عزت آبرو ہے
دوسرا ساعی ہے کہ مجھکو نہ ملے کہ غریبوں پر ظلم ہوگا۔ چنانچہ بعضوں پر زور دیا جاتا ہے کہ حکومت
قبول کرو اور وہ نہیں کرتے۔ ایک وہ لوگ ہیں جنھوں نے سلطنت کے لئے ہزاروں
جانیں ضائع کر دیں اور ایک وہ تھے کہ بھاگتے تھے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ کوئی اس کو
منفعت سمجھا اس کی تحصیل کے لئے سعی کی اور دوسرے نے اس کو مضرت خیال کیا
اس لئے اس کے دفع میں کوشش کی اور جس قدر اختلاف عالم میں ہیں سب کی وجہ
یہی ہے کہ ایک شخص ایک امر کو منفعت و مستحسن سمجھتا ہے اس کو اختیار کر لیتا ہے اس کی
تحصیل کے درپے ہوتا ہے۔ دوسرا اسی کو مضرت سمجھتا ہے اس لئے اس سے بچنے کی کوشش
کرتا ہے چنانچہ اختلاف مذاہب کی یہی وجہ ہے۔

کونسی منفعت قابل تحصیل ہے۔ اور کونسی مضرت قابل دفع ہے

اس وقت قابل غور یہ امر ہے کہ اس کا فیصلہ ہونا ضرور ہے کہ آیا کون منفعت واقع میں قابل
تحصیل کے ہے۔ کون مضرت قابل دفع کے ہے تو بعد تامل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ منفعت
وہ لائق تحصیل کے ہے جس میں دو صفتیں ہوں۔ ایک تو یہ کہ وہ منفعت زیادہ باقی رہنے والی

ہو۔ دوسرے یہ کہ خالص ہو مشوب بضرر نہ ہو دیکھ لیجئے اگر کوئی منفعت چار سال رہنے والی ہو اور دوسری آٹھ سال تو ہر عاقل دوسری ہی کو پسند کریگا۔ اور اسی کو اختیار کریگا۔ مثلاً دو مکان ہوں ایک بڑا عالی شان اور خوبصورت ہو اور دوسرا چھوٹا۔ اور بدصورت ہو اور دو مکان کسی شخص کے سامنے پیش کئے گئے لیکن یہ کہا گیا کہ بڑا مکان چار پانچ روز کے بعد خالی کرا لیا جاویگا اور چھوٹا کبھی خالی نہ کرایا جاویگا۔ تو ظاہر ہے کہ ہر عاقل اس چھوٹے ہی مکان کو پسند کریگا۔ اور اگر یہ کہدیا جاویگا کہ نسلاً بعد نسلاً تم کو دیدیا جاویگا تو ضرور ہی پسند کریگا معلوم ہوا کہ منفعت جس قدر باقی رہنے والی ہوگی اسی قدر زیادہ اعتبار کے قابل ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ مکان عالیشان باوجود اپنی خوبصورتی کے کسی ضرر پر مشتمل ہو مثلاً ہمسایہ اچھا نہ ہو یا اور کوئی مضرت کا احتمال ہو اور اس چھوٹے مکان میں یہ اندیشہ نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ چھوٹا ہی مکان پسند ہوگا۔ پس یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ منفعت وہ قابل تحصیل کے ہے جو مضرت سے خالی ہو۔ اسی طرح مضرت بھی وہ زیادہ قابل اہتمام کے ہوتی ہے جو زیادہ باقی رہنے والی ہو اور نیز من کل الوجوہ مضرت ہی ہو اور کوئی شائبہ اس میں منفعت کا نہ ہو دیکھو اگر اثناء سفر میں آدمی کسی مکان میں ایک دو شب کیلئے قیام کرتا ہے اور وہاں کوئی ناگوار امر پیش آتا ہے تو اس کے دفع میں زیادہ اہتمام اور فکر نہیں کرتا بخلاف اس کے کہ وطن اصلی میں کوئی امر پیش آجاوے تو اس کی دور کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہاں ہمیشہ رہنا ہے اور مثلاً اگر کہا جاوے کہ اگر تم چار دن کے لئے دھوپ میں سفر کر لو تو تم کو عمر بھر راحت ملیگی یا اگر چار ماہ راحت سے رہو گے تو عمر بھر جیلخانہ میں رہو گے تو ظاہر ہے کہ ہر عاقل اس چار روز کے سفر کی مشقت کو گوارا کر لے گا اور دوسری صورت کو پسند نہ کریگا۔ معلوم ہوا کہ مضرت باقیہ و خالصہ زیادہ فکر کے قابل ہے اور مضرت فانیہ زیادہ قابل التفات نہیں ہے۔ پس منفعت و مضرت دونوں کی دو قسمیں ہوئیں منفعۃ باقیہ خالصہ منفعۃ فانیہ غیر خالصہ۔ مضرت باقیہ خالصہ مضرت فانیہ غیر خالصہ۔ اس کے بعد معلوم کرنا چاہیئے کہ دنیا کی منفعۃ و مضرت تو ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ ہم کو اللہ و رسول نے ایک اور منفعت و مضرت کی بھی خبر دی ہے جو مرنے کے بعد واقع ہونے والی ہے۔

اب محل کے اعتبار سے منفعۃ و مضرت کی دو قسمیں اور نکلیں منفعۃ دنیویہ اور منفعت اخرویہ۔ مضرۃ دنیویہ۔ مضرۃ اخرویہ۔

نعمائے آخرت اور نعماء دنیا اور مضرت آخرت اور مضرت دنیا کا باہمی تفاوت

اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ چار قسمیں اخیر کی یعنی منفعت دنیویہ واخرویہ مضرت دنیویہ و اخرویہ پہلی اقسام کی کس قسم میں داخل ہیں یعنی غور کرنا چاہیے کہ منفعۃ دنیویہ آیا منفعۃ باقیہ خالصہ ہے یا فانیہ غیر خالصہ اسی طرح مضرت دنیویہ کو بھی دیکھنا چاہیے اور منفعۃ اخرویہ و مضرت اخرویہ کو بھی دیکھنا چاہیے یعنی یہ کہ کونسی منفعۃ اور مضرت کس قسم میں داخل ہے سو دیکھ لیجئے کہ دنیا کی منفعۃ تو فانیہ اور آخرۃ کی باقیہ ہے۔ اور آخرت کی مضرت باقی رہنے والی ہے اور دنیا کی مضرت فنا ہونیوالی ہے اسی طرح دوسرے اعتبار سے دیکھیئے کہ دنیا کی منفعۃ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی ہو مگر خالص نہیں۔ مثلاً کھانا ہی لے لیجئے اول تو حاصل کس کلفت سے ہوتا ہے کہ اول زمین کو درست کیا جاتا ہے اس کے لئے بیل و آلات زراعت مہیا کرنے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد بوتے ہیں پانی دیتے ہیں۔ حفاظت کرتے ہیں کاٹتے ہیں۔ گاہتے ہیں اڑاتے ہیں پیستے ہیں پکاتے ہیں اس قدر کلفتوں کے بعد جب اس سے عین انتفاع کا وقت ہوتا ہے کہ اس وقت بظاہر تمام کلفتیں ختم ہو جاتی ہیں اور التذاذ ہی کا وقت ہوتا ہے لیکن اس وقت بھی اکثر اوقات کوئی نہ کوئی کلفت پیش آجاتی ہے۔ کہ وہ کلفت التذاذ میں سدراہ ہو جاتی ہے مثلاً روٹی کا ٹکڑا گلے میں اٹک گیا کھانا کھانے بیٹھے کسی عزیز کے مرنے کی خبر آگئی یا اور فکر میں ڈالنے والی کوئی بات سن لی کہ سب کھانا پکا پکایا بے لطف ہو گیا یا یہ کہ وہ کھانا ہضم نہیں ہوا قبض ہو گیا۔ یا دست آنے لگے۔ سلاطین و امراء کے عیش سے زیادہ کسی کا عیش نہیں ہے۔ لیکن ان کو سب سے زیادہ پریشانیاں ہیں۔ اولاد کو دیکھ لیجئے کہ بڑی بڑی تمناؤں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ انواع انواع کی تکالیف اٹھا کر ان کو پرورش کرتے ہیں۔ پھر اکثر اولاد خلاف مزاج ہوتی ہے۔ والدین کو سیکڑوں طرح کی ان سے تکالیف پہنچتی ہیں۔ غرض دنیا کی جس منفعۃ کو دیکھو گے خالص نظر نہ آوے گی اور اپنے مقصد کے موافق نہ ہو گی حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں ام للانسان ما تمنیٰ فللہ الاخرۃ والاولیٰ۔ کیا انسان کے لئے جو جو تمنا

کرے وہ حاصل ہو جاتے ہے (یعنی نہیں) پس آخرت اور دنیا سب اللہ کے اختیار میں ہے لیکن اس پر کوئی شبہ نہ کرے کہ للہ الآخرۃ والاولیٰ سے تو یہ معلوم ہوا کہ جیسے دنیا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔

اسی طرح آخرۃ بھی نہیں ہے پھر فرق کیا ہوا بلکہ وہ ناقابل تحصیل ہوئی نہ یہ ہوئی تو جو اس تقریر سے تمہارا مقصود ہے کہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرۃ کی رغبت دلانا وہ حاصل نہ ہوا۔ جواب یہ ہے کہ دوسرے مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیہا ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا لہ جہنم یصلاھا مذموماً مدحوراً۔ ومن اراد الآخرۃ وسعیٰ لہا سعیہا وھو مومن فاؤلئک کان سعیہم مشکوراً۔ یعنی جو شخص صرف دنیا طلب کرے تو دنیا میں جو ہم چاہیں گے جس کو چاہیں گے وہ دینگے۔ پھر اس کے لئے ہم جہنم تجویز کرینگے۔ اس میں داخل ہوگا۔ اس حالت میں کہ مذموم و مردود ہوگا اور جو شخص آخرت چاہے گا اور اس کے لئے پوری سعی کرے اور وہ مومن بھی ہو پس ان لوگوں کی سعی کی قدر کیجاوے گی۔ دیکھئے دنیا کی نسبت تو یہ فرمایا کہ ہم جس کو چاہیں گے اور جتنی چاہیں گے دیں گے اور آخرۃ کی نسبت فرمایا کہ جو اس کے لئے سعی کریگا اس کی سعی کی قدر کیجاویگی یعنی اس کا بدلہ ملیگا۔ دونوں جگہ قضیہ شرطیہ ہے مگر دوسری جگہ کامیابی کا وعدہ ہے اور پہلی صورت میں نہیں ہے۔ پس حاصل یہ ہوا کہ اختیار میں تو خدا ہی کے ہے دنیا بھی آخرت بھی مگر آخرت کی سعی پر آخرت دینے کا وعدہ ہے اس لئے وہ قابل تحصیل ہوئی بخلاف دنیا کے بہرحال آیۃ ام للانسان ما تمنی الخ سے جو شبہ ہوا تھا وہ مرتفع ہو گیا۔ اب ہم لوگوں نے برعکس معاملہ اختیار کیا ہے کہ جس کا (یعنی دنیا) وعدہ نہیں ہے اور اس کو اپنی سعی پر رکھا ہے۔ اس کی طلب میں تو منہمک ہیں اور نیز اس کے اسباب تحصیل (نوکری۔ تجارت زراعت وغیرہا) کی نسبت تو ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ گویا ان کے نزدیک مسبب ان پر ضرور مرتب ہوگا۔ اور جس کا وعدہ ہے (یعنی آخرت) اس کے اسباب (صلوٰۃ۔ صوم۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہا من المامورات) کی طرف مطلق التفات نہیں ع ببیں تفاوت از کجاست تا کجا۔

خلاصہ یہ کہ دنیا کی ہر منفعت کے اندر کدورت لگی ہے۔ بخلاف آخرت کے منفعت کے کہ جس کو حق تعالیٰ اپنی رضامندی کے ساتھ جنت نصیب فرماوے۔ وہاں اس کو

کوئی آزار نہیں فرماتے ہیں۔ ولکم فیہا ما تشتہیہ الا نفس یعنی تمہارے لئے جنت میں وہ شے ملیگی جس کو تمہارا جی چاہے گا۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں لا یمسنا فیہا نصب و لا یمسنا فیہا لغوب یعنی ہم کو جنت میں نہ تعب لگیگا اور نہ اس میں تکان ہوگا۔

اہل جنت میں باوجود تفاوت درجات حسد نہ ہوگا

اگر کوئی کہے کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک کے پاس دنیا کا سامان مال اولاد مکان گھوڑے جوڑے وغیرہ بہت ہوتا ہے تو دوسرا دیکھکر اس کو حسد کرتا ہے اور حسد کی آگ سے جلتا ہے تو یہ مسلمہ ہے کہ جنت میں سب نعمتیں ہونگی لیکن اختلاف درجات کی وجہ سے شاید آپس میں حسد ہو تو یہ بھی ایک قسم کی تکلیف اور کدورت ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہاں پر حسد نہ ہوگا۔ ہر شخص اپنے حال اور نعمتوں میں بیحد خوش ہوگا۔ اور کوئی یہ شبہ نکرے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھیگا یا نہیں۔ اگر افضل جانیگا تو حسد ہوگا اور اگر نہ جانیگا تو جہل لازم آئیگا جواب یہ ہے کہ ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ وہ افضل کو اپنے سے افضل جانیگا لیکن وہ ان کے درجات کی تمنا نکریگا۔ اس لئے کہ اپنی استعداد اس کو معلوم ہوگی اور اپنے اعمال اس کو پیش نظر ہونگے اور تفاوت درجات وہاں تفاوت اعمال سے ہونگے اس لئے اس کو معلوم ہوگا کہ اس سے زیادہ درجہ مجھکو نہیں مل سکتا۔ اس لئے وہ اسی میں خوش ہوگا نہ کسی پر اسکو حسد ہوگا اور نہ زیادہ کا متمنی ہوگا۔ دوسرا جواب اس سے باریک ہے وہ یہ کہ وہاں سب عبد کامل ہوں گے تمام مقامات باطنی حاصل ہونگے اور مقامات میں سے رضا بھی ہے اس لئے مقام رضا بھی اس کو حاصل ہوگا اور وہ اسمیں اسقدر خوش ہوگا کہ درجات فاضلہ کی اس کے قلب میں تمنا نہ ہوگی۔ جیسا کہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض طبائع میں قناعت کا مضمون ایسا راسخ ہے کہ ان کے قلب میں ترقی دنیا نہ ہونا کیا معنی بلکہ اس سے نفرت ہے۔ ایک پولیس کے اہلکار دیکھے گئے کہ ان کے افسر کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ترقی کریں مگر وہ منظور نہیں کرتے۔ اور ان کے ہمچشم ان کو ہنستے ہیں۔ بات یہ ہے کہ طبائع کا مذاق مختلف ہے۔ جبکہ دنیا میں اس کا نمونہ موجود ہے آخرت میں تو کیا بعید ہے۔ ہاں ایک شبہ رہا وہ یہ کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ جنتی آپس میں ملینگے اور ایک جنتی

دوسرے کو دیکھکر تمنا کریگا کہ جیسا لباس اس کا ہے ایسا ہی میرا بھی ہو چنانچہ فوراً اسی طرح کا اس کا لباس ہو جائیگا اس سے معلوم ہوا کہ تمنا کریگا جواب یہ ہے کہ یہ تمنا صرف لباس کے بارے میں آئی ہے درجہ کے بارہ میں نہیں ہے اور لباس کے اندر مساواۃ ہونے سے درجہ کی مساواۃ یا فضیلت لازم نہیں۔ کما ہو الظاہر جداً بس جس میں فرق رہنا ضروری ہے یعنی درجہ اس کی تو تمنا نہ ہوگی اور جس کی تمنا ہوگی یعنی لباس اسی میں فرق ہونا ضروری نہیں بس حسد کی کوئی گنجائش نہیں۔

عود بجانب سرخی سابق یعنی نعمائے آخرت اور نعمائے دنیا اور مضرت آخرت اور مضرت دنیا کا باہمی تفاوت

حاصل یہ کہ جنت کی نعمتیں سب خالص ہونگی کدورت کا ان میں نام و نشان نہ ہوگا بخلاف نعمائے دنیا کے کہ ان سب میں کچھ نہ کچھ کدورت ضرور ہی ہوتی ہے۔ اب مضرت دنیوی کو دیکھئے کہ مضرت دنیویہ خواہ کیسی ہی اشد ہو لیکن فنا ہونیوالی ہے اگر کسی کو کوئی بیماری ہے اول تو دنیا ہی میں صحت ہو جاتی ہے ورنہ مرکر تو تمام مصائب کا خاتمہ ہو ہی جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی افلاس میں یا کسی اور طرح کے رنج و غم و فکر میں مبتلا ہوتا ہے سب ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مضرت دنیا کو بقا نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے اعتبار سے دیکھئے کہ مضرت دنیا خالص مضرت نہیں بلکہ تامل سے دیکھا جاوے تو اس میں سیکڑوں منفعتیں دنیا اور دین کی ہوتی ہیں۔ دنیا کی منفعت تو یہ کہ مثلاً ایک شخص کسی بیماری میں مبتلا رہتا ہے تو اگر یہ تندرست رہتا تو خدا جانے کیا کیا فساد کرتا اس کے سبب سے یہ بے آبرو ہوتا۔ جیلخانہ جاتا اور ظاہر ہے کہ عاقل کے لئے آبرو جان سے زیادہ عزیز ہے اور دین کی منفعت تو بہت ہی ظاہر ہے کہ بیماری ذنوب کو محو کرتی ہے۔ اور بہت سے منہیات سے روکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کی مضرت فنا ہونے والی بھی ہے اور من کل الوجوہ مضرت نہیں ہے بخلاف مضرت اخرویہ کے کہ وہ مضرت ہی مضرت ہے۔ تمام مضرتیں وہاں علی الکمال موجود ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ منفعت دنیویہ فانی بھی ہے قلیل بھی ہے اور مشوب بہ کلفت ہے اور اخروی منفعت

باقی بھی ہے کثیر بھی ہے اور خالص بھی ہے اسی طرح مضرت دنیا فانی ہے اور غیر خالص اور اخروی مضرت باقی بھی ہے اور خالص ہے۔

آخرت ہی کی منفعت قابل تحصیل ہے اور آخرت ہی کی مضرت قابل اجتناب ہے اور دنیا کی نہ منفعت قابل تحصیل ہے۔ نہ اس کی مضرت قابل اجتناب

اب روز روشن کی طرح فیصلہ ہو گیا اور آپ خود موازنہ کر سکتے ہیں کہ حاصل کرنے کے قابل کونسی منفعت ہوئی۔ ظاہر ہے کہ مسلمان (جو کہ اللہ و رسول کو سچا جانتا ہے) اس سوال کا یہی جواب دیگا کہ منفعت اخرویہ تحصیل کے قابل ہے۔ اسی طرح دنیا اور آخرت کی مضرتوں میں موازنہ کر لیجیئے کہ کون مضرت زیادہ بچنے کے قابل ہے ظاہر ہے کہ دنیا کی مضرت آخرت کی مضرت کے مقابلہ میں اصلاً قابل التفات نہیں۔ زیادہ اہتمام کے قابل آخرت کی مضرت ہے اس کے بعد یہ سمجھیئے کہ آخرۃ کی منفعت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور آخرت کے ضرر سے کس طریق سے بچ سکتے ہیں۔

آخرت کی منفعت حاصل ہونے اور آخرت کی مضرت سے بچنے کا طریقہ

تو سمجھ لیجیئے کہ آخرت کی منفعت جنت ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریق اعمال صالحہ ہیں اور آخرۃ کی مضرت دوزخ ہے اور اس سے بچنے کا طریق بداعمالیوں سے بچنا ہے خلاصہ یہ کہ اعمال صالحہ کو اختیار کیا جاوے اور ذنوب سے بچا جاوے اور جو ہو چکے ہیں ان سے توبہ کیجاوے خلاصہ یہ کہ مقصود دو شے ہیں اصلاح اعمال۔ محو ذنوب اور محو ذنوب کے معنی یہ ہیں کہ گذشتہ سے توبہ کیجاوے اور آئندہ سے بچنے کا عزم کیا جاوے۔

اعمال صالحہ لوگوں پر بہت گراں ہیں بالخصوص حج اور اسکے متعلق بعض اعتراض اور ان کے جواب

لیکن اعمال صالحہ کی تحصیل اور گناہ سے بچنا اول تو اکثر لوگوں پر ہمیشہ ہی سے گراں اور

ثقیل ہے۔ پھر خصوصاً اس زمانہ میں تو اعمال صالحہ لوگوں پر بہت ہی بھاری ہیں چنانچہ بڑی ضروری اعمال صلوٰۃ۔ صوم حج۔ زکوٰۃ ہیں۔ لیکن دیکھا جاتا ہے کہ سب کے اندر بیحد سستی کیجاتی ہے۔ بلکہ مصیبت سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اخبار میں شایع ہوا تھا کہ نماز نے ترقی کو روک دیا ہے۔ کیونکہ یہ سنکر کہ مسلمان ہو کر پانچ وقت نماز پڑھنی پڑیگی۔ اسلام سے بعضے آدمی رک جاتے ہیں اس لئے کہ اس کو اسلام سے خارج کر دیا جاوے۔ نعوذ باللہ ان احمقوں سے کوئی پوچھے کہ جس اسلام میں نماز نہیں وہ کیا اسلام ہوا اس بیہودہ رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عقل پرستوں پر نماز بہت ہی بھاری ہے۔

حکایت۔ ہمارے مدرسہ دیوبند میں ایک طالب علم نو وارد آئے تھے منطقیوں کی صحبت میں بہت رہے تھے۔ دین کی مطلق پروانہ تھی۔ نماز کی پابندی نہ تھی۔ اور یہاں دیوبند میں نماز کا بڑا اہتمام ہے۔ پانچ وقت سب طلبہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو جب نماز کا وقت آتا ان کو بھی زبردستی لیجاتے۔ ایک روز کہنے لگے کہ حضور معراج میں تشریف لیگئے تھے۔ وہاں پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ پھر کم ہوتے ہوتے پانچ رہی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دیوبند میں پوری پچاس کی پچاس ہی باقی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ نماز ان کو سخت مصیبت معلوم ہوتی تھی حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں۔ انہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین۔ یعنی بیشک نماز بہت بھاری ہے مگر ان لوگوں پر جو خشوع کرنے والے ہیں۔ اسی واسطے میں تو نمازی کو ولی سمجھتا ہوں۔ حق تعالیٰ کا فضل ہی ہے کہ نماز پابندی کے ساتھ ادا ہوتی ہے۔

علیٰ ہذا روزہ کو بہت ثقیل سمجھتے ہیں۔ کانپور میں ایک شخص تھے انھوں نے کبھی روزہ ہی نہیں رکھا۔ میں نے ان سے کہا تو کہنے لگے کہ میں کسی طرح متحمل ہی نہیں۔ میں نے کہا کہ امتحان کے لئے ایک تو رکھو۔ چنانچہ رکھا اور پورا ہو گیا۔ تب معلوم ہوا کہ یہ خیال کتنا غلط تھا کہ میں متحمل ہی نہیں۔

بعضے لوگ حج کا نام سنکر وہاں کی بہت مذمت کرتے ہیں کہ وہاں بدو مار ڈالتے ہیں لوٹ لیتے ہیں اور بعضے تو گئے بھی نہیں مگر اوروں سے سن سنکر وہ بھی مذمت کیا کرتے ہیں۔ یہ سب کم ہمتی کی باتیں ہیں۔ میں ان کو قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان میں ایسے واقعات نہیں ہوتے بلکہ اگر وہاں کے مجمع پر نظر کیجائے تو حق تو یہ ہے کہ جسقدر

واقعات ہونا چاہئے ان سے بہت کم ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں اگر اس کا عشر عشیر بھی مجمع ہوجائے تو بہتیرے واقعات ہوجاتے ہیں۔ بلکہ بغیر مجمع کے بھی راستوں میں واقعات ہوجاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے جیسا بعض کہتے ہیں کہ بدؤں کو لوٹ مار حلال ہے اس لئے کہ وہ دائی حلیمہ سعدیہ کی اولاد ہیں۔ یہ تو بالکل لغو ہے۔ وہ اگر ایسا کرتے ہیں زیادہ گنہگار ہوتے ہیں لیکن یہ ضرور کہیں گے اور تم اس کو یاد رکھو کہ حج کا سفر سفر عشق ہے راہ عشق میں تو سب کچھ پیش آتا ہے بلکہ پیش نہ آنا عجیب ہے۔ دنیا کے محبوب سے ملنے کے لئے کیسی کیسی مصیبتیں پیش آتی ہیں مگر سب گوارا کرتے ہیں ؎

نسازد عشق را کنج سلامت　　　خوشا رسوائی کوئی ملامت

؎ عشق مولیٰ کے کم از لیلےٰ بود　　　کوئی گشتن بہر او اولیٰ بود

حکایت - ایک بزرگ ایسے باہمت تھے کہ انہوں نے ۳۲ حج کئے تھے ایک شخص مولوی منظور احمد صاحب بنگالی تھے۔ مدینہ طیبہ میں رہتے تھے مگر ہر سال حج کیا کرتے تھے اور حج کرکے مدینہ طیبہ لوٹ جاتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دیکھ کر ایک بار یہ شعر پڑھا ؎

زہے سعادت آں بندہ کہ کرد نزول　　　گہے بہ بیت خدا و گہے بہ بیت رسول

اور بعضے ایسے بھی ہیں کہ قریب بیت اللہ شریف کے رہتے ہیں اور ان کو اب تک بھی حاضری نصیب نہیں ہوئی ایک صاحب فرماتے تھے کہ ایک بدوی بیس پچیس برس سے مکہ معظمہ آتا تھا اس نے ایک دن پوچھا کہ یہ لوگ اطراف و جوانب سے اس کثرت سے یہاں کیوں آتے ہیں۔ اللہ اکبر اس کو اتنی بھی خبر نہیں کہ یہاں کیوں آتے ہیں۔

علیٰ ہذا زکوٰۃ میں گرانی ہوتی ہے۔ چالیس ہزار میں سے جب ایک ہزار روپیہ نکلتا ہے تو گراں گزرتا ہے۔ حالانکہ چالیسواں حصہ بہت ہی کم ہے۔ امم سابقہ پر چوتھائی حصہ مال کا فرض تھا یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ چالیسواں حصہ ہی فرض کیا گیا۔ یہ بھی لوگوں پر بھاری ہے حاصل یہ کہ جسقدر احکام شرعیہ ہیں سب کے اندر لوگوں کو گرانی ہوتی ہے اور جو احکام کرنے کے ہیں ان میں گرانی ہو تو زیادہ تعجب نہیں ہے۔ جن امور سے منع کیا گیا ہے ان میں بھی گرانی ہوتی ہے۔ حالانکہ ترک فعل سے اسہل ہے۔ فعل میں تو ایک کام کا کرنا ہوتا ہے اور ترک میں کیا مشقت ہے بلکہ سہولت ہونا چاہیئے۔ دیکھئے ایک ادنیٰ سی

شے غیبت ہے کہ بجز مضرت کے اسمیں اور کچھ نہیں اور گناہوں میں تو کچھ حظ یا نفع دنیوی بھی مرتکب کے زعم میں ہوتا ہے اور اسمیں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن ہم لوگوں سے یہ نہیں چھوٹتی غرض کہ احکام شرعیہ خواہ متعلق فعل کے ہوں یا ترک کے سب میں لوگوں کو گرانی ہوتی ہے اور جب ایک ایک فعل اور ایک ایک ترک بھی گراں ہے تو جبکہ پچاس عمل کرنے کے ہوں اور پچاس نہ کرنے کے جیسے احکام کی اب موجودہ حالت ہے تو سو مشقتیں ہوئیں سنکر جی گھبرا جاویگا کہ میاں یہ تو بڑی مصیبت آپڑی کہ یہ کام کرو وہ نہ کرو۔ سخت الجھن اور دشواری ہے۔ کوئی میاں فلسفی بتلائے تو سہی کہ یہ معما کس طرح حل ہو اور یہ دشوار کس طرح سہل ہو۔ اگر تمام فلاسفہ قدیم وجدید جمع ہو کر سوچیں تو ہرگز کوئی طریقہ ایسا نہیں نکال سکتے جس سے یہ پیچیدگی اور یہ گلجھڑی کھلے۔ اور اگر کوئی سونچ بچار کر کوئی طریقہ نکالے بھی تو وہ سہل نہ ہوگا۔

زبان کی درستی اور خدا تعالیٰ کے خوف پیدا کر لینے سے پھر کوئی گرانی اعمال صالحہ میں نہیں رہتی

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کی اس مشقت اور اس الجھن کو دفع کرنے کے لئے ایک طریقہ نہایت مختصر لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے یایها الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیدًا یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما۔ اس آیۃ کریمہ میں اسی طریقہ کا بیان ہے یہ حاصل ہے اس تقریر کا اجمالاً اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اول ثابت ہو چکا ہے کہ دو شے مقصود ہیں اعمال صالحہ کا حاصل کرنا اور محو ذنوب اور ان میں بھی گرانی اس کی سہولت کے لئے دو طریق ارشاد فرمائے ہیں۔ کہ ان کو اختیار کر لو تو وہ دو چیزیں ہیں جو بڑی مشقت کی تھیں وہ آسان ہو جاوینگی۔ ان میں سے ایک اتقوا اللہ ہے اور دوسرے قولوا قولاً سدیدا ہے یعنی اللہ سے ڈرو اور بات ٹھیک کہو اس پر دو شے مرتب فرمائی ہیں یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم۔ یعنی اگر تم ان دو باتوں کو اختیار کر لوگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمادیں گے۔ اور تمہارے گناہ بخشدینگے اور ان ہی میں تم کو گرانی تھی جس کا اوپر بیان ہوا۔ حاصل یہ کہ تقویٰ جس کا ترجمہ خدا کا خوف

ہے. فعل قلب کا ہے اور کہنا فعل زبان کا ہے. خلاصہ طریق کا یہ ہوا کہ دل اور زبان کو تم درست کر لو باقی سب کام ہم کر دینگے. قلب ایک شے ہے اس کے متعلق صرف ایک شے بتلائی ہے کچھ جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ ایک نہایت مختصر کام فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا کر لو جیسے کسی شخص سے کہا جاوے کہ یہ پچاس گاڑیاں ہیں۔ ان کو ایک دم سے چلاؤ اور وہ سخت پریشان ہو۔ کہیں کس طرح چلاؤں یہ تو سخت مشکل ہے۔ پھر اس کو ایک طریق بتلایا جاوے کہ اسی میں انجن لگادو سب گاڑیاں خود بخود چل پڑینگی۔ واللہ ایسی بے نظیر تعلیم ہے کہ کوئی حکیم کوئی فلسفی کوئی عاقل مثل نہیں لاسکتا۔ اور کیوں نہ ہو یہ ایک مطب ہے ایسی ذات پاک کا جو انسان کے رگ پٹھوں کے ریشہ ریشہ سے واقف ہے۔ اس لئے اس کی حالت کو دیکھکر علاج تجویز کیا ہے۔

زبان کی درستی اور خدا تعالیٰ کے خوف کو اصلاح اعمال اور محو ذنوب میں کیا دخل ہے

اب دیکھنا چاہیے کہ ان دونوں چیزوں کو اصلاح اعمال اور محو ذنوب میں دخل ہے یا نہیں تو بعد تامل یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے افعال کی ترتیب یوں ہے کہ اول قلب سے ارادہ پیدا ہوتا ہے اس کے بعد صدور ہوتا ہے۔ گویا انجن قلب ہے تو اگر قلب درست ہو گیا تو سب کچھ درست ہو جائیگا بلکہ اگر غور سے دیکھا جاوے تو یہ دنیا کا سارا جہاز اور تمام بکھیڑے سب کے سب قلب ہی کے خیال پر چل رہے ہیں۔ یہ پہاڑ کی برابر عمارتیں یہ ہرے بھرے باغ یہ طرح طرح کے سامان سب کا انجن خیال ہی ہے۔ اسی واسطے تو حدیث میں آیا ہے کہ ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ یعنی آدمی کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور یہ مسئلہ طبی قاعدہ سے بھی درست ہے اس لئے کہ امراض قلب تمام امراض میں بہت سخت ہیں۔ اگر قلب صحیح اور قوی ہے تو اور امراض کو طبیعت خود دفع کر دیتی ہے۔ اور اگر قلب میں ضعف اور مرض ہو تو اور جسد کتنا ہی قوی ہو سب بیکار ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ قلب

کی درستی سے تمام اعمال کی درستی ہوتی ہے تو قلب کی درستی کس شے سے ہو؟ تو ہم دیکھتے ہیں کہ قلب کے بھی بہت سے افعال ہیں تو اگر حق تعالیٰ تمام افعال کا حکم فرمادیتے یا اجمالاً یہ فرمادیتے کہ اپنے قلب کو درست کرو تو اس صورت میں بھی نفس کو ایک مشقت ہوتی کہ قلب کو کس طرح درست کریں کیا رحمت ہے کہ قلب کے تمام افعال میں صرف ایک مختصر سی بات فرمائی کہ صرف ہمارا خوف اختیار کرلو باقی سب ہم درست کردینگے اور وجہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حاکم کا اگر ڈر دل میں بیٹھ جاتا ہے تو اس کی مخالفت پر جرات نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر خدا تعالےٰ کا خوف کسی کے دل پر بیٹھ جائے تو اس سے گناہ نہ ہونگے اور اعمال کی اصلاح ہوجاویگی اور گذشتہ سے توبہ اور آیندہ کے لئے عزم ترک بھی کریگا۔ یہ محو ذنوب ہوا پس معلوم ہوگیا کہ تقویٰ کو اصلاح اعمال اور محو ذنوب میں پورا دخل ہے۔ اور تقویٰ اصلاح اعمال کے لئے بمنزلہ علت تامہ کے ہے۔

خوف سے روکنے والی چیزوں کا بیان اور خدا تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کا مطلب

اب اس کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ ہر شے کے لئے کچھ موانع ہوتے ہیں اور کچھ ذرائع اس کی تحصیل کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح خوف کے لئے موانع بھی ہیں اور ذرائع اس کی تحصیل کے بھی موانع کو بیان کیا جاتا ہے اور طریقہ تحصیل آخر میں بیان کیا جاویگا تو سمجھنا چاہیئے کہ خوف سے روکنے والی صرف دو چیز ہیں۔ اول تو عدم ایمان دوسرے تسویل شیطانی۔ عدم ایمان تو ظاہر ہے کہ بفضلہ تعالیٰ یہاں نہیں ہے۔ اس لئے اس کے متعلق تو کچھ کلام کرنا ضروری نہیں البتہ تسویل شیطانی میں ابتلائے عام ہو رہا ہے۔ اس کو بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان نے سب کو یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ میاں جو کچھ کرنا ہے کرلو۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے اخیر میں توبہ کرلینگے۔ سب بخشدینگے چنانچہ ارشاد بھی ہے قل یا عبادی الذین اسرفوا علےٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ الی انہ ھو الغفور الرحیم۔ تو سن لیجئے کہ حق تعالیٰ بیشک غفور الرحیم ہے لیکن غفور الرحیم کے وہ معنی نہیں ہیں جو یہ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ غفور رحیم کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ نافرمانیاں کرچکے ہیں اور نادم ہیں لیکن ان کو یہ تردد ہوتا ہے

کہ آیندہ کے لئے تو خیر یہ تدبیر ہے کہ گناہ نہ کریں لیکن گذشتہ کرتوت کی اصلاح کیسے ہو تو ان کے لئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گذشتہ گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ چنانچہ شان نزول میں اسی خیال کے جواب میں نازل ہونا اس آیت کا مصرحاً مذکور ہے۔ پس یہ آیت گناہان ماضی کے لئے ہے نہ یہ کہ آیندہ کے لئے بھی گناہ کی اجازت دے رہے ہیں۔ اب لوگ مستقبل کے لئے بھی اسی آیت کو اپنا متمسک بناتے ہیں یہ سراسر غلطی ہے۔

توبہ اور گناہوں کی مثال

یاد رکھو کہ توبہ کی مثال مرہم کی سی ہے اور گناہ کی مثال آگ کی سی ہے مرہم تو اس لئے ہے کہ اتفاق سے اگر جل جاوے تو مرہم لگا دیا جاوے۔ اس لئے نہیں ہے کہ اس اعتماد پر کہ ہمارے پاس مرہم ہے آگ میں گھسا کریں۔ جس شخص کے پاس نمک سلیمانی ہو اس کو یہ کب روا ہے کہ جان جان بہت سا کھایا کرے۔ نمک سلیمانی تو اس واسطے ہے کہ اگر اتفاق سے بہت کھا جاوے تو نمک سلیمانی کھا لیا جاوے۔ اس سے ہضم ہو جاویگا۔ اور جو ایسا کریگا تو ایک روز جان سے ہاتھ دھوئیگا اسی طرح جو شخص توبہ کے اعتماد پر گناہ کرتا ہے گا ایک دن عجب نہیں وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ غرضکہ توبہ کے بھروسہ گناہ کرنا بہت حماقت ہے۔

بہ نسبت اور اعضاء کے زبان کی درستی زیادہ ضروری ہے اور اسکی درستی سے تمام اعضا کی درستی ہو جاتی ہے

اس تمام تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ طریقہ اصلاح اعمال و محو ذنوب کا فقط اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کر لو تو اسی سے تمام اعمال درست ہو جاوینگے۔ اور زبان کی درستی بھی اگرچہ اس میں داخل ہے مگر پھر زبان کی درستی کو استقلالاً طریقہ کا جزو کیوں بنایا گیا اس میں کیا راز ہے۔ پس بجائے اتقوا اللہ و قولوا قولاً سدیدا کے یوں فرماتے یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ یسدد لکم لسانکم ویصلح لکم الخ یوں نہیں فرمایا بلکہ و قولوا قولاً سدیدا کا اتقوا اللہ پر عطف کیا۔ اور اس کو مستقل طریقہ قرار دیا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اعمال بہت سے ہیں۔ ایک وہ جو ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہا سے ہوتے ہیں ایک وہ جو زبان سے

ہوتے ہیں اور ان دونوں قسموں میں کئی قسم کا تفاوت ہے۔ ایک یہ کہ سوائے لسان کے اور سب جوارح عمل کرنے سے تھک جاتے ہیں پاؤں تھک جاتے ہیں کثرت چلنے سے ہاتھ تھک جاتا ہے ان اعمال سے جو ہاتھ سے کئے جاتے ہیں۔ آنکھ تھک جاتی ہے زیادہ دیکھنے سے مگر یہ لسان بولنے سے نہیں تھکتی۔ اگر لاکھ برس تک بک بک کرو تو ہرگز نہ تھکیگی یہ بات دوسری ہے کہ کثرت بولنے سے دل کے اندر بے رونقی سی پیدا ہو کر بولنے سے نفرت ہو جاوے۔ لیکن زبان کو فی نفسہٖ کوئی تکان نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لسانی اعمال سب جوارح کے اعمال سے عدد میں زیادہ ہونگے۔ پس گناہ بھی اس سے زیادہ ہونگے۔ ایک تو یہ تفاوت ہوا۔ دوسرے یہ کہ زبان مثل برزخ کے ہے۔ درمیان قلب و جوارح کے قلب سے بھی اس کو مشابہت ہے اور جوارح سے بھی۔ اور مشابہت خلقی بھی ہے اور باطنی بھی خلقی یہ کہ قلب بالکل مخفی و مستور ہے اور جوارح بالکل ظاہر اور زبان مستور من وجہ و مکشوف من وجہ ہے چنانچہ شارع نے بھی اس کا اعتبار کیا ہے کہ صائم اگر منہ میں کوئی چیز لیکر بیٹھ جائے روزہ نہیں ٹوٹتا اس میں اس کے مکشوف ہونے کا اعتبار کیا گویا جوف میں وہ چیز نہیں گئی اور اگر تھوک نگلے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس میں مستور ہونیکا اعتبار کیا گویا جوف سے جوف میں ایک چیز چلی گئی اور غسل میں کلی کرنا فرض ہوا یہ مکشوف ہونیکا اعتبار فرمایا اور باطنی مشابہت یہ ہے کہ جیسے قلب کی اصلاح سے تمام بدن کی اصلاح ہوتی ہے اسی طرح زبان کی اصلاح سے تمام اعمال جوارح کی اصلاح ہو جاتی ہے جو شخص ساکت ہو کہ بیٹھ جائے اس کے ہاتھ سے ظلم نہ ہوگا۔ نہ زیادتی ہوگی نہ کسی سے لڑائی ہوگی نہ تکرار ہوگا اس لئے کہ زبان چلانے ہی سے نوبت ہاتھ پاؤں تک پہونچتی ہے۔ ان سب سے حدیث کی بھی تنویر ہو گئی اذا اصبح ابن ادم فان الاعضاء کلھا تکفر اللسان فتقول اتق اللہ فینا فانا نحن بک فان استقمت استقمنا وان اعوججت اعوججنا۔ یعنی جس وقت ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضا زبان کو قسم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (اے زبان) ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں۔ پس اگر تو راست ہوگی تو ہم سب راست رہینگے۔ اور اگر تو کج ہوگی تو ہم سب کج ہو جاوینگے۔

تیسرا تفاوت دیگر جوارح اور لسان میں یہ ہے کہ زبان قلب کی معبر ہے زبان سے جو کچھ کہا جاتا ہے اس سے پوری حالت قلب کی معلوم ہو جاتی ہے اور اگر ساکت رہے

تو کچھ حال معلوم نہ ہوگا۔ کہ یہ شخص کیسا ہے۔ زبان ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص متواضع ہے یا متکبر ہے۔ قانع ہے یا حریص۔ عاقل ہے یا احمق۔ دشمن ہے یا دوست۔ خیر خواہ ہے یا بدخواہ۔ بخلاف ہاتھ پاؤں کے سب میں شبہ ہوسکتا ہے ایک ہی طرح کا فعل ہاتھ پاؤں سے دوست دشمن سے صادر ہوسکتا ہے۔ مثلاً قتل واقع ہوا تو اس سے یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ یہ قاتل دشمن ہی تھا ممکن ہے دوست ہو اور وہ کسی اور کو قتل کرنا چاہتا ہو اور ہاتھ چوک گیا ہو۔ چنانچہ ایک جگہ کا واقعہ ہے کہ ایک بھائی نے بندوق چلائی دوسرے بھائی کی آنکھ میں ایک چھرہ لگا۔ اسی طرح سے مار پیٹ کبھی عداوت سے ہوتی ہے کبھی تادیب کے لئے ہوتی ہے غرض ایک شق متعین کرنے کے لئے خارجی قرائن کی ضرورت ہوتی ہے بخلاف لسان کے کہ یہ پوری نائب ہے قلب کی چوتھا تفاوت یہ ہے کہ تعلقات دو قسم کے ہیں ایک اپنے نفس کے ساتھ دوسرے غیروں کے ساتھ۔ غیروں کے ساتھ جو تعلق اخوت محبت عداوت کا ہوگا وہ بدولت زبان کے ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ میں ہم کو دوسروں کی امداد کی ضرورت ہے۔ بغیر دوسروں کی امداد کے ہم رکعت تک نہیں پڑھ سکتے۔ اس لئے کہ نماز کا طریقہ ہم کو کسی نے بتلایا ہوگا اس لئے ہم نماز پڑھتے ہیں۔ قرآن شریف کسی نے پڑھایا اس لئے ہم پڑھتے ہیں۔ روزہ کی فرضیت اور اس کی تاکید اور اس کی ماہیت کسی نے بتائی اس لئے روزہ رکھتے ہیں۔ علیٰ ہذا تمام اعمال صالحہ ان بتلانے سکھلانے والوں نے بلا تعلق تو بتلایا نہیں اور وہ تعلق پیدا ہوا ہے لسان سے اور نیز تعلیم بھی ہم کو بذریعہ لسان کی گئی تو اس اعتبار سے لسان کو تمام اعمال صالحہ میں دخل ہوا گویا یہ تمام اعمال صالحہ بدولت اس لسان ہی کی ہم سے صادر ہوتے ہیں۔ جبکہ دیگر جوارح اور لسان میں اس قدر تفاوت ہوئے اور لسان کو اعمال صالحہ کے وجود میں ایک دخل عظیم ہوا اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے اس کو مستقل جزو طریقہ اصلاح کا بنا دیا۔ اگرچہ تقویٰ سے جو درستی ہوگی درستی لسان بھی اس کا فرد عظیم ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ذمہ دو کام ہوئے ایک خدا کا خوف دوسرے زبان کی اصلاح ان دونوں کے جمع ہونے سے آئندہ کے لئے اعمال کی اصلاح ہوگی اور گذشتہ گناہ محو ہو جائیں گے۔

اصلاح اعمال میں ہمکو اپنے اوپر نظر نہ ہونا چاہئے

اور یصلح کی نسبت جو اپنی طرف فرمائی حالانکہ بظاہر اصلاح اعمال کام عبد کا ہے تو وجہ اس کی

یہ اشارہ ہے کہ ہم کو اپنے اوپر نظر نہ ہونا چاہیئے ۔ اور یہ نہ سمجھیں کہ جو کام ہم نے کیا ہے اسلئے فرماتے ہیں کہ نازمت کرو جو کچھ کرتے ہیں ہم کرتے ہیں اور خیر اگر ہمارے اختیار میں بھی ہے تو یہ ہے کہ مثلاً ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن پوری درستی جو مفہوم ہے یصلح کا یعنی یہ کہ جیسے چاہیئے اس طرح کی نماز پڑھنا اور قلب کا اسمیں حاضر ہوجانا یہ سب خدا کی طرف سے ہے اور اس نسبت میں ایک اور لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ گویا فرماتے ہیں کہ یہ اعمال تو تم نے کرلئے لیکن ہم اس کی اصلاح کر کے فرشتوں کے معرفت پیش کرادینگے جیسے بچہ سے کہا کرتے ہیں کہ یہ شے اٹھالاؤ اور وہ اٹھا نہیں سکتا تو خود اٹھاتے ہیں اور اس کا ہاتھ بھی لگوا لیتے ہیں اور اٹھانے کی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں اور اس پر انعام دیتے ہیں ایسی ہی ہمارا نماز روزہ ہے کہ خود توفیق دیتے ہیں خود رکھاتے ہیں اور خود ہی انعام عطا فرماتے ہیں اللہ اکبر کس قدر رحمت ہے اور دوسری شے جو اتقوا اللہ الخ پر مرتب فرمائی وہ یغفر لکم ذنوبکم ہے۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجائے یغفر لکم ذنوبکم کے یجنبکم ذنوبکم فرماتے یعنی تم کو گناہوں سے بچالیں گے۔ یہ نہیں فرمایا اس لئے کہ گناہوں سے بچانا تو یصلح لکم میں آچکا ہے ذنوب ماضیہ باقی تھی ان کی نسبت فرمایا کہ ان کی بھی فکر نہ کرو ان کو بھی اللہ تعالیٰ محو فرمادینگے۔

تحصیل خوف کا نہایت عمدہ طریقہ

اب میں آپ کو خوف (کہ جس سے تمام اعمال درست ہوجاتے ہیں) اس کے حاصل ہونیکا طریقہ بتلاتا ہوں اور وہ طریقہ گویا ایک گر ہے اور وہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ وہ بھی حق تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے وہ یہ ہے ولتنظر نفس ما قدمت لغد یعنی فکر آخرت کیا کرو اور فکر آخرت کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کرلو مثلاً سوتے وقت روزمرہ بلاناغہ بیٹھکر سوچا کرو کہ معاد کیا ہے اور مرکر ہم کو کیا پیش آنے والا ہے مرنے سے لیکر جنت میں داخل ہونے تک جو واقعات ہونے والے ہیں سب کو سوچا کرو۔ کہ ایک دن وہ آئیگا کہ میرا اس دار فانی سے کوچ ہوگا سب سامان مال و اسباب باغ نوکر چاکر اولاد بیٹا بیٹی ماں باپ بھائی خویش اقارب دوست دشمن سب یہیں رہ جاوینگے۔ میں تن تنہا سب کو چھوڑ کر قبر کے گڑھے میں جالیٹونگا اور وہاں دو فرشتے آوینگے اگر میرے دن بھلے ہیں تو اچھی صورت میں ورنہ خدانخواستہ ڈراونی صورت میں نہایت ہولناک آواز سے آکر سوالات کرینگے۔ پس اے نفس اسوقت

کوئی تیرا مددگار نہ ہوگا۔ تیرے اعمال ہی وہاں کام آدینگے۔ اگر سوالات کے جواب درست ہونگے تو سبحان اللہ جنت کی طرف کھڑکی کھل جاویگی اور اگر خدانخواستہ امتحان میں ناکام رہا تو قبر حفرۃ من النار ہوگی اس کے بعد تو قبر سے اٹھایا جاویگا۔ اور نامہ اعمال اڑائے جاوینگے حساب کتاب کے لئے پیش کیا جاویگا پل صراط پر چلنا ہوگا۔ اے نفس تو کس دھوکے میں ہے اور ان سب واقعات پر تیرا ایمان ہے اور یقیناً جانتا ہے کہ یہ ہوکر رہیں گے پھر کیوں غفلت ہے اور کس وجہ سے گناہوں کے اندر دلیری ہے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اے نفس تو ہی اپنا غمخوار بن اگر تو اپنی غمخواری نہ کریگا تو تجھ سے زیادہ کون تیرا خیر خواہ ہوگا اسی طرح گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ روزانہ ان واقعات کو تفصیل سے سوچا کرے میں دعوی سے کہتا ہوں کہ انشاء اللہ چندہی روز کے بعد دیکھو گے کہ خوف پیدا ہوگیا۔ اور خوف پیدا ہونے کے بعد آپ کو ماضی سے توبہ کی فکر ہوگی اور آیندہ کے لئے اطاعت کی توفیق ہوگی۔ اس وقت آپ کو مشاہدہ ہوگا اتقوا اللہ پر کیسے اصلاح اعمال ومحو ذنوب مرتب ہوگئے۔

اطاعت کاملہ کا محبّت پر موقوف ہونا اور محبّت کے پیدا کرنے کا طریقہ

ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزًا عظیما یعنی جو شخص اللہ ورسول کی اطاعت کرے وہ بیشک بڑی کامیابی کو پہنچا یطع میں اشارہ ہے کہ جو شخص خوشی سے کہنا مانے اس لئے کہ یہ طوع سے مشتق ہے اور خوشی سے کہنا ماننا بدون محبت اللہ ورسول کے نہیں ہوتا اور اللہ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ اللہ تعالی کی نعمتوں کا یاد کرنا ہے اسکے لئے بھی ایک وقت مقرر کرکے سوچا کرو کہ ہم پر اللہ تعالی کی کسقدر نعمتیں ہیں چند روز کے بعد آپکو مشاہدہ ہوگا کہ ہم سراسر عنایت اور نعمتوں میں غرق ہیں۔ اس سے آپ کے قلب میں حق تعالی کی محبت اور اپنی ناکارگی اور تقصیر جاگزیں ہوگی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کہ یطع کا تعلق آپ سے بھی ہے آپ کے ساتھ محبت کا طریقہ بھی یہی ہے کہ حضور نے جو ہمارے لئے مشقتیں اٹھائیں اور اپنی امت پر شفقت فرمائی اس کو سوچا کرو جب محبت پیدا ہوگی اطاعت خوشی سے ہوگی۔ ادھر محبت ہوگی اور پہلے جو طریقہ بیان کیا اس

سے خوف ہوگا یہ دونوں شے آپ کے دین دنیا دونوں درست کر دیں گے اور بڑی کامیابی سے مراد یہی ہے۔

عالم غیب کی وسعت اور اس کے کشف سے اس کا اشتیاق اور عدم کشف کا موجب نقصان نہ ہونا

عالم غیب میں اس قدر وسعت ہے کہ یہ عالم دنیا اس سے وہ نسبت رکھتا ہے جو سوئی پر لگا ہوا ایک قطرہ سمندر سے نسبت رکھتا ہے یعنی یہ عالم دنیا اس کے سامنے مثل ایک قطرہ کے ہے اور وہ اس کے اعتبار سے مثل سمندر کے ہے اہل کشف نے لکھا ہے کہ دونوں عالموں میں وہی نسبت ہے جو کہ رحم مادر اور عالم دنیا میں ہے۔ بچہ اول رحم مادر میں رہتا ہے اور اس کے لئے وہ ایک عالم ہوتا ہے اور اس سے اسقدر مانوس ہوتا ہے اگر شاید وہاں سے اس کی رائے لیکر عالم دنیا میں لایا جائے تو وہ کبھی گوارا نہ کرے اور مچل جاوے لیکن اگر اس کو کسی طرح وہاں سے نکال لیا جائے جیسا کہ اسی طرح لایا جاتا ہے اور عالم دنیا میں وہ یہاں کی رونق چہل پہل یہاں کی آبادی اور معمورۂ دنیا کو دیکھے تو عالم رحم اس کو بالکل ہیچ اور عدم معلوم ہونے لگے۔ اسی طرح اہل دنیا جو کہ اس عالم میں محبوس اور اسیر ہیں جنھوں نے آنکھ کھولنے کے وقت سے آنکھ بند کرنے تک اس کے سوا اور کسی عالم کو دیکھا ہی نہیں۔ جب ان سے اس عالم کو چھوڑ دینے اور دوسرے عالم میں چلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ سخت پریشان ہوتے ہیں۔ ان کا دل مضطرب ہوتا ہے اور وہ کسی طرح اس عالم کی جدائی کو گوارہ نہیں کرتے۔ ہاں وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے عیناً یا ذوقاً علم مکاشفہ دیا ہے اور وہ اس عالم کو مشاہدہ کر چکے ہیں اور ان کو اس کی جدائی کا نہ قلق ہوتا ہے نہ وہ اس سے گھبراتے ہیں بلکہ وہ اس عالم سے انتقال کے متمنی اور آرزو مند رہتے ہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ پہلے لوگوں کے مقابلہ میں یہ لوگ زیادہ مقبول اور صاحب کمال ہیں۔ اس واسطے کہ ان کی فضیلت یا تو اشتیاق کی وجہ سے ہو سکتی ہے یا کشف کی وجہ سے۔ سو اشتیاق کی وجہ سے تو اس لئے یہ صاحب فضیلت نہیں کہ جب عالم غیب اور اس کے نعم ولذائذ کو دیکھ چکے ہیں پھر اس کی طرف رغبت کرنا اور اس کا مشتاق ہونا کیا کمال کی بات ہے خوشنما باغیچہ

کو جو شخص بھی دیکھے گا سیر کا متمنی ہوگا۔ اور کشف کی وجہ سے اسلئے صاحب فضیلت نہیں کہ کشف دلیل بزرگی اور مقبولیت کی نہیں۔ اس کی بنا محض مجاہدہ اور کثرت ریاضت پر ہے۔ اکثر ہنود کو بھی ہونے لگتا ہے۔ اور مرنے کے بعد تو سب ہی کو ہوگا البتہ اہل کشف کو اس اعتبار سے ضرور فضیلت ہے کہ دنیا میں رہکر جو ذوق ان کو حاصل ہے دوسروں کو نہیں

کشف نہ ہونیکی صورت میں عمل کا زیادہ موجب کمال ہونا

اور کشف کی حقیقت (یعنی تحقیق) معلوم ہو جانے سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ بعض ناواقف لوگ جو کشف کے درپے ہوتے ہیں اور اس کو بڑی چیز سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کشف نہ ہونے کی صورت میں اگر عمل ہو تو وہ زیادہ کمال کی بات ہے چنانچہ خداوند جل و علا جلالہ مدح میں فرماتے ہیں الذین یؤمنون بالغیب اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ای الخلق اعجبھم ایماناً یعنی تمام خلق میں سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے صحابہ نے عرض کیا الملائکۃ یا رسول اللہ الخ یعنی فرشتوں کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے آپ نے فرمایا ان کے ایمان نہ لانے کی کیا وجہ ہوتی جبکہ ہر وقت کلام و احکام سے مشرف ہوتے ہیں۔ صحابہ نے کہا کہ پھر انبیا علیہم السلام کا آپ نے فرمایا بھلا وہ کیوں ایمان نہ لاتے ہر وقت تو ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ صحابہ نے کہا کہ پھر ہمارا آپ نے فرمایا کہ تم کیوں ایمان نہ لاتے ہر وقت مجھے دیکھتے ہو۔ مجھسے سنتے ہو آخر صحابہ نے عرض کیا کہ حضور پھر کون لوگ۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آویں گے جنہوں نے نہ مجھکو دیکھا ہوگا نہ نزول قرآن کی کیفیت دیکھی ہوگی محض چند لکھے ہوئے کاغذ دیکھکر ایمان لاویں گے۔ ان کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔ مقصود اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ مکاشفہ کی نسبت عدم کلام۔ کا شیفہ کی حالت زیادہ تفضیل اور اسلم ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مطلقاً غیر مکاشفین مکاشفین سے افضل ہیں۔ اگر اہل کشف میں اور فضائل بھی ہوں جیسے انبیا علیہم السلام تو وہ افضل ہوں گے۔ اور اعجب ہونا دوسری بات ہے۔

جن لوگوں کو عالم غیب منکشف نہیں ہوا انھیں علم دنیا کے چھوڑنے سے قبل

موت وحشت ہوتی ہے لیکن اگر اہل ایمان سے ہو تو وہ وحشت بعد انکشاف باقی نہیں رہتی

جن لوگوں کو عالم غیب منکشف نہیں ہوا وہ لوگ اس دنیا کو چھوڑتے وقت گھبراتے اور مضطرب ہوتے ہیں۔ جالینوسؔ کے متعلق مشہور ہے کہ جب مرنے لگا تو یہ تمنا کرتا تھا کہ میری قبر میں ایک سوراخ رہے کہ دنیا کی ہوا آتی رہے لیکن غیر مکاشفین اگر اہل ایمان کامل ہیں تو کو ان کو طبعًا اس عالم کو چھوڑنا (قبل موت) گراں گزرے اور وہ موت سے گھبرا دیں جیسا حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کلنا یکرہ الموت (مگر عین مرنے کے قریب جب مبشر ہوتا ہے اور اسی طرح مرنے کے بعد جب اس عالم کی سیر کریں گے۔ اور اسکو دیکھیں گے اور اس کی وسعت آنکھوں کے سامنے ہوگی تو ان کی وہی حالت جو کہ رحم مادر سے نکلکر اور عالم دنیا دیکھکر بچے کی حالت ہوتی ہے کہ وہ اس کو بھول جاتا ہے اور عالم دنیا کے سامنے اپنے اس پہلے عالم کو ہیچ بلکہ لاشئ محض سمجھنے لگتا ہے حکیم سنائی رح اسی کی نسبت فرماتے ہیں ؎

آسمانہاست در ولایت جاں　　کار فرمائے آسمانِ جہاں

در رہ روح پست و بالاہست　　کوہ ہائے بلند و صحراہاست

مرید کو متعارف طور پر توجہ دینے میں خرابی اور اس کے ضرر مع چند شبہات اور ان کے جوابات کے

اکثر محققین صوفیہ نے مریدوں پر متعارف توجہ دینے کے طریق کو بالکل ترک فرما دیا اس وجہ سے کہ اس طریق توجہ میں مریدین کے اندر کسی کیفیت کے القاء کے لئے اس قدر مستغرق کرنا شرط تصرف ہے کہ بجز اس مقید القاء کے کسی طرف التفات نہ ہو۔ اور تمام تر خیالات سے بالکل خالی ہو جاوے۔ حتی کہ واقعی اس وقت حق تعالیٰ کی طرف بھی توجہ کم ہو جاتی ہے سو اسقدر توجہ مستغرق خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے ان کو غیرت آتی ہے اور ان پر سخت گراں گزرتا ہے کہ یہ شخص خدا سے بالکل غائب ہو جاوے

اور ایک ضرر شیخ کو توجہ متعارف میں یہ ہوتا ہے کہ اپنے تصرفات دیکھکر چند روز میں عجب پیدا ہو جاتا ہے دوسرا یہ ضرر ہوتا ہے کہ اس متعارف طریق توجہ سے شہرت ہو جاتی ہے اور جس شہرت کے اسباب مقدور الترک ہوں وہ اکثر مضر ہوتی ہے تیسرا یہ ضرر ہوتا ہے کہ شیخ اگر ضعیف القویٰ ہو تو بیمار پڑ جاتا ہے - یہ تین ضرر شیخ کو ہوتے ہیں اور مرید کو یہ ضرر ہوتا ہے کہ وہ شیخ پر اتکال کر لیتا ہے اور خود کچھ نہیں کرتا - اس لئے اس کی نسبت محض انعکاسی ہوتی ہے اکتسابی نہیں ہوتی - اور نسبت انعکاسی کو قیام نہیں ہوتا اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ توجہ خود حدیث سے ثابت ہے چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ غطنی فبلغ منی الجہد سو اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ اس غط کو توجہ کہنا محض بے دلیل ہے - اس کا حاصل صرف الصاق بالصدر مع شدۃ ہے نہ کہ توجہ متعارف اور اگر تسلیم بھی کیا جاوے تو ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بوجہ قوت ملکی توجہ میں اسقدر استغراق کی ضرورت نہ ہوئی ہو جو توجہ الی الحق کو مانع ہو - وذلك لایضر اگر کہا جاوے کہ ممکن ہے کہ منفعل کی تفاوت استعداد سے کسی وقت کمال استغراق کی ضرورت نہ ہو تو جواب یہ ہے کہ فاعل کو تو ہر صورت میں کمال استغراق کی ضرورت ہوگی - البتہ تفاوت استعداد سے منفعل میں فرق ہوگا کہ تام الاستعداد بسہولت اور جلد متاثر ہوگا اور ناقص الاستعداد بدیر متاثر ہوگا -

فیض رسانی کی وہ صورتیں جن میں کوئی خرابی اور ضرر نہیں مع زیادت تحقیق توجہ متعارف

ہاں دو صورتیں فیض رسانی کی اور ہیں ایک تو ان کے اختیار سے بھی خارج ہے وہ یہ کہ ان کی ذات بابرکت کے فیوض برکات سے کہ ان کو اس طرف التفات بھی نہیں عالم مستفیض ہوتا ہے جس طرح بارش کہ اس کے برسنے سے ہر قابل حصہ زمین میں قوت نمو پیدا ہو جاتی ہے - خواہ بارش چاہے یا نہ چاہے یا آفتاب کہ اس کے طلوع کے وقت جو چیز اس کے مقابل ہوگی ضرور منور ہوگی - دوسری اختیاری ہے جیسے مریدین کے لئے دعا کرنا ان کی حال کی نگرانی کرنا شفقت سے نصیحت کرنا - اس کو بھی توجہ بالمعنی اللغوی کہا جاتا ہے مگر

اصطلاحی توجہ بمعنی تصرف نہیں سو اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ بلکہ مسنون ہے کیونکہ طریق توجہ کے
ترک کا سبب محض یہ تھا کہ اس میں ذات باری سے غیبت ہے اور چونکہ اس دوسرے طریق
میں ترک التفات الی اللہ نہیں بلکہ زیادت التفات الی اللہ ہے اس لئے یہ مذموم نہیں بلکہ
مطلوب ہے اور گو اس وقت توجہ الی الخلق بھی ہوتی ہے مگر وہ توجہ صارف عن التوجہ الی
الخلق نہیں ہے بلکہ دعا کی تو حقیقت ہی توجہ الی الخالق ہے گو نفع الخلق سہی اور یہ نفع بھی خاص
مرضی حق ہے اور نگرانی و نصیحت و تعلیم وغیرہ میں بھی اعتدلال توجہ الی الخلق غیر مانع عن الحق ہے
اور وہ بھی باذن الخالق ہے تو ہے انہماک فی الخلق و غیب عن الحق نہیں ہے حاصل یہ ہے
کہ توجہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جس میں خدا تعالیٰ سے غیبت ہے دوسرے وہ کہ اس میں
احداث التفات الی الخلق ہو پہلی قسم کملار کے ہاں متروک ہے دوسری قسم مطلوب و محمود ہے
البتہ پہلی قسم کی توجہ سے اگر اپنے تصرف کا اظہار یا زیادت جاہ مقصود ہو تو مذموم ہے۔ پس
اس کا وہی مرتبہ ہے جو غلام پہلوان اور رنجیت سنگھ کی کشتی کا جس درجہ میں یہ کشتی محمود
و مذموم ہے بالکل اسی درجہ میں یہ توجہ بھی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ توجہ مروج فی نفسہ کوئی
مطلوب و محبوب چیز نہیں ہے لیکن اگر اس کی غایت محمود ہو تو اسمیں بالعرض مطلوبیت
کی شان پیدا ہو جاتی ہے جس طرح ورزش کہ اگر اس سے غرض محض اظہار قوت و صولت
ہے تو لغو ہے اور اگر اعانت مخلوق اس کی غرض ہے تو محمود ہے۔ پس یہ توجہ ایک مرتبہ میں
طاعت ہے لیکن اس سے زیادہ درجہ میں وہ توجہ ہے جو کہ انبیاء اپنے اصحاب و امت
پر فرماتے تھے۔ یہی انبیاء کا طریق توجہ ہے جس کو کاملین نے اختیار کیا ہے کہ اس میں وہ
خطرہ نہیں ہے جو کہ مروج طریق میں ہے اور وہ توجہ ہے خلق کی طرف جو کہ سالک کے
لئے نہایت مضر ہے۔ حتیٰ کہ ابتداء میں مطلق افادہ کے ارادہ سے بھی توجہ کرنا مضر ہوا ہے۔

حکایت۔ ایک بزرگ کی حکایت مشہور ہے کہ اپنے ایک مرید کو مدت تک ذکر و شغل تبلاتے
رہے اور اس میں تغیر و تبدل بھی کرتے رہے لیکن مرید کو کچھ نفع نہ ہوا۔ آخر مدت کے بعد
اس سے یہ پوچھا کہ تم یہ ذکر و شغل کس نیت سے کرتے ہو اس نے کہا کہ حضرت یہی نیت ہے
اگر کسی قابل ہو جاؤں گا تو دوسروں کو نفع پہونچاؤنگا۔ شیخ نے کہا تو بہ کرو یہ شرک ہے کہ ابھی
سے بڑے بننے کا خیال ہے اور خلق مقصود بالنظر ہے۔ جب اس نے اس خیال سے
توبہ کی فوراً فائدہ محسوس ہوا۔ گویا افادہ کی غرض سے بھی جو کہ بظاہر محمود ہے خلق کی طرف

توجہ کرنا ابتداء سلوک میں مضر ہوتا ہے۔

شیخ کامل مرید کی اصلاح سے نہ خود مایوس ہوتا ہے نہ اس کو مایوس کرتا ہے

اور اس حکایت سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ شیخ کامل کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ نہ مرید کو مایوس کرتا ہے۔ جیسا یہ شیخ مدت تک تغیر و تبدل کرتے رہے اور نفع نہ ہونے سے جواب نہیں دیا۔ بلکہ اسی کاوش میں رہے حتیٰ کہ مرض اور اس کا علاج نکال ہی لیا وہ طبیب حاذق کی طرح کسی نہ کسی ادھیڑ بن میں برابر لگا ہی رہتا ہے۔ برخلاف ظاہری اور ناقص پیروں کے وہ ایسے موقع پر گھبرا جاتے ہیں اور دوسرے کو بھی مایوس کر دیتے ہیں۔ اسی پر حافظ شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است | زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست گاہ نیست

مصرع ثانی میں شیخ سے مراد شیخ ناقص ہے بلکہ اگر کشف سے بھی کسی کی شقاوت ظاہر ہو جاوے تب بھی مایوس نہیں ہوتے بلکہ دعا تبدل بالسعادۃ کی کرتے ہیں۔ البتہ اگر کسی نبی کو وحی سے کسی کا ختم علی الکفر معلوم ہو جاوے تو اس وقت مایوس ہونا وہ خدا ہی کے حکم سے ہے

ہر شخص منصب ارشاد کی لیاقت نہیں رکھتا

نیز اسی حکایت سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ ہر شخص منصب ہدایت کی لیاقت نہیں رکھتا بہت سے نام کے ایسے ہادی ہیں کہ جن کی غرض ہدایت سے محض طلب جاہ ہے اسی لئے حدیث میں ارشاد ہے لا یقص الا امیر او مامور او مختال یعنی وعظ کہنے کی ہمت وہی کریگا کہ یا تو خود امیر المومنین ہے یا امیر المومنین کی طرف سے مامور ہے یا متکبر اور نفس پرور ہے اس لئے کہ جب ہدایت عامہ کا کام امیر المومنین کی ذمہ داری میں ہے تو اس کو وہ خود کریگا یا خود نہ کریگا تو کسی کو اس خدمت پر مامور کریگا۔ پس جو شخص نہ یہ ہے نہ وہ ہے اور پھر بھی ایسا کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ آپ بھی خواہ مخواہ اپنے کو پانچوں سواروں میں گنتے ہیں۔

آجکل مخلص واعظوں پر مختال ہونیکا شبہ جواب اور اسکی تحقیق کہ وعظ کہنا کسکو جائز ہے

لیکن اس سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب بغیر امیر یا مامور ہوئے وعظ کہنا مختال ہونیکی علامت ہے

تو آجکل کے تمام واعظوں میں سے تو ایک شخص بھی امیر یا مامور نہیں تو گیا یہ سب کے سب حدیث کی تیسری شق میں داخل ہیں۔ جواب یہ ہے کہ فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ جس جگہ حاکم نہ ہو وہاں اگر متقی پرہیزگار اہل الرائے مسلمان کسی ایک شخص کو کوئی منصب دیدیں تو وہ سب ملکر امیر کے قائم مقام سمجھے جاویں گے۔ اور ان کا اعطا امیر ہی کا اعطا ہوگا۔ کیونکہ اگر غور کرکے دیکھا جاوے تو اعطاء مناصب کا اختیار جو امام کو ہے وہ بھی درحقیقت اہل اسلام ہی کو ہے اور امام بحیثیت ان کا نائب ہونے کے ان کا کام کرتا ہے کیونکہ امام کا امام ہونا تو خود اہل اسلام کے اتفاق پر ہے پس اگر وہ موجود نہ ہو تو خود ان کا فعل ضرور جائز ہوگا جیسے جمعہ کی نماز کے لئے انتخاب امام کا کہ اگر امیر موجود نہ ہو اور مسلمان ملکر کسی کو منتخب کرلیں تو وہ امام صحیح ہو جاتا ہے یا ناظر وقف کو امام کی عدم موجودگی میں اہل اسلام کے انتخاب سے کسی خاص شخص کو عہدہ نظارت وقف دیا جاسکتا ہے۔ پس جب دیندار فہیم مسلمانوں نے ملکر ایک شخص کو وعظ و نصیحت کے لئے انتخاب کرلیا ہو خواہ قولاً یا حالاً تو ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز ہے۔

جو لوگ وعظ کہنے کے اہل نہیں ہیں ان کے وعظ سے گمراہی پھیلتی ہے

بدون اہل دین اور اہل عقل کے انتخاب کے جو لوگ اس کام کو کررہے ہیں اور اہل نہیں ہیں وہ وعظ کے رنگ میں گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ ضروری مسائل تک سے ان کو واقفیت نہیں ہوتی اور وعظ کہنے کی جرأت کر بیٹھتے ہیں۔

حکایت۔ سہارنپور میں ایک جاہل دیہاتی نے آکر وعظ کہا انداز یہ کہ آپ نے قبل از نماز پوچھا کہ یہاں اواج تو نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ نہیں۔ پس نماز کے بعد پکار مارا کہ سنا ہو (صاحبو) آواج (وعظ) ہوگی سنتیں پڑھکر وعظ کہنے بیٹھے اعوذ بسم اللہ غلط سلط پڑھکر یٰسین شروع کی آیتیں الٹی سیدھی پڑھکر ترجمہ کیا خوبصورت ہوا۔ اے محمد اے محمد۔ اے محمد۔ اگر تجھکو پیدا نہ کرتا نہ زمین پیدا کرتا نہ آسمان نہ عرش و کرسی وغیرہ وغیرہ پھر فرماتے ہیں بھائیو تھکے ماندے ہیں اس لئے آدھی اواج اب ہوئی آدھی پھر ہوگی۔ کوئی نابینا ذی علم اس مجلس میں موجود تھے انھوں نے واعظ صاحب کو اپنے پاس بلاکر بٹھلایا اور پوچھا کہ آپ کی تسیل (تحصیل) کہاں تک ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہماری تحصیل ہے ہاپڑ (ہماری تحصیل ہے ہاپوڑ) بس ایسے واعظ رہ گئے ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوجاویگا کہ یہ لوگ گو لغو ہیں اور اپنی

اور دوسروں کی تضییع اوقات کرتے ہیں مگر پھر بھی ان بیچاروں سے اسقدر نقصان نہیں ہوتا اور اتنی گمراہی نہیں پھیلتی جتنے وہ لوگ پھیلاتے ہیں کہ آب و تاب کی تقریریں مشق کئے ہوئے ہیں بڑے بڑے الفاظ یاد ہیں۔ صوفیہ کی اصطلاحات ازبر ہیں۔ حافظ کا دیوان پیش نظر ہے۔ زبان ہے کہ آب رواں کی طرح بہتی چلی جاتی ہے لیکن واقفیت اور حقیقت دیکھو تو محض ہیچ یہی لوگ ہیں کہ ان سے امت کے اکثر افراد تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے

حرف درویشاں بدزد و مرد دوں ۔ تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں

اور یہی لوگ ہیں جن کو حدیث میں اد مختاب کے لفظ سے فرمایا گیا ہے۔

ابتداء سلوک میں وعظ کہنا ممنوع ہے

غرض اس حدیث سے یہ بات صاف معلوم ہوگئی کہ وعظ طاعت ہے لیکن اگر اس میں نیت خراب ہو تو وہی گناہ ہو جاتا ہے۔ صوفیہ نے اسی راز کو سمجھکر ابتداء سلوک میں وعظ گوئی سے بالکل منع فرمایا ہے۔ کہ قبل اصلاح نفس اسمیں اغراض فاسدہ غالب ہوتے ہیں۔

محقق شیخ کی کیسی شان ہوتی ہے

پس معلوم ہوا کہ ہر شخص اہلیت ارشاد کی نہیں رکھتا۔ سو شیخ ہونا ہر شخص کا کام نہیں ہے دیکھو محقق شیخ کی وہ شان ہوتی ہے کہ جو اوپر کی حکایت میں مذکور ہوئی۔ کہ کس دقیق مرض کو مرید کے سمجھ لیا جس کی نیت ذکر و شغل سے بڑا بننا اور خلق کو مطمح نظر بنانا تھا۔

محققین کے نزدیک متعارف توجہ اور تصور شیخ کے ناپسندیدہ ہونیکی وجہ اور غیر اللہ سے محبت کی حد

یہ توجہ اگرچہ (بالغیر) طاعت ہو لیکن وہ کاملین کے لئے طاعت نہیں۔ کیونکہ اس میں مخلوق کیطرف کامل توجہ لازمی اور ان کی حق میں غیر اللہ کی طرف التفات کرنا سخت گناہ ہے

بہرچہ از دوست و امانی کفر آں حرف چہ ایماں ۔ بہرچہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

خلاصہ یہ ہے کہ نفس توجہ اگرچہ زیبا ہو لیکن جبکہ اس نے خدا سے ہٹا دیا تو یقیناً زشت ہے

اسی طرح تصور شیخ کا شغل بھی محققین نے اکثروں کو تبلانا بالکل ترک کر دیا ہے سبب یہی ہے کہ تصور شیخ میں مرید کی پوری توجہ شیخ کی طرف ہوتی ہے ذات باری کی طرف بالکل التفات نہیں ہوتا - اور یہ عیب کاملین کے یہاں جرم ہے - خوب کہا ہے ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی　　　شاید کہ نگاہ کند آگاہ نباشی

ممکن ہے کہ جس وقت یہ شخص پیر کے تصور میں مصروف ہے وہی وقت ادہر کی طرف کی توجہ کے نافع ہونے کا ہو اسی لئے کاملین کی طبیعت اچٹتی ہے اور ان کو سخت وحشت ہوتی ہے - اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے اوجھڑی کہ اس کو حلال تو ضرور کہیں گے اگر غلاظت سے صاف ہو لیکن ایک لطیف المزاج آدمی سے پوچھو کہ اس کے خیال سے بھی وحشت ہوتی ہے اور صاحبو اصل تو یہ ہے کہ جب ایک دل میں دو خیال نہیں آسکتے ایک نیام دو تلواریں نہیں رہ سکتیں پھر کیوں کر کہا جاوے کہ جو توجہ کہ اس میں خدا کا خیال ضعیف اور مخلوق کا خیال غالب ہو پھر اس کو قصداً پیدا کیا جاوے تو وہ مطلوب ہو گی -

حکایت - حضرت ابراہیم ادہم کا واقعہ مشہور ہے کہ جب بیٹے سے جو شیخ محمود کے نام سے مشہور ہیں ملے اور مسرت کا جوش غالب ہوا تو ندا آئی کہ ؎

حب حق ہو دل میں یا حب پسر　　　جمع ان دونوں کو تو ہرگز نہ کر

آخر وہ حجاب بھی مرتفع ہو گیا اور ان کا انتقال ہو گیا - لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بیٹے سے بالکل ہی محبت نہ کرے جس قدر ان کا حق شرعی ہے وہ جب حق پر غالب نہ ہو عین سنت ہے - پس شیخ سے بھی ایسی محبت نہ ہونی چاہیئے - جو کہ خدا کو بالکل بھلادے جیسا آج کل جاہل فرقوں میں متعارف ہے اسی طرح بیوی بچوں سے وہ محبت نہ ہو کہ خدا کی طرف توجہ نہ رہے - لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ - الطاف خداوندی کے قربان ہو جیئے یہ حکم نہیں فرمایا کہ اولاد سے بالکل محبت نہ کرو کیونکہ جانتے ہیں کہ محبت اولاد طبعی ہے - امتثال نہ ہو سکیگا - اس لئے یوں فرماتے ہیں کہ اسقدر ان کے درپے نہ ہو کہ خدا کو بھول ہی جاؤ -

ترک توجہ متعارف پر ایک شبہ اور اس کا جواب

ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ توجہ تو اس قدر مذموم ٹھہری اور جو غرض توجہ کی ہے

وہ ضروری پس اگر توجہ ترک کریں تو امر ضروری کا ترک لازم آتا ہے اور توجہ اختیار کریں تو امر مذموم کا اختیار لازم آتا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ توجہ سے جو غرض ہے اس کا حصول توجہ ہی میں منحصر نہیں ہے کیونکہ اگر اس کا حصول اسی میں منحصر ہوتا تو انبیا علیہم السلام اسی طریق کو اختیار فرماتے۔ جب انھوں نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اسی طریق میں اس کا انحصار نہیں ہے بلکہ دوسرا طریق بھی موجود ہے یعنی تعلیم و ارشاد شفقت و دعا، اور یہ طریق ایسا ہے کہ جس میں نہ کوئی خطرہ ہے نہ کچھ اندیشہ۔

قرآن شریف جمال حق کے لئے آئینہ ہے اور اس کی خوبیاں

قرآن کی تعریف میں ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

چیست قرآں اے کلام حق شناس — رونمائے رب ناس آمد بناس
حرف حرفش راست در بر معنئے — معنئے در معنئے در معنئے

اور رونما اس واسطے کہا کہ خدا تعالیٰ کو دنیا میں بلا واسطہ تو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ پس کلام اللہ کو پڑھنا گویا دیدار خداوندی سے محظوظ ہونا ہے اس موقع پر ایک حکایت یاد آئی اس سے اس کی پوری حقیقت ظاہر ہو گی۔ ایک مرتبہ ایران کے بادشاہ کے خیال میں اتفاقاً ایک مصرع آگیا ع ڈر ابلق کسے کم دیدہ موجود مصرعہ کہکر بڑی خوشی ہوئی لیکن دوسرا مصرعہ تیار نہ کر سکے۔ شعراء کو جمع کیا اور مصرعہ لگانے کی فرمائش کی کسی سے مصرعہ نہ لگ سکا کیونکہ ایک مہمل مضمون ہے آخر سب کو زنداں کی دھمکی دی ان لوگوں نے پریشان ہو کر ہندوستان میں عالمگیر کے پاس خط لکھا کہ تمہارے یہاں بڑے بڑے شاعر ہیں کسی سے مصرعہ کہلا کر ہماری جان بچاؤ۔ چنانچہ شعرا کو وہ مصرعہ دیا گیا لیکن مضمون ایسا بے تکا تھا کہ کسی کی کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا شدہ شدہ زیب النسا متخلص بہ مخفی کو بھی اس کی خبر پہونچی اس نے بھی غور کیا لیکن مصرعہ نہ لگ سکا اتفاقاً ایک روز مسند پر بیٹھی آنکھوں میں سرمہ ڈال رہی تھی آئینہ سامنے تھا کہ سرمہ کی تیزی سے آنکھ سے ایک آنسو گرا اس کی ہیئت کو دیکھکر فوراً دوسرا مصرعہ اس کے ذہن میں آگیا مگر اشک بتاں سرمہ آلود۔ چنانچہ عالمگیر کو خبر ہوئی اور شعر پورا کر کے ایران بھیجا گیا۔ جب بادشاہ نے مصرعہ سنا اس کے اور تمام شعراء کے دل میں اس شاعر کی بڑی قدر ہوئی اور شاہ ایران نے

عالمگیر کو لکھا کہ اس شاعر کو ہمارے پاس بھیجدو عالمگیر کو جب اس پیغام کی خبر پہونچی تو بہت زچ بچ ہوا کہ اگر شاعر کو ظاہر کرتا ہوں تب بھی مشکل ہے اور انکار کرتا ہوں تو بھی مشکل ہے آخر اس نے زیب النسا سے کہا کہ تمہاری شاعری کا یہ نتیجہ ہوا زیب النسا نے کہا کہ تم اس کے جواب میں میری طرف سے یہ لکھدو کہ ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئی گل در برگ گل　　ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

چنانچہ یہ لکھکر بھیجدیا گیا معلوم ہوا کہ مستورات سے ہے پس اسی طرح ہمارا مطلوب حقیقی جس کے دیدار کے ہم متمنی ہیں بوجہ اس کے کہ ہم اس کے دیدار کی تاب نہیں لاسکتے اور ہم اسکو دیکھ نہیں سکتے گویا یہ فرمارہے ہیں کہ ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئی گل در برگ گل　　ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

اور وہ سخن یہی کلام اللہ ہے جس کی شان یہ ہے کہ معنے در معنے در معنے جس قدر زیادہ پڑھتے جاؤ اسی قدر زیادہ علوم منکشف ہوتے جاوینگے چنانچہ حدیث میں ہے لا تنقضی عجائبہ اور پھر لطف یہ کہ جاہلوں کو بھی لطف آتا ہے اور عالم کو بھی مزا آتا ہے۔ صاحب ظاہر بھی جان کھوتا ہے اور صاحب باطن بھی قربان ہوتا ہے ؎

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ میدارد　　برنگ اصحاب صورت را بو ارباب معنی را

حدیث میں ہے لا یخلق من کثرۃ الرد واقع میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ کتنا ہی سنو جی نہیں بھرتا نیا مزا آتا ہے۔

قرآن شریف کی دلچسپی پر ایک شبہ اور اس کا جواب

اگر کہا جاوے کہ یہ سارا لطف خوش آوازی کی وجہ سے ہوتا ہوگا تو ہم کہیں گے کہ آخر وہ لطف اور وہ ربودگی جو قرآن پڑھنے سے ہوتی ہے شعر پڑھنے سے کیوں نہیں ہوتی اس میں وہ مزا کیوں نہیں حاصل ہوتا اور اگر کسی کو اسمیں زیادہ مزا آتا ہو تو وہ ابھی قابل خطاب ہی نہیں ہوا اس کو چاہیئے کہ صحت ادراک و سلامت حال پیدا کرنے کی کوشش کرے پھر موازنہ کرے صاحبو قرآن تو قرآن ہے کبھی اگر مکہ میں جاکر وہاں کی تکبیر اگر نماز میں سنو جو ایک جزو ہے قرآن کا تو معلوم ہو کہ کیا چیز ہے سچ مچ اس وقت وہ تکبیر ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ذبح کے وقت کی تکبیر کہ دل میں چھری نکلتی جاتی ہے۔

طاعت میں اگر مزہ نہ آوے تو اس کو ترک نہ کرنا چاہیئے اور لذت حاصل کرنیکی تدبیر

لیکن اگر کسی کو مزہ نہ آوے وہ تلاوت ترک نہ کرے جیسا بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہم تو اس وقت قرآن پڑھیں گے کہ جب ہم کو مزہ آنے لگے مگر یہ خیال بالکل ہی لغو ہے اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کسی شخص سے کہا جاوے کہ تم مقویات کھا پی کر جلدی سے بالغ ہو جاؤ تاکہ تم کو سن بلوغ کے لطف حاصل ہو جائیں۔ اور وہ جواب میں یوں کہے کہ صاحب پہلے سن بلوغ کی لذت کو میں دیکھ لوں کیسی ہوتی ہے تب اس کی تدبیر کرونگا۔ فرمائیے کہ اس احمق کو کس طرح وہ لذت دکھلا دیجائے۔ اور سوائے اس کے اور کیا جواب اس کو دیا جاویگا کہ تم جب بالغ ہو جاؤ گے خود تم کو معلوم ہوں گے۔ اس کے سوا کوئی تدبیر اس کے حصول کی نہیں اسی طرح ان نابالغ پیروں کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس لذت کے حاصل کرنے کی کوئی تدبیر اس کے سوا نہیں کہ ہمت کر کے پڑھنے لگو چند روز میں جب تمہارا قلب عالم طفلی سے نکلکر سن بلوغ میں پہونچیگا خود بخود اس کو یہ لذت حاصل ہو گی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ خاص بلوغ اس وقت حاصل ہوگا کہ تلاوت و دیگر اعمال میں ہوا ر نفسانی کا دخل نہ ہو بلکہ مطلقاً اس ہوار نفسانی کا اتباع چھوڑ دو۔ اور اطاعت خدا و رسول میں سرگرم ہو جاؤ کہ طریقت کا بلوغ یہی ہے ؎

خلق اطفالند جز مست خدا　　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

اور بعینہٖ یہی غلطی اکثر اہل سلوک کو ہوتی ہے کہ وہ ابتداء میں یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو ذکر میں لذت آنے لگے اور جب لذت حاصل نہیں ہوتی تو پریشان ہوتے ہیں اور بعض اوقات ذکر کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سخت غلطی ہے۔ کیونکہ ذکر میں لذت آنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں کہ ذکر کی زیادتی کرے جس قدر ذکر زیادہ ہوگا قلب زیادہ معتاد ہوگا۔ دوسرے خیالات کمزور پڑیں گے۔ ذکر میں خود بخود لذت حاصل ہو گی۔ اس کی مثال یوں سمجھیئے کہ فن شاعری میں جو ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک شعر سن لیا اور طبیعت تلملا گئی ایک عمدہ بات کان میں پڑی کہ چہرہ کھل گیا۔ آخر یہ بات کب پیدا ہوتی ہے اور کیونکر پیدا ہوتی ہے ظاہر ہے

کہ ایک مدت کے بعد اور کثرت مشق مہارت سے ہوتی ہے۔ اور ابتدا میں ہرگز یہ حالت نہیں ہوتی بلکہ اول تو محض مشقت ہی ہوتی ہے دیکھئے بچہ کو مکتب میں بٹھلاتے ہیں سبق فارسی کا پڑھاتے ہیں مارتے ہیں پکڑ لاتے ہیں اسی طرح جب سلسلہ جاری رکھا جاتا ہے اس کو زبان دانی و سخن فہمی کا ایسا سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کلام لطیف سنکر کیسا کچھ محظوظ ہوتا ہے پس کیا کسی شخص نے محض اس وجہ سے کہ ہم کو غالب اور مومن کا سا وجد کیوں نہیں پیدا ہوتا شاعری کی مشق چھوڑ دی ہے یا کسی شاگرد نے اپنے استاد سے یہ فرمائش کی ہے کہ میں اس وقت شاعری شروع کرونگا کہ جب آپ کی طرح مجھے شعر میں لطف آنے لگے گا۔

صاحبو کیا قرآن شریف کی تلاوت اتنی بھی ضروری اور مرغوب نہیں جتنی فارسی اور شاعری کی تحصیل۔ صاحبو جس طرح اس مثال میں ظاہری کیفیات میں ایک وقت وہ تھا کہ نہ تھیں اور اب ایک وقت وہ ہے کہ علی وجہ الکمال ہیں۔

سالک کا کام محض طلب ہے۔ اگر کیفیات باطنی نہ ہوں تب بھی کام کئے جائے

اسی طرح باطنی کیفیات بھی گو اس وقت حاصل نہیں لیکن اگر کام کئے جاوٗگے تو ایک وہ وقت بھی ضرور آویگا کہ سب حاصل ہو جاوینگے۔ ارشاد ہوتا ہے کذلک کنتم من قبل فمن اللہ علیکم ؎

اندریں رہ میتراش و میخراش تا دمے آخر دمے فارغ مباش

تادم آخر دمے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود

اس قسم کے مواقع پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ یہ پڑھا کرتے تھے ؎

یابم اور ایا نیابم جستجوئے میکنم حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

جو کچھ بھی ہو تم کام کئے جاوٗ۔ تمہارا کام محض طلب ہے کیونکہ تمہارے اختیار میں وہی ہے ثمرہ کا ملنا نہ ملنا یہ ان کا کام ہے تم اس کے درپے نہ ہو ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائی

ایک دوسرے بزرگ اس سے بڑھکر فرماتے ہیں ؎

ارید وصالہ و یرید ہجری فاترک ما ارید لما یرید

اور صاحبو اگر یہ نہ کہا جاوے تو کیا خدا سے بدلا لینا ہے اگر وہ ہمارا کام نہیں کرتے تو ہم اس کا

کام کیوں کریں۔ غور کرو اگر ایک مردار بازاری عورت سے تعلق ہو جاتا ہے تو قلب پر کیا کیا صدمے گذرتے ہیں۔ کس کس انداز سے وہ امتحان اور آزمائش کرتی ہے۔ کتنا موقع بہ موقع ستاتی ہے لیکن آتش محبت مشتعل ہی ہوتی چلی جاتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ اس کے امتحانات یا غمزوں سے گھبرا کر اس کو چھوڑ دیں تو کیا ذات باری جل مجدہ کی محبت اور عظمت مسلمان کے دل میں اتنی بھی نہ ہو جتنی ایک بازاری عورت کی حیف ہے ہم پر اور ہمارے اسلام پر ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلےٰ بود　　گوی گشتن بہر او اولےٰ بود

طالب کیسا ہونا چاہیئے

حکایت - ایک عارف کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کو ایک روز یہ آواز آئی کہ کتنی ہی عبادت کرو کچھ قبول نہیں اس آواز کو ان کے ایک مرید نے بھی سنا۔ دوسرا دن ہوا تو وہ بزرگ پھر عبادت کے لئے اٹھے پھر وہی آواز آئی جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو مرید نے کہا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں ادھر کوئی پوچھتا بھی نہیں اور آپ ہیں کہ خواہ مخواہ گرے جاتے ہیں جب قبول ہی نہیں تو محنت سے کیا فائدہ ان بزرگ نے جواب میں فرمایا ؎

توانی ازاں دل بپرداختن　　کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

کہا بھائی چھوڑ تو دوں لیکن یہ تو بتلادو کہ چھوڑ کر کس در پر جا پڑوں اس جواب پر رحمت باری کو جوش ہوا اور آواز آئی ؎

قبول ست گرچہ ہنر نیستت　　کہ جز ما پناہ دگر نیستت

کہ اگرچہ تمہاری عبادت تو کسی ڈھنگ کی ہیں لیکن خیر جب ہمارے سوا تمہارا کوئی نہیں ہے تو تم کو بھی تم ہی لے لیں گے صاحبو طالبین کی یہ حالت ہونی چاہیئے کہ ؎

طلب گار باید صبور و حمول　　کہ نشنیدہ ام کیمیاگر ملول

افسوس ہے کہ طلب خدا طلب کیمیا کی بھی برابر نہ ہو کہ اس میں تو انسان سالہا سال گنوا دے مال و متاع غارت کردے چین و آرام کو خیرباد کہدے اور طلب خدا میں کچھ بھی نہ ہو سکے طالب کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

برندار از برائے دلے بارہا　　خورند از برائے گلے خارہا

اور اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

خوشا وقت شوریدگان غمش | اگر ریش بینند گر مرہمش
گدایانی از بادشاہی نفور | بامیدش اندر گدائی صبور
دمادم شراب الم در کشند | اگر تلخ بینند دم در کشند

اور جو شخص صرف مرہم کا طالب ہو وہ طالب نہیں ہے وہ بیچارے تو بجائے حصول کی امید پر ہی نظر لگائے بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ اوپر کے شعر میں ہے امیدش اندر گدائی صبور ایک طالب کا قول ہے ؎

اگرچہ دور افتادم بدیں امید خرسندم | کہ شاید دست من بار دگر جاناں من گیرد

طالب وہی ہے کہ اگر ہزار مرتبہ اس کو کہا جاوے تو دوزخی ہے تو مایوس نہ ہو اور دس ہزار مرتبہ کہا جاوے کہ تو جنتی ہے تو کاہل اور سست نہ بنے اس کے طلب کی یہ حالت رہے ؎

اے برادر بے نہایت درگہی است | ہر کہ بروے میرسی بروے مایست

طالب کے کیسے کیسے امتحان لئے جاتے ہیں

حکایت۔ ایک شخص کی نسبت لکھا ہے کہ اس کو روزانہ یہ آواز آتی کہ تو کافر ہو کر مریگا جب ایک مدت تک یہ آواز آئی تو شیخ سے ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ میاں یہ دشنام محبت ہے مایوس نہ ہو جانا محبوبوں کی عادت ہے کہ محب کو چھیڑا کرتے ہیں خوب کہا ہے ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی | جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اور یہ ایک قسم کا امتحان ہے۔

سارے امتحانات اس وقت برداشت ہوتے ہیں جبکہ دل میں خدا کی محبت پوری ہو

لیکن یہ ساری باتیں اس وقت برداشت ہوتی ہیں کہ دل میں خدا کی محبت پوری ہو پس اس کی کوشش کرو۔

خدا تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا طریقہ

اور اس طریق کے دو امر ہیں۔ ذکر کی کثرت اور اہل اللہ کی صحبت۔ ان کے پاس آنا جانا اس سے بتدریج ماسویٰ اللہ سب تمہارے دل سے نکلنے شروع ہو جاوینگے اور یہ حالت ہو گی ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت — ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند — در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت — مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

سلوک کی ترتیب

اس تقریر سے ترتیب سلوک کی یہ نکلی کہ اول کسی صاحب محبت کو ڈھونڈ کر اس کے پاس جا پڑو۔ اور اس کی حسب ہدایت کام میں لگ جاؤ۔ ثمرات کے طالب نہ ہو۔ خود بخود ہوں تو خدا کا فضل سمجھو طاعت میں لذت نہ ہو تو اس کو چھوڑو مت۔ کثرت سے ذکر کرو اس میں قرآن بھی داخل ہے۔

تلاوت قرآن کے لئے تصحیح الفاظ بقدر طاقت ضروری ہے اور خلوص قلب اس سے زیادہ ضروری ہے

اگر پڑھتے ہوئے طبیعت اکتانے لگے تو اسی کی کثرت کرو۔ اگر الفاظ بھی صحیح نہ ہوں تو اپنے امکان بھر کوشش تصحیح کی کرو۔ اگر پوری کامیابی نہ ہو تو دلگیر مت ہو اسی طرح قبول ہے الفاظ پر تو انھیں سے گرفت ہو گی جو الفاظ درست کر سکتے ہیں اور پھر نہیں کرتے ورنہ زیادہ تر دیکھ بھال اور چھان بین دلوں کی ہو گی اگر موٹی زبان کا آدمی غلط پڑھتا ہے لیکن دل سے پڑھتا ہے تو خدا کے نزدیک یہ غلط اس صحیح سے ہزار درجہ بہتر ہے جس کی غرض ریا یا اظہار کمال ہو۔

حکایت۔ اس موقع پر مجھے ایک شخص کی حکایت یاد آئی ایک شخص مجھ سے تعلق رکھتا تھا مجھے کہنے لگا کہ میں کسی فقیر سے طالب ہو جاؤں میں اس پر ناراض ہوا اور سمجھا دیا چند روز کے بعد پھر آیا تو میں اس سے مزاحاً کہنے لگا کہ کیوں کسی فقیر کے طالب بھی ہوئے تو وہ نہایت خلوص

اور تازگی سے جواب دیتا ہے کہ بس اب تو تیرا ہی پلہ پکڑ لیا اس کا یہ تیرا کہنا ہزاروں حضور اور جناب سے زیادہ لذت بخش تھا کیونکہ دل سے تھا۔

بعض وقت بہ نسبت نرمی کے سختی سے زیادہ صلاح ہوتی ہے

جس طرح نرمی علاج ہے گرمی بھی اس سے بڑھکر علاج ہے اور یہی وجہ ہے بعضے بزرگ درشت مزاج مشہور ہو جاتے ہیں تو خوب سمجھ لو وہ درشت مزاج نہیں بات یہ ہے کہ بعض اوقات اگر ایک بات کو نرمی سے سمجھایا جاوے تو دل پر اس کا اتنا اثر نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ اتنی مدت تک یاد رہتی ہے جتنا کہ بدرشتی سمجھانے سے کالنقش علی الحجر ہو جاتی ہے۔

جس کا دل محبت سے بھرا ہوا اس کو اگر صحیح بولنے پر قدرت نہ ہو تو اسکا غلط بولنا بھی پیارا معلوم ہوتا ہے۔ غرض غلط بولنا جو پیارا معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ پر قدرت نہیں ہوتی

حکایت۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں راعی کا قصہ مشہور ہے کہ زمین پر بیٹھا ہوا محبت کے جوش میں خدا تعالیٰ کو خطاب کر کے یہ کلمات کہہ رہا تھا ؎

تو کجائی تا شوم من چاکرت ۔۔۔ چارقت دوزم کنم شانہ سرت

واہماتی و اللہ۔ اتفاقاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طرف سے گذرے۔ یہ کلمات سنکر فرمایا کہ میاں کس کو کہہ رہے ہو اس نے کہا کہ خدا سے حضرت موسیٰ نے ڈانٹا اور ڈانٹکر چلے گئے راعی نے جو سنا تو مارے خوف کے تھرا گیا اور سخت پریشان ہوا اسی وقت حضرت موسیٰ پر وحی آئی کہ اے موسیٰ تم نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کر دیا اسی حکایت کو مولنا روم فرماتے ہیں ؎

زیں نمط بیہودہ میگفت آں شباں ۔۔۔ گفت موسیٰ باکیست اے فلاں

گفت با آں کس کہ مارا آفرید ۔۔۔ ایں زمین و چرخ ازو آمد پدید

گفت موسیٰ ہائے خیرہ سرشدے ۔۔۔ خود مسلماں ناشدہ کافر شدے

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی ۔ وز پشیمانی تو جانم سوختی
وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا ۔ بندۂ مارا چرا کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی ۔ نے برائے فصل کردن آمدی

حضرت موسیٰؑ نے جو یہ سنا تو گھبرا گئے اور جلدی سے اگر چرواہے سے معافی چاہی یہاں چرواہے کی عجب حالت تھی۔ موسیٰ نے جو معافی چاہی تو اس نے یہ جواب دیا کہ اے موسیٰ اپنا تازیانہ لگا ہے کہ میں بڑی دور پہونچ لیا ع آفریں بر دست و بر بازوئے تو۔

اس جملہ حکایت سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اگر زبان پر بوجہ کم سمجھی اور کم عقلی کے گستاخانہ الفاظ بھی ہوں لیکن دل محبت سے معمور ہو۔ تو الفاظ پر نظر نہیں ہوتی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ان فروگذاشتوں کی معافی انھیں لوگوں کے لئے ہے کہ جن کو تصحیح پر قدرت نہیں ہے۔ ورنہ اگر قدرت کے باوجود ایسا کرے تو ضرور گناہ گار ہو گا۔

تصحیح الفاظ کے لئے کتابیں پڑھنا کافی نہیں کسی قاری سے مشق کرنا ضروری ہے اور بعض لوگوں کے ایک نامعقول عذر کی تردید

افسوس ہے کہ اس وقت اس امر تصحیح الفاظ کی طرف سے ایسی بے توجہی ہے کہ لوگ اس کو بالکل ضروری نہیں سمجھتے۔ اکثر لوگ پوری درسیات ختم کر جاتے ہیں لیکن ان کو قرآن پڑھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا ہے سمجھتے ہیں۔ کہ صرف کی کتابوں میں صفات حروف ومخارج پڑھ لیے ہیں اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے قرآن کا پڑھنا اس وقت تک نہیں آتا کہ جب تک خاص کسی سے اس کو نہ سیکھا جائے۔ نری درسیات سے کچھ نہیں ہوتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم نے مشق نہیں کی تو ہم کو غلط پڑھنا جائز ہونا چاہیئے اور ہم کو معذور سمجھنا چاہیئے لیکن یہ عذر ایسا ہے کہ میں نے ایک سپارہ پڑھنے والے طالب علم سے کہا کہ حاجی جی کو بلا لا۔ وہ حافظ جی کو بلا لایا میں نے کہا یہ کیا حماقت ہے کہاں حافظ جی کہاں حاجی جی ان کے تو حروف بھی الگ الگ ہیں تو کہتا ہے جی میں نے مخارج کی مشق نہیں کی تو کیا یہ عذر قبول ہو سکتا ہے۔ تو جیسا یہ شخص اس غلطی سے بچ سکتا تھا اسی طرح جب مشق ممکن ہے تو ایسے اغلاط سے ان کو بچنا ممکن ہے صاحبو یہ سب بہانے ہیں

بات اصلی وہی ہے کہ خدا کی محبت اور اس کا خوف دل سے جاتا رہا اگر آج یہ اشتہار دیدیا جائے کہ جو شخص مخارج حروف صحیح کر کے سنادے اس کو فی حرف پانچ روپے ملیں گے تو آج ہی شہر کے شہر قرأت شروع کر دیں اور کچھ نہ کچھ تصحیح کر کے انعام لینے کھڑے ہو جائیں لیکن افسوس ہے کہ خدا کی رضا کیلئے امنگ نہیں پیدا ہوتی یہ تو تفریط تھی متعلمین کی۔

جسے تصحیح الفاظ پر قدرت نہ ہو وہ جس طرح پڑھ سکے جائز ہے

اب افراط سنئے بعض معلمین و مصلحین کا کہ جن سے بالکل نہ ہو سکے وہ ان کو بھی مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بدون اس کے قرآن پڑھنا ہی بے فائدہ ہے جیسا مشہور ہے کہ ایک پیر جی صاحب نے ایک دیہاتی سے پوچھا کہ روزہ کی نیت بھی یاد ہے اس کو چونکہ کوئی خاص عبارت یاد نہیں تھی اس لئے اس نے کچھ نہیں بتلائی۔ پیر جی نے فرمایا کہ بے نیت روزہ نہیں ہوتا دیکھ روزہ کی نیت یوں کر بصوم غدٍ نویت۔ اس بیچارے نے کاہے کو کبھی اس قسم کے الفاظ سنے تھے فوراً تو یاد کر نہ سکا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن روزہ نہ رکھا۔ ان ہی بزرگ نے پوچھا تو یہ کہا کہ بلا نیت روزہ نہیں ہوتا اور نیت یاد نہیں ہوتی غرض جو لوگ صحیح پڑھ سکتے ہیں وہ تو صحیح پڑھیں اور جو لوگ اس پر قادر نہیں ان کو جس طرح وہ پڑھ سکیں جائز ہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب ہماری آواز چونکہ اچھی نہیں اسلئے ہم نہیں پڑھتے سو ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ تحسین صورت اس کو نہیں کہتے کہ خوب راگنی سے گا کر پڑھا جاوے تحسین صورت کے معنی جیسا بزرگوں سے منقول ہے یہ ہیں کہ سننے والے کو اس کی آواز سنکر یہ معلوم ہو کہ اس کے دل پر کسی باعظمت کا رعب چھایا ہوا ہے

عشرۂ اخیرہ کے فضائل اور ضعفاء اور اقویا کے لئے اس میں عبادت کرنے کا دستور العمل

جب قرآن[1] ایسا شرف و معظم ہے تو جس ماہ میں اس کا یہ نزول دفعی ہوا ہے وہ بھی معظم ہوگا بالخصوص وہ عشرہ خاص ماہ رمضان کا کہ جس میں شب قدر ہے کیونکہ رمضان کو جب قرآن کی وجہ سے

[1] جس کا سرخی (قرآن شریف جمال حق کیلئے آئینہ ہے الخ) میں بیان ہوا۔ ۱۲

شرف حاصل ہوا تو رمضان کا وہ حصہ خاص جس میں نزول ہوا ہے دوسرے حصوں کی نسبت اشرف ہوگا اس لئے کہ دوسرے حصوں میں شرف اس حصہ کی بدولت آیا ہے پس جب نزول شب قدر میں ہوا ہے اور شب قدر جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے عشرہ اخیرہ میں ہوتی ہے۔ تو عشرہ اخیرہ بقیہ حصہ رمضان سے ضرور افضل ہوا ایک فضیلت تو عشرہ اخیرہ کی اس نزول قرآن سے ہوئی دوسری فضیلت اس کی اس سبب سے ہے کہ اس میں شب قدر ہے جس کی فضیلت کیلئے خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وما ادراك ما ليلة القدر ليلة القدر خير من الف شهر کیونکہ حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں ہے۔ یعنی ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹ اور بعض حدیثوں میں مطلق عشرہ اخیرہ بھی آیا ہے۔ دونوں کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہے اور یا اکثر تو طاق راتوں میں ہوتی ہو لیکن کبھی کبھی جفت راتوں میں بھی ہو جاتی ہے۔ نیز بعض لوگوں کو جفت راتوں میں کبھی ہونا مکشوف بھی ہوتا ہے تو قوی اور تندرست لوگوں کو تو یہ مناسب ہے کہ وہ اس عشرہ کی ہر رات میں اور شبوں سے زیادہ عبادت کریں اور ضعفاء کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ کم از کم طاق راتوں میں ضرور جاگ لیں۔ صاحبو ایسی برکت اور خیر کی چیز ہے کہ اس سے محروم ہو جانا گویا تمام خیر سے محروم ہو جانا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے من حرم ليلة القدر فقد حرم الخير كله

لیلۃ القدر کی فضیلت اکثر حصہ شب میں جاگنے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور تمام رات جاگنے کی زیادہ فضیلت اور ترغیب

لیکن اسمیں بعض لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اگر جاگا جاوے تو تمام شب جاگا جاوے اور اگر تمام شب نہ جاگا جاوے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا یہ خیال بالکل لغو ہے۔ اگر اکثر حصہ شب میں بھی جاگ لے تب بھی لیلۃ القدر کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر ساری رات بھی جاگ لیا جاوے تو کیا مشکل ہے صاحبو رمضان سال بھر کے بعد آتے ہیں آپ کو معلوم ہوگا کہ پچھلے سال رمضان میں بہت سے لوگ ایسے تھے کہ وہ اس وقت دنیا میں نہیں رہے ہم کو کیا خبر ہے کہ آئندہ رمضان تک کس کس کی باری ہے اس لئے اگر ایسی بڑی نعمت حاصل کرنے کے لئے کوئی ایک دو رات جاگ ہی لیا تو کیا دقت کی بات ہے۔

اگر تمام رات عبادت کرنیکی ہمت نہ ہو تو بہتر ہے کہ اس کیلئے اخیر شب تجویز کیجاوے اور اخیر شب کی خوبیاں

لیکن خیر اگر تمام رات کی ہمت نہ ہو تو اکثر حصہ کو تو چھوڑنا ہی نہ چاہیئے۔ اور بہتر یہ ہے کہ یہ اکثر حصہ اخیر شب کا تجویز کیا جاوے۔ کیونکہ اول تو اس وقت معدہ کھانے سے پُر نہیں ہوتا دعا میں جی لگتا ہے دوسرے حدیث میں آیا ہے کہ خدائے تعالیٰ اخیر شب میں روزانہ اپنے بندوں کے حال پر رحمت خاص متوجہ فرماتے ہیں اس کے علاوہ اخیر شب میں ویسے بھی سکون ہوتا ہے اور اس میں ہر شب شریک ہے۔

شب قدر کو کیسا شخص پاسکتا ہے

کسی نے خوب کہا ہے۔ من لم یعرف قدر اللیلۃ لم یعرف لیلۃ القدر اور اس قول کی وجہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر انہیں راتوں میں سے کسی رات میں ہوگی تو جو شخص راتوں کی قدر کریگا وہ لیلۃ القدر بھی پاویگا۔ جو بیقدری کر کے خواب غفلت میں گزاریگا وہ حسب عادت لیلۃ القدر سے بھی محروم رہیگا اس لئے بعضے بزرگوں نے کہا ہے من احیی السنۃ کلھا ادرک لیلۃ القدر کیونکہ جب سال بھر تک برابر شب بیداری کریگا تو لیلۃ القدر میں عبادت ضرور ہو جاویگی کہ انھیں راتوں میں ایک رات وہ بھی ہے۔ بوستان میں حکایت ہے کہ کسی شاہزادہ کا ایک لعل شب کے وقت کسی جگہ گر گیا تھا اس نے حکم دیا کہ اس مقام کی تمام کنکریاں اٹھا کر جمع کریں اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ اگر کنکریاں چھانٹ کر جمع کیجاتیں تو ممکن تھا کہ لعل انمیں نہ آتا اور جب ساری کنکریاں اٹھائی گئی ہیں تو لعل ضرور آگیا ہے کسی نے اسی کا ترجمہ خوب کیا ہے۔

اے خواجہ چہ پرسی از شب قدر نشانی
ہر شب شب قدر ست اگر قدر بدانی

رمضان کے عشرہ اخیرہ خاصکر ستائیسویں رات میں ضرور بیدار رہنا چاہیئے اور اگر اسمیں شب قدر نہ ہوئی تب بھی اُمید ہے کہ

شب قدر کا ثواب ملے گا

لیکن خیر ایسے باہمت لوگ تو اس وقت کہاں ہیں کہ وہ اس گوہر بے بہا کی تلاش میں سال بھر شب بیداری کریں مگر رمضان کے عشرہ اخیرہ میں تو ضرور ہی بیدار رہنا اور عبادت کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان راتوں میں شب قدر کا ہونا اغلب ہے۔ اور اگر کوئی شخص نہایت ہی کمزور اور کم ہمت ہو تو خیر وہ ستائیسویں رات کو تو ضرور ہی بیدار رہے۔ کہ وہ شب اکثر قدر ہوتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر اتفاق سے وہ رات شب قدر نہ بھی ہوئی تو تم نے بہ گمان شب قدر اس میں عبادت کی تو انشاء اللہ تعالیٰ تم شب قدر ہی کا ثواب عطا ہوگا اور یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے حدیث میں اس کی اصل ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات۔ پھر ممکن ہے کہ اس کلیہ سے کسی کی تشفی نہ ہو تو دوسری حدیث موجود ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں۔ الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحی یوم تضحون جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص نے نہایت کوشش سے رمضان کے چاند کی تحقیق کی اور اس تحقیق کی بناء پر روزہ رکھنے شروع کر دئے۔ پھر ختم رمضان پر عید کے چاند کی اسی طرح چھان بین کی اور اس کی بناء پر عید کرلی اسی طرح عید الضحے میں بھی کیا اور چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ تینوں تحقیق خلاف واقع تھیں تو اس صورت میں دل شکستہ نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ جس دن روزہ رکھا وہی دن عند اللہ باعتبار قبول روزہ کا تھا اور جس دن عید کی وہی دن عید کا تھا یعنی روزہ اور عید دونوں مقبول ہیں پس اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر شب قدر کی نیت سے عبادۃ ہوئی ہے اور اتفاق سے وہ شب قدر نہ ہوئی تو ثواب شب قدر کا ملجاویگا۔ صاحبو اس تقریر کے بعد تو بہت ہی آسان معاملہ ہوگیا۔ اب بھی اگر ہمت نہ کیجاوے تو غضب ہے۔ یہ دوسری فضیلت تھی عشرہ اخیرہ کی

رجوع بجانب سرخی (عشرہ اخیرہ کے فضائل الخ)

تیسری فضیلت اس عشرہ میں یہ ہے کہ اس میں اعتکاف مشروع ہے اور ممکن ہے کہ یہ پہلی فضیلت کا تتمہ ہو جیسا کہ بعض نے کہا کہ اعتکاف شب قدر ڈھونڈھنے کے لئے ہے اور ممکن ہے کہ یہ مستقل فضیلت ہو جبکہ اعتکاف کو دوسری حکمتوں سے بھی مشروع کہا جاوے

خیر جو کچھ بھی ہم کو اس سے کیا غرض ہم کو کام کرنا چاہیئے۔ احکام کے حکم اور مصالح کی تلاش اور کاوش ہمارا کام نہیں کیونکہ یہ علوم فکریہ نہیں ہیں کہ سوچنے اور غور کرنے سے سمجھ میں آجاویں گے۔ یہ الہامی علوم ہیں۔ خدا جس کو دے۔ اس لئے جب تک شرح صدر نہ ہوجاوے اس وقت تک کسی ایک کی تعیین نہ کرنی چاہیئے۔ دونوں احتمال ہیں۔

اعتکاف کے دو درجہ ہیں اور اس کا بیان کہ معتکف کو ہر وقت نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے

اور اس اعتکاف میں دو درجہ ہیں ایک درجہ کمال کا ہے وہ تو یہ ہے کہ ۲۰۔ تاریخ کو قبل از مغرب اعتکاف میں بیٹھے اور عید کا چاند دیکھکر باہر نکلے اور دوسرا درجہ اس سے کم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دس دن سے کم ہو لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر درجہ کمال حاصل نہ ہو تو ناقص درجہ کے حاصل کرنے سے فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر اس قدر نہ ہوگی تو کچھ تو ضرور ہو جاوے گی۔ صاحبو اگر دس دن ممکن نہ ہوسکے ۹ دن ہی اسقدر بھی نہ ہوسکے سات دن ہی۔ غرض جس قدر بھی ہوسکے اور جتنے دن بھی ہوسکے چھوڑنا نہ چاہیئے۔ اور ایک بہت بڑی فضیلت اعتکاف کی یہ ہے کہ معتکف کو ایام اعتکاف میں ہر وقت وہی ثواب ملتا ہے جو کہ نمازی کو نماز میں ملتا ہے۔ دلیل اس کی یہ حدیث ہے لایزال احدکم فی الصلوٰۃ ما انتظر الصلوٰۃ جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر مسجد میں بیٹھکر نماز کا انتظار کیا جاوے تو وقت انتظار میں بھی وہی ثواب ہوتا ہے جو کہ وقت ادار الصلوٰۃ میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ معتکف جب ہر وقت مسجد میں رہیگا تو اس کو صلوٰۃ کا انتظار ضرور رہے گا اگر یہ سوئیگا بھی تو اس نیت سے کہ اٹھ کر فلاں نماز پڑھنی ہے کوئی کام بھی کریگا تو اس نیت کے ساتھ کہ فلاں نماز تک یہ کام ہے غرض اس کا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا ہر ہر حرکت صلوٰۃ کے حکم میں لکھی جائیگی۔ صاحبو اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوگی۔

رجوع بجانب سرخی (عشرہ اخیرہ کے فضائل الخ)

یہ تقریر تو اس پر مبنی تھی کہ عشرۂ اخیرہ میں ایک فضیلت اعتکاف سے ہوئی اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ کہ اعتکاف میں جو فضیلت آئی ہے وہ عشرہ اخیرہ کی وجہ سے ہے کہ زمانہ افضل میں

عبادت کی زیادہ فضیلت ہوتی ہے لیکن یہ ہم کو کچھ مضر نہیں کیونکہ کبھی زمانہ میں بالذات ہی فضیلت ہوتی ہے۔ جیسا کبھی بالغیر بوجہ اس کے مظروف کے ہوتی ہے پس غرض خواہ اعتکاف میں عشرہ کی وجہ سے فضیلت ہو یا عشرہ میں اعتکاف کی وجہ سے دونوں صورتوں میں اعتکاف کی فضیلت ثابت ہے ہم کو اس کا حاصل کرنا ضروری ہے اس کرید کی ضرورت نہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف　　　گر بکشد زہے طرب در بکشم زہے شرف

صاحبو چار دواؤں کا مرکب آپ کے مرض کو مفید ہے آپ کو اسے استعمال کرنا چاہیئے اس تفتیش کی ضرورت نہیں کہ اس دوا سے اس میں قوت بڑھی یا اس سے اس میں یہ تفتیش دوسرے کا کام ہے جو اس فن کو من حیث الفن حاصل کرے مریض کا کام صرف استعمال ہے

؎ کار کن کار بگذار ار گفتار　　　کاندریں راہ کار باید کار

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　　کہ اصلے ندارد دم بے قدم

والدین کی خدمت کی فضیلت اور اس کے ترک پر ملامت خاصکر جبکہ بوڑھے ہوں اور اس کی شکایت کہ آدمی اکثر ان کی تنگ مزاجی سے تنگ ہوتے ہیں اور اس کی وجہ

حدیث میں آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں فرمایا رغم انفہ، رغم انفہ، رغم انفہ، صحابہ یہ الفاظ سنکر گھبرا گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کون شخص آپ نے فرمایا کہ ایک تو وہ شخص کہ اپنی زندگی میں بوڑھے ماں باپ کو پاوے اور ان کی خدمت کرکے جنت حاصل نہ کرے۔ حضور نے بوڑھے کی قید اس لئے بڑھادی کہ اگر ماں باپ خود جوان ہیں تو اول تو وہ اس کے محتاج نہیں ہونگے جیسے اس کے پیر ہاتھ چلتے ہیں ان کے ہاتھ پیر بھی چلتے ہیں دوسرے ان کی خدمت سے دل بھی نہیں گھبراتا۔ اس لئے اگر ان کی کچھ خدمت بھی کردی تو کچھ بڑی بات نہیں۔ بخلاف بوڑھے ماں باپ کے کہ وہ اس کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور چونکہ اکثر قویٰ بالکل کمزور ہو جاتے ہیں خود کچھ بھی نہیں کر سکتے اور اکثر کام

مرضی موافق نہیں ہوتے - تو تنگ مزاج بہت ہو جاتے ہیں - اس لئے ایسے ماں باپ کی خدمت کرنا بوجہ ان کی معذوری کے ضروری اور ان کی تنگ مزاجی سے تنگ ہو جانا اور نافرمانی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ مگر اکثر آدمی تنگ ہونے لگتا ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے زمانہ طفولیت وعالم احتیاج کو بھول جاتا ہے کہ اس وقت والدین نے کیسے کیسے ناز اٹھائے ہیں - اگر وہ یاد رہیں تو بڑا نفع ہو۔

حکایت - ایک بنئے کی حکایت مشہور ہے اس نے اپنے بڑھاپے میں ایک مرتبہ اپنے ایک لڑکے سے دریافت کیا کہ بھائی یہ دیوار پر کیا چیز بیٹھی ہے۔ صاحبزادہ اول تو اس پر دل میں بہت خفا ہوئے کہ اس لغو سوال کی آپ کو ضرورت ہی کیا تھی مگر تہذیب سے کام لیکر بتلا دیا کہ ابا جان کوا ہے بنئے نے پھر پوچھا کہ بھائی یہ دیوار پر کیا چیز بیٹھی ہے صاحبزادہ نے کہا ابھی تو بتلا دیا تھا کہ کوا ہے تیسری بار اس نے پھر پوچھا تو صاحبزادہ نے بگڑ کر جواب دیا کہ تمہارا تو دماغ چل گیا ہے۔ چپکے پڑے رہو اس پر بنئے نے اپنا بہی کھاتہ منگایا - اور کھولکر دکھلایا کہ صاحبزادہ دیکھو تم نے ایک سو بار مجھ سے اپنے بچپن میں یہی سوال کیا تھا اور میں نے ہر مرتبہ محبت سے جواب دیا تھا تم دو ہی بار میں گھبرا گئے۔

بوڑھے ماں باپ کی تنگ مزاجی سے تنگ ہونے کو جو منع کیا جاتا ہے اس پر شبہ اور اس کا جواب اور قرآن کے کلام الٰہی ہونیکی ایک لطیف دلیل

لیکن شاید کوئی شخص یہ کہے کہ صاحب بوڑھوں کی تنگ مزاجی سے ناگواری تو امر طبعی ہے اگر اس پر بھی باز پرس ہے تو سخت مشکل کی بات ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ امور طبعیہ پر خدا تعالیٰ نے کہیں باز پرس نہیں فرمائی باز پرس امور اختیاریہ میں ہے کلام مجید اس شبہ کا خود ازالہ فرما رہا ہے پارہ سبحان الذی میں حقوق والدین کو ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین فانہ کان للاوابین غفورا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین کی ہر وقت کی تنگ مزاجی سے جو گھبراہٹ تمہارے دلوں میں

پیدا ہوگئی ہے یہ تو امر طبعی ہے۔ اگر کوئی خشک کلمہ منہ سے نکل جاوے اسمیں معذور ہو لیکن خدا تعالیٰ دل کی نیت کو جانتا ہے۔ اگر دل میں ان کی اطاعت ہے اور غالب تم میں صلاحیت ہے تو ایسی بے اعتنائی سے معذرت کرنے کو بخش دیتا ہے صاحبو ظاہر نظر میں اس جگہ پر یہ آیت بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی ہے لیکن تقریر بالا سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ مضمون بالا سے کس قدر چسپاں ہے اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کی یہ بھی ایک بہت بڑی دلیل ہے کہ اس میں ہر بات کے وہ وہ مخفی پہلو لئے گئے ہیں کہ دوسرے کے کلام میں اسقدر رعایات ممکن نہیں اسی طرح کلام مجید کی تمام آیتیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ مگر افسوس ہے لوگ کلام اللہ کو رسمی طور پر پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں اس کے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنکر درود نہ پڑھنے پر ملامت

ایک شخص تو رغم انفہ کا محل یہ ہوا دوسرا وہ جس کے سامنے میرا نام آوے اور وہ درود نہ پڑھے۔

رمضان میں توبہ اور اعمال صالحہ کرنا موجب مغفرت ہیں اور ان کے ترک پر ملامت اور اس کا بیان کہ مغفرت کا حاصل کرنا ہر شخص کے اختیار میں ہے

تیسرے وہ شخص [1] کہ رمضان تشریف آئے بھی اور گذر بھی گئے اور اس نے اپنی مغفرت نہ کرائی یعنی ایسے عمل اور توبہ نہ کرلی جس سے گناہ معاف ہوجاتے ایک دوسری حدیث میں بھی مغفرت سے رمضان کے تعلق کی نسبت ارشاد ہوتا ہے ھو شھر اولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ واخرہ عتق من النیران اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کا مہینہ سراپا رحمت ومغفرت ہے پس اس میں انسان اپنی مغفرت کا سامان کرے اور مغفرت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ نیک عمل کرلے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مغفرت کی تحصیل امر اختیاری ہے چنانچہ خدا تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ

[1] رغم انفہ کا محل ہے ۱۲۔

عرضہا السموات والارض اعدت للمتقین الذین ینفقون الخ جس کا خلاصہ یہ ہے
کہ خدا کی مغفرت اور اس کی جنت کی طرف دوڑو جس کو متقی لوگوں کے واسطے تیار کیا گیا
ہے تو جو شخص اس رستہ چلے اور اس مقرر شدہ قانون پر عمل کریگا وہ مغفرت کو حاصل
کریگا جو شخص ایسا نہ کریگا محروم رہے گا۔ پس معلوم ہوا کہ مغفرت کا حاصل کرنا خود ہمارے اختیار
میں ہے اور اگر ہم چاہیں اس کو خود حاصل کر سکتے ہیں کہ متقی بنجاویں۔

بے علم واعظوں کی غلطی اور اس کا بیان کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ہر کام کا ایک قانون مقرر ہے

اس موقع پر بے علم واعظوں کی ایک غلطی کا بیان کرنا بہت ضروری ہے کہ واعظوں میں
کہا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات بالکل بے پروا ذات ہے وہ چاہے تو ایک نکتہ میں بخشدے
اور چاہے تو ایک نکتہ میں جہنم بھیجدے اور یہ بات ایسے طور سے کہتے ہیں جس سے لوگ
یوں سمجھتے ہیں۔ کہ نعوذ باللہ خدا تعالے کے ہاں کوئی مقرر شدہ قانون نہیں بلکہ یوں ہی اناپ
شناپ بے تکے طور پر جو چاہتے ہیں کر دیتے ہیں اس قسم کے مضامین سننے سے اکثر لوگ بالکل
مایوس ہو جاتے ہیں۔ اور عبادت ریاضت سب چھوڑ بیٹھتے ہیں اس لئے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ
خدا جانے کس نکتہ پر اچانک پکڑ ہو جاوے اور ساری محنت برباد ہی جاوے اسی طرح اکثر لوگ
خوب جی بھر کر معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کے ہاں کوئی مقرر
شدہ قانون ہی نہیں ایک نکتہ ہی پر عذاب ثواب کا مدار ہے۔ تو اپنی خواہشات کو کیوں تم کم
کریں اور خواہ مخواہ کی مصیبت کیوں اختیار کریں ممکن ہے اسی میں سے کوئی نکتہ پسند آجائے
کہ اس پر نوازش ہو جائے گویا کارخانہ خداوندی اندھیر نگری کی سلطنت ہے کہ جہاں سارے
کام بے ڈھنگے ہی ہوتے ہیں۔

حکایت۔ مشہور ہے کہ چیلہ گرو سفر کرتے ہوئے ایک شہر پہونچے نام پوچھا تو اندھیر نگر
معلوم ہوا جس کے معنی ہیں بے انصافی کا شہر اشیاء کا نرخ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اناج سے
لیکر گھی دودھ تک ہر چیز سولہ سیر کی ملتی ہے یہ سنکر چیلہ تو بہت خوش ہوا کہ خوب گھی دودھ
کھا کر فربہ ہونگے۔ مگر گرو نے کہا کہ بھائی اس جگہ قیام کرنا مناسب نہیں یہ شہر تو بہت ہی

بے تکا معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بڑے میں کچھ امتیاز ہی نہیں مگر چیلہ نے اصرار کیا آخر رہ پڑے چند روز میں سیر کرتے کرتے عدالت کی طرف پہونچے دیکھا کہ ایک مقدمہ راجہ صاحب کی اجلاس میں درپیش ہے اور لوگوں کا ہجوم ہے پوچھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی چور مدعی ہے مہاجن مدعاعلیہ ہے۔ دعوی یہ ہے کہ ہم دونوں چوری کرنے اس کے گھر گئے نقب لگایا میرا رفیق اندر جانے لگا تو دیوار اوپر سے آپڑی مر گیا قصاص چاہتا ہوں۔ مدعاعلیہ سے بازپرس ہوئی کہ وہ دیوار ایسی کیوں بنائی تھی اس نے کہا معمار سے پوچھئے بنانے والا وہ ہے وہ بلایا گیا اس نے کہا گارہ دینے والے سے پوچھا جاوے اس کو بلایا گیا اس نے کہا کہ گارہ بنانے والے سے پوچھئے اس کو بلایا اس نے کہا سقہ نے پانی ڈالدیا جس سے گارہ پتلا ہوگیا اس کو بلایا اس نے کہا سرکاری ہاتھی چھوٹا ہوا آتا تھا خوف سے پانی زیادہ نکل پڑا فیلبان کو بلایا اس نے کہا ایک عورت پازیب پہنے آتی تھی اس کی جھنکار سے ہاتھی دوڑ پڑا۔ عورت کو بلایا اس نے کہا سنار نے ایسا ہی باجا ڈالدیا تھا اس کو بلایا وہ جواب نہ دیسکا حکم ہوا کہ سنار کو پھانسی دیدیجائے۔ پھانسی کے لئے لے چلے اس کو پھانسی پر چڑھایا گیا تو پھانسی کا حلقہ اس کے گلے سے بڑا نکلا لوگوں نے آکر راجہ صاحب سے عرض کیا کہ حلقہ اس کے گلے سے بڑا ہے راجہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تو کسی موٹے آدمی کو پھانسی دیدو۔ غرض موٹے آدمی کی تلاش شروع ہوئی اتفاق سے مجمع بھر میں اس چیلے سے زیادہ موٹا کوئی نہ نکلا آخر اسی کو تجویز کیا گیا اب تو چیلہ صاحب بہت گھبرائے اور گرو سے کہا خدا کے لئے بچاؤ اس نے جواب دیا میں نہ کہتا تھا یہاں رہنا اچھا نہیں آخر نتیجہ دیکھا آخر گرو نے یہ تدبیر نکالی کہ پھانسی کے وقت خود بڑھکر کہا کہ صاحبو اس کو پھانسی نہ دو مجھکو دیدو۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اس وقت میں نے جوتش میں جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس وقت جو شخص پھانسی دیا جائیگا وہ سیدھا بیکنٹھ میں جاویگا۔ راجہ صاحب نے جو یہ سنا تو بڑھ کر فرمایا کہ اچھا جب ایسی بات ہے تو ہم کو پھانسی دیدو۔ تاکہ جنت ہمیں حاصل کریں چنانچہ راجہ صاحب کو پھانسی دیدی گئی۔ جس کم جہاں پاک صادق ہوا۔ تو ان نیم واعظوں کے ایسے بیانوں سے یوں سمجھا جاتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ کارخانہ خداوندی بھی دوسرا اندھیر نگر ہے۔ صاحبو یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے ہاں ہر کام کا ایک قانون مقرر ہے۔ ثواب کا بھی ایک قانون ہے عذاب کا بھی ایک قانون مقرر ہے۔

مغفرت کا حاصل کرنا امرِ اختیاری ہے اور اس کا طریقہ

ثواب کا قانون توبہ ہی ہے جو اس آیۃ میں ارشاد ہوتا ہے وسارعوا الخ یعنی تقویٰ حاصل کرلو اور مغفرت وجنت لے لو تو معلوم ہوا کہ مغفرت ورحمت کا لینا بالکل ہمارے اختیار میں ہے ورنہ اگر اسکو اختیار میں نہ مانا جاوے تو سارعوا کے کوئی معنی نہیں ہوں گے کیونکہ تکلیف مالا یطاق محال ہے اور خلاف نص ہے اور یہاں امر ہوا مسارعۃ الی المغفرۃ کا توضرور وہ تحت الاختیار ہے پس جب رحمۃ اور مغفرۃ کا حاصل کرنا ہماری اختیار میں ہے تو اس کی تحصیل کی کوشش کرو۔

توبہ میں تاخیر نہ کرنا چاہیئے۔ اگرچہ آیندہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو کیونکہ توبہ کرنا اس حالت میں بھی مفید ہے اور اس کا ترک مضر ہے

اگر یہ خوف ہو کہ توبہ ٹوٹ جاویگی اور گناہوں سے باز نہ رہ سکیں گے تو بھی ہمت نہ ہارو کیونکہ پھر توبہ کرلینا۔ دیکھو اگر ایک کپڑا پھٹتا ہے تو اس کو بالکل پھٹا ہوا نہیں چھوڑتے کہ سینے کے بعد پھر پھٹ جاویگا۔ بلکہ سی کر پھر کام میں لاتے ہیں بس یہی حالت توبہ کی ہے کہ محض اس کے ٹوٹنے کے احتمال سے اس کو ترک کرنا نہ چاہیئے۔ بلکہ اس وقت پھر توبہ کرلینا چاہیئے باب توبہ بند نہیں ہوا۔ بلکہ اگر دن میں سو دفعہ بھی توبہ ٹوٹ جاوے تو پھر توبہ کرلو مایوس نہ ہو جاؤ خوب کہا ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

بلکہ اسی ترک توبہ ہی کی وجہ سے ہم کو معاصی پر زیادہ جرأت ہوگئی ہے کیونکہ جو شخص توبہ کرتا رہیگا اس کے دل میں عظمت خداوندی کسی نہ کسی درجہ میں ضرور باقی رہے گی یہ بڑا سبب ہی معاصی سے رک جانے کا برخلاف اس شخص کے جو کبھی توبہ نہ کریگا وہ خدا کو بالکل بھول جاویگا اور جب اس کی عظمت پیش نظر نہ ہوگی تو کچھ بھی اس سے ہو جانے بعید نہیں۔

عشرہ اخیرہ میں جو منکرات کئے جاتے ہیں ان کی اصلاح

اس عشرہ اخیرہ میں اکثر مساجد میں قرآن شریف ختم ہوتا ہے اس میں اکثر لوگ پڑھنے والوں کو کچھ دیا کرتے ہیں سو یہ لینا چھوڑ دو۔ دوسرے اکثر مساجد میں ختم کے دن شیرینی تقسیم ہوتی ہے اس میں جو گڑبڑ ہوتی ہے سبھی جانتے ہیں اور ان گڑبڑوں کی وجہ سے جو شرعی قباحتیں اُنمیں پیدا ہوجاتی ہیں ان کو بھی متعدد مرتبہ بیان کیا گیا ہے اس وقت صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ اس کے مفاسد پر نظر کرکے اس کو بھی چھوڑ دو دیکھو اس کی بدولت بیچارے بعض غربا پر سخت بار ہوجاتا ہے اس انتظام کے متعلق بعض غریب جولاہوں نے تشکر یہ میں یہ کہا کہ ہم بہت ممنون ہیں کیونکہ ہم کو چندہ دینے کی مصیبت سے بچالیا۔ معلوم ہوا کہ لوگوں پر چندہ لینے سے بار ہوجاتا ہے بتلائیے یہ کیونکر جائز ہوگا۔ بعض رئیسوں نے مجھ سے کہا کہ آپ غریبوں کو منع کیجئے لیکن امیروں کو منع کرنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہ خیال بالکل لغو ہے اس لئے کہ اگر امیوں نے نہ چھوڑا تو شرم و حجاب کی وجہ سے غربا سے چھٹنا بہت مشکل ہے اور اگر امیروں نے چھوڑ دیا تو غریبوں کو چھوڑنا کچھ مشکل نہیں بعض مساجد ایسی بھی ہیں کہ ان میں چندہ سے شیرینی تقسیم نہیں ہوتی لیکن وہاں دوسری خرابیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً ریاؤ نمود کے لئے تقسیم کرنا۔ عوام الناس اور بچوں کی ہجوم سے مسجد کی بے حرمتی ہونا لڑکوں کا حصہ مانگنے میں بلا وجہ پٹنا غرض اس قسم کی بہت سی خرابیاں ہیں کہ زیرک آدمی ان کو خود سمجھ سکتا ہے۔ ایک مرتبہ بریلی میں قرآن سنانے کا اتفاق ہوا ختم کے روز میرے بھائی نے تقسیم شیرینی کے لئے کہا میں نے منع کیا لیکن انھوں نے کہا کیا مضائقہ ہے ان کا اصرار دیکھکر میں نے سوچا کہ بہتر یہ ہے کہ ان کو خود ان خرابیوں کا مشاہدہ ہوجاوے چنانچہ میں خاموش ہو رہا شب کو شیرینی تقسیم کی گئی۔ اور انھوں نے اپنے اہتمام سے خود تقسیم کی لوگوں کے بے ڈھنگے پن کو دیکھکر وہ اس قدر پریشان ہوئے کہ بعد تقسیم خود کہا کہ آپ کی رائے بہت صائب تھی واقعی یہ خرافات کبھی نہ کرنی چاہئیے۔ اور اس کا احساس ان کی دانشمندی کی دلیل ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ بعض لوگ باوجود خرابیاں سمجھ جانے کے بھی اپنے خیال سے باز نہیں آتے اور اس کو نہیں چھوڑتے۔

آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع کا پڑھنا بدعت ہے اور گو اس کے اندر مصلحتیں ہوں لیکن جب کہ اس کے اندر مفاسد بھی ہیں اور جو دامر ضروری بھی نہیں ہے اس لئے اس کا ترک لازم ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر رمضان۔ ہو شہر اولہ رحمۃ و اوسطہ مغفرۃ و آخرہ عتق من النیران۔ یہ حدیث شریف ایک بڑی حدیث کا جزو ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان المعظم کے آخری جمعہ کے دن خطبہ میں پڑھا تھا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری جمعہ میں ایک خاص خطبہ پڑھا جو کہ اور جمعوں میں نہ پڑھتے تھے مسلمانوں سے تعجب ہے کہ انھوں نے اس منصوص خطبہ پر تو توجہ نہ کی اور شعبان کے آخری جمعہ کے لئے کوئی خاص خطبہ تجویز نہ کیا جس سے وہ عامل بالسنت ہوتے اس کے بجائے رمضان کے آخری جمعہ کے لئے ایک خاص خطبۃ الوداع اختراع کیا جس کا کہیں حدیث میں پتہ نہیں اور پھر اس کے ساتھ ایسا شغف ہوا کہ بغیر اس خاص خطبہ کے پڑھے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا جمعہ ہی نہیں ہوا۔ اگرچہ بحمد اللہ اس وقت لوگوں کو اس کے نہ پڑھنے سے وہ وحشت جو کہ اس کے قبل ہوتی تھی نہیں ہوتی لیکن تاہم اب بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کہ اس خاص الوداعی خطبہ کو آخری جمعہ رمضان کا لازمی عمل سمجھتے ہیں اور بڑا تعجب تو یہ ہے کہ بعض اہل علم کو بھی دھوکا ہو گیا اور وہ سخت غلطی میں مبتلا ہو گئے کہتے ہیں کہ اگرچہ آخری جمعہ کے لئے کوئی خاص خطبہ تجویز کرنا بدعت ہے لیکن چونکہ اس کی وجہ سے لوگ اکثر جمع ہو جاتے ہیں اس لئے اس کو اجتماع کے لئے معین اور ادار صلوٰۃ کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے باقی رکھنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ سخت غلطی اور من وجہ خدا و رسول پر اعتراض کرنا ہے۔ غلطی تو اس لئے کہ شریعت کا مشہور حکم ہے کہ اگر کسی کام کے کرنے میں کچھ مصلحتیں بھی ہوں اور کچھ مفاسد بھی ہوں اور وہ کام بالذات یا بالغیر مطلوب شرعی نہ ہو تو ان مفاسد پر نظر کر کے اس کام کو ترک کر دینگے اور مفاسد سے بچیں گے مصالح کا اعتبار نہ کرینگے اور یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے جس کو اہل علم بخوبی سمجھ گئے ہونگے۔ لیکن عوام کے سمجھانے کے لئے میں اس کی ایک مثال بیان کرتا

ہوں۔ مثلاً ایک شخص مجلس رقص منعقد کرے اور یہ کہے کہ اگرچہ رقص فی نفسہ ممنوع و حرام ہے لیکن میری غرض اس مجلس سے لوگوں کو جمع کرنا ہے تاکہ جمع ہوجانے کے بعد میں اپنی وجاہت سے کام لیکر ان کو نماز پڑھنے پر مجبور کردوں اور اسی طرح ان کو نماز پڑھنے کی عادت ..... ہوجاوے تو دیکھئے بظاہر اس مجلس کی غایت کس قدر خوبصورت ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو نماز پڑھنے کی عادت ڈالی جاتی ہے لیکن چونکہ اس مجلس میں ایک مصلحت کے ساتھ بہت سے مفاسد بھی ہمدوش ہیں اور مجلس رقص بالذات یا بالغیر مطلوب نہیں جیساکہ ظاہر ہے اسلئے شریعت اس مصلحت مذکورہ کی وجہ سے اس کی اجازت نہ دیگی بلکہ اس کے مفاسد پر نظر کرکے اس مجلس کے انعقاد سے باز رکھیگی۔

جو امر کہ خود ضروری ہو لیکن اس کے اندر مفاسد بھی شامل ہوگئے ہوں تو اس سے منع نہ کیا جاویگا بلکہ خود ان مفاسد کا انتظام کیا جاویگا جیسے نماز عید کیلئے عیدگاہ میں جمع ہونیمیں اگر مفاسد پیدا ہوجاویں

ہاں اگر کوئی کام بالذات یا بالغیر مطلوب ہو اور اس میں مصالح کے ساتھ مفاسد بھی ہوں تو اس کام کو ان مفاسد کی وجہ سے ترک نہ کیا جاویگا بلکہ اس کو باقی رکھکر مفاسد کی اصلاح کرنیکی کوشش کیجاویگی۔ مثلاً عیدگاہ کا اجتماع ادائے صلوٰۃ کے لئے شرعاً مطلوب ہے پھر اگر لوگ اپنی بدتمیزی کی وجہ سے اس میں کچھ خرابیاں آمیز کرلیں جیساکہ مثلاً آج کل عام طور سے بچوں کو عیدگاہ میں لیجانے کا رواج ہوگیا ہے جس کو دیکھو وہ اپنے ساتھ ایک دم چھلا ضرور لئے ہے۔ اور حیرت تو یہ ہے کہ باوجود ہر سال تکلیف اٹھانے کے پھر بھی لوگوں کو اس کی ذرا حس اور تمیز نہیں ہوتی۔ شاید کوئی سال ایسا ہوتا ہو کہ بچے عیدگاہ میں جاکر عین نماز کے وقت رونا بسورنا نہ شروع کرتے ہوں۔ بلکہ ایک دو تو ان میں سے ہگ موت بھی دیتا ہے۔ خود میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ میرے ایام تعلیم میں ایک میرا عزیز کم عمر میرٹھ کی عیدگاہ میں والد صاحب کے ساتھ گیا اور اس نے نماز کے وقت تقاضائے حاجت کی فرمائش کی اس کی فرمائش سنکر سخت پریشانی ہوئی۔ اول تو عین نماز کا وقت دوسرے میرٹھ کی عیدگاہ

جس میں ہزاروں آدمیوں کا مجمع کہیں قریب ایسا جنگل بھی نہیں جس میں اس کو بٹھلا دیا جاتا پھر نماز کھڑے ہونے کا وقت بالکل قریب آخر یہ تجویز ہوئی کہ ایک حلوائی کو چار آنہ دئے گئے اس نے اپنے تخت کے نیچے ان کو بٹھلا لیا۔ چاروں طرف سے کپڑا لٹکا ہوا تھا اوپر رنگ برنگ کی مٹھائی اور اندر یہ تحفہ بھرا ہوا تھا۔ (جملہ معترضہ)

ہمارا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہے

یہاں ایک عبرتناک مضمون خیال میں آیا کہ یہی حالت ہم لوگوں کی ہے کہ اس مٹھائی کی طرح ہمارا ظاہر تو نئے انداز سے پر رونق اور چکنا چپڑا رہتا ہے لیکن ہمارے باطن کی یہ حالت ہے گو در گو مرغی کا گو۔ ہوائے نفسانی سے لبریز بے ہودہ خیالات سے پر خدا سے دور شیطان سے قریب۔ ایک محقق نے خوب فرمایا ہے ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل — واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید — واز درونت ننگ میدارد یزید

صورت تو ایسی مقطع کہ معلوم ہو کہ اگر وحی منقطع نہ ہو چکی ہوتی تو حضرت جبریئل انھیں کی خدمت میں آتے اور دل کی یہ حالت کہ شیطان کے بھی شیطان جیسا حدیث میں آیا ہے السنتھم احلی من السکر وقلوبھم امر من الذیاب یلبسون جلود الضان۔

رجوع بجانب سرخی (جو امر کہ خود تو ضروری ہو الخ)

غرض عیدگاہ کی حاضری میں مصلحت بھی ہے اور مفسدہ بھی ہے تو اگر کوئی عاقل پہلے کلیہ کی بناء پر یہ کہے کہ ان مفاسد کی وجہ سے عیدگاہ کا اجتماع بھی چھوڑ دینا چاہیئے تو اس سے کہا جاویگا کہ چونکہ عیدگاہ کا اجتماع شریعت میں مطلوب ہے اس لئے اس موقعہ پر وہ قاعدہ نہ برتا جاویگا۔ اور عید کا جانا ترک نہ کیا جاویگا۔ بلکہ بجائے اس کے ان مفاسد کی اصلاح کی کوشش کیجاویگی۔ یعنی مثلاً لوگوں سے کہا جاویگا کہ بچوں کو عیدگاہ میں لے کر نہ آیا کریں۔

نماز عید کے لئے عیدگاہ میں جمع ہونا شریعت کو مطلوب ہے اور

اس کا راز اور اس کا بیان کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا گو اس سے وساوس آتے ہوں تنہا نماز پڑھنے سے بہتر ہے

اور اگر کسی کو اس اجتماع کی مطلوبیت میں کلام ہو جیسا اس وقت بعض نام کے مشائخ بجائی عیدگاہ کے اپنی مساجد ہی میں بلا ضرورت صرف امتیاز کے لئے عیدین پڑھتے ہیں تو میں اس کا ثبوت حدیث سے دیتا ہوں۔ دیکھئے مسجد نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے لیکن باوجود اس کثرت ثواب کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس موقع پر عیدگاہ میں تشریف لے گئے۔ اور مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی تب معلوم ہوا کہ عیدگاہ کا اجتماع ایک مہتم بالشان مطلوب ہے۔ اور ممکن ہے کہ عیدگاہ کے ثواب میں بجائے کثرت کمی کے کیفا کثرت ہو جاتی ہو۔ یعنی وہ ایک ثواب ہی ان پچاس ہزار ثواب سے زیادہ ہوتا ہو اور اسی کثرت کیفی کی وجہ سے نبی کریم مسجد کو چھوڑ کر عیدگاہ جاتے ہوں اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بچے کے سامنے ایک گنی اور دس روپے پیش کئے جاویں تو بچہ دس روپوں کو عدد میں زیادہ دیکھکر انھیں کو اٹھالیگا۔ لیکن اگر کسی بڑے آدمی کے سامنے ان دونوں کو پیش کیا جاوے تو وہ روپوں کو چھوڑ دیگا اور گنی اٹھالیگا۔ کیونکہ گنتی میں گو ایک اور دس کا فرق ہے لیکن کیفا وہ ایک اُن دس سے زیادہ ہے پس اسی طرح ممکن ہے کہ عیدگاہ کے اجتماع میں کیفا اس قدر ثواب ہو کہ مسجد نبوی کے اجتماع میں وہ نہ ہو۔ اور ہر چند کہ یہ تضاعف ثواب مسجد نبوی کا مخصوص ہے فرائض کے ساتھ اور اس وجہ سے ممکن ہے کہ کسی کو استدلال مذکور میں خدشہ ہو کر صلوٰۃ عیدین میں یہ تضاعف مسجد نبوی میں نہ ہوتا پس استدلال تام نہیں۔ سو جواب یہ ہے کہ واجب بھی ملحق ہوتا ہے فرض کے ساتھ پس دونوں کا یکساں حکم ہوگا اور عیدگاہ کے اجتماع میں بالخصوص یہ بھی بھید ہے کہ مسلمان مختلف اطراف سے سمٹے ہوئے ہر ایک میدان میں جمع ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تو ان کا اجتماع ان کے بدخواہوں کے قلب پر موثر ہوتا ہے اور اسلامی شوکت ظاہر ہوتی ہے اور یہ اعظم مقاصد ملت سے ہے اور اور اس خاص اجتماع میں مطلق اجتماع جو متحقق ہے وہ خود بھی اسرار مہمہ پر مشتمل ہے۔ چنانچہ ایک ادنیٰ راز یہ ہے کہ سب کی عبادات مجتمع ہو کر جو سرکار میں پیش ہونگی اگر بعض بھی قابل قبول ہوئی تو اس کی برکت سے بقیہ بھی مقبول ہونگی۔ اور انھیں حکمتوں سے شرع میں جماعت کا بہت اہتمام ہے

حتی کہ جماعت کی نماز اگر وسوسوں کے ساتھ بھی ہو تب بھی تنہا نماز سے بدرجہا بڑھکر ہے اس لئے کہ وہ شرعاً مطلوب ہے اور قطع وساوس اس درجہ مطلوب نہیں ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں　　　خاک برفرق قناعت بعد ازیں

افسوس ہے کہ بعض اکابر کو یہ دھوکا ہوگیا کہ اگر جماعت کی نماز میں وسوسے آویں اور تنہائی میں اجتماع قلب ہو تو تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے جماعت کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور اس کو ہم اپنی رائے سے غلط نہیں کہتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی تغلیط فرمائی ہے۔ ہم ان بزرگوں پر اعتراض نہیں کرتے۔ ہم صرف ان کی غلطی کا اظہار کرتے ہیں۔

حاصل سابق نماز عید کے لئے عیدگاہ میں اجتماع کا مطلوب ہونا اور بچوں کے وہاں لیجانے کی ممانعت

غرض چونکہ شریعت میں اجتماعی مصالح کی زیادہ رعایت ہے اور ظاہر ہے کہ جو اجتماع عیدگاہ میں ہوگا مسجد میں نہ ہوگا لہذا اگو کمّاً عیدگاہ کا ثواب زیادہ نہ ہو لیکن کیفاً زیادہ ہے اس لیے باوجود کسی مفسدہ کے اسمیں جمع ہونا ترک نہ کرینگے بلکہ اس میں جو مفسدہ بچوں کے اجتماع کا ہے اس کی اصلاح کرینگے اور ہم خود کیا اصلاح کرینگے ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خود اس کی اصلاح فرماگئے ہیں ارشاد ہے جنبوا مساجد کم صبیانکم کہ اپنی مسجدوں سے اپنے بچوں کو علیحدہ رکھو لیکن ممکن ہے کہ کوئی صاحب عیدگاہ کو مسجد میں داخل نہ کریں اس لئے استدلال مذکور کو کافی نہ سمجھیں تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ مساجد کم میں دو احتمال ہیں یا تو اس کو عام لیا جاوے کہ مطلق مقام صلوٰۃ مراد ہو تب تو عیدگاہ کا اس حکم میں داخل ہونا ظاہر ہی ہے اور اگر اس کو عام نہ لیا جاوے تو گو ان الفاظ میں عیدگاہ داخل نہ ہوگی لیکن یہ دیکھنا چاہیئے کہ آخر علت اس حکم کی کیا ہے۔ سو ظاہر ہے کہ علت اس حکم کی یہی ہے کہ چونکہ بچے پاک صاف نہیں ہوتے ان کی آمد و رفت سے ایسی جگہ کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہے جہاں نماز ہوگی۔ اور اس سے نماز میں خلل پڑیگا اور یہ علت جیسے کہ مسجد میں پائی جاتی ہے عیدگاہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ لہذا وہاں بھی یہ حکم جاری ہوگا۔ چنانچہ خود عیدگاہ کے باب میں حضور کا ارشاد ہے ولیعتزلن الحیض المصلےٰ۔

رجوع بجانب سرخی (آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع پڑھنا بدعت ہے الخ)

پس اس مثال سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ وہ کلیہ اس وقت ہے جبکہ وہ امر مطلوب نہ ہو ورنہ مفسدہ کی اصلاح کرینگے۔ اور اس کام کو ترک نہ کرینگے۔ یہ تو دعویٰ غلطی کی دلیل میں تھا۔ رہا دوسرا دعویٰ کہ خطبۃ الوداع میں مصلحتیں بیان کرنا من وجہ خدا اور رسول پر اعتراض ہے۔ سو اس کا بیان یہ ہے کہ جب بعض بدعتیں بھی بوجہ مصالح مطلوب ہوئیں تو گویا اس شخص کے نزدیک کتاب وسنت کی تعلیم ناتمام ہوئی کہ بعض مصالح ضروریہ کی تعلیم میں فرو گذاشت ہوگئی۔ کیا کوئی اس کا قایل ہوسکتا ہے اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو ضلالت فرمایا ہے۔ اور بعض بدعت کے حسنہ ہونے سے اگر شبہ ہو تو درحقیقت وہ بدعت ہی نہیں۔ اور اس قسم کا احتمال خطبۃ الوداع میں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر یہ معنیٰ سنت ہوتا تو سلف میں اس کی نظیر ضرور ہوتی۔ پھر بعد عرق ریزی کے اگر کوئی دور کی نظیر نکال بھی لیجاوے تو دوسرے مانع کا کیا جواب ہوگا۔ کہ عوام کے التزام سے بدعت ہوگیا۔ اور بدعت بھی بدعت ضلالت جس پر حضور نار کی وعید فرمارہے ہیں۔ اور حضور کا ارشاد عین ارشاد حق ہے تو ایسے امر کا التزام اور اس میں مصلحتیں نکالنا خدا ورسول پر اعتراض بھی ہے اور خدا ورسول سے مزاح بھی ہے۔

تربیت اور ارشاد ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ اور جو لوگ اس کے اہل ہیں ان کی پہچان

اہل علم کی ایسی ہی لغزشوں کی وجہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ بعضے لوگ بدعات میں مصالح بیان کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے یہ کہا جاتا ہے کہ تربیۃ اور ارشاد خصوص حکمت فہمی اور اجتہاد ہر شخص کا کام نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے چند اصطلاحات یاد کرکے مسند ارشاد پر متمکن ہوجاوے۔ بلکہ یہ اس شخص کا کام ہے کہ ظاہری ضروری علم کے ساتھ مدد خداوندی بھی اس کے ساتھ ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ علماء امت نے اس کے اقوال کو قبول کرلیا ہو اور علماء کا گروہ اس کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ اس قسم کی ایک لغزش یہ ہے کہ بعضے لوگ جمعہ کی

نسبت کہتے ہیں کہ دیہات میں گو نہ ہو لیکن اگر پڑھ ہی لیا جائے تو نہ پڑھنے سے تو بہر صورت پڑھنا اچھا ہے۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ بمبئی میں گو حج نہیں ہوتا لیکن اگر پھر بھی کر لیا جائے تو کیا حرج ہے۔ نہ کرنے سے تو اچھا ہی ہے۔ اس کا کیا جواب ہے آخر یہی کہو گے کہ بمبئی حج کا محل نہیں میں کہونگا دیہات جمعہ کا محل نہیں۔

مقتدا وہ ہو سکتا ہے جو کامل العقل ہو۔ اور بھولا ہونا کوئی کمال نہیں

غرض فہم دین کے لئے عقل کامل کی ضرورت ہے۔ اسمیں ظاہر بینی اور بھولا بھالا ہونے سے کام نہیں چلتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء؏ کامل العقل ہوئے ہیں کوئی نبی بھی بھولا نہیں ہوا اکثر لوگ بزرگوں کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ بہت بھولے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ بھولے ہونے سے اگرچہ بعض اوقات انسان بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے اور اسلئے بھولا ہونا بھی گو نہ فضیلت ہے لیکن فی نفسہ بھولا ہونا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ اس سے آدمی بہت سے فضائل سے محروم رہتا ہے اس لئے کوئی نبی بھولا نہیں ہوا۔ تمام انبیاء کرام کامل العقل ہوئے ہیں۔ اور واقع میں عقل ہے بھی بڑی نعمت۔

سالک کا مجذوب سے افضل ہونا اور عقل کی فضیلت

حکایت۔ ایک صوفی سے میرے سامنے ایک شخص نے سوال کیا کہ سالک کا مرتبہ بڑا ہے یا مجذوب کا انھوں نے اس کا عجیب جواب دیا مجھے وہ جواب بہت ہی پسند آیا فرمانے لگے کہ اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ عقل اتنی بڑی نعمت ہے کہ شریعت نے شرب خمر کو حرام کر دیا جس سے وہ زایل ہوتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ سالک کی عقل ٹھکانے رہتی ہے۔ اور مجذوب عقل سے باہر ہوتا ہے۔ اب تم خود سمجھ لو کہ سالک کا رتبہ بڑا ہے یا مجذوب کا۔ شرح الصدور علامہ سیوطی رح کی ایک کتاب ہے۔ وہ اسمیں ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی کہ جب تم قبر میں تن تنہا رکھے جاؤگے۔ اور دو نہایت عجیب الخلقت فرشتے تم سے آکر توحید و نبوت کے بارے میں سوال کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اور کس قدر پیارا جواب عرض کیا۔ اور اگر وہ بھی یہ جواب نہ دیتے۔ تو کون دیتا عرض کیا

یارسول اللہ یہ فرمائیے کہ اس وقت ہماری عقل رہیگی یا نہیں۔ حضور نے فرمایا کہ ہاں عقل باقی رہے گی بلکہ عقل میں اور ترقی ہو جاویگی۔ (کیونکہ ہیولانی حجاب اس وقت باقی نہ رہیں گے) حضرت عمرؓ نے کہا کہ یارسول اللہ اگر عقل باقی رہے گی تو کوئی خوف کی بات نہیں۔ انشاء اللہ سب معاملہ درست رہیگا۔ دیکھئے یہ حضرات صحابہ عقل کی کس قدر عزت کرتے تھے اور اس کو کتنی بڑی نعمت سمجھتے تھے۔ ایک ہم لوگ ہیں کہ ذہاب عقل کو امارات بزرگی سے سمجھتے ہیں ایک قصہ اس مقام پر یاد آیا گو میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا اور اس لئے ممکن ہے کہ غلط ہو لیکن اس کے غلط ہونے سے ہمارا ضرر نہیں۔ کیونکہ ہم تو اپنے مضمون کو حدیث سے مؤید کر چکے ہیں۔ وہ قصہ یہ ہے کہ حضرت رابعہ کو جس وقت دفن کیا تو حسب قاعدہ فرشتوں نے آکر سوال کیا تو حضرت رابعہ نہایت اطمینان سے جواب دیتی ہیں کہ کیا اس خدا کو جس کو عمر بھر یاد رکھا گز بھر زمین کے نیچے آکر بھول جاؤنگی۔ تم اپنی خبر لو کہ بڑی مسافت طے کرکے آئے ہو تم کو بھی یاد ہے کہ نہیں۔ سبحان اللہ ان حضرات کا یہی اطمینان ہے۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست ۔۔۔ گویم آنکس کہ ربود ایں دل دیوانۂ ما

کیسے اطمینان سے فرماتے ہیں کہ میں تو یہ جواب دونگا کہ "آنکس کہ ربود ایں دل دیوانۂ ما" تو یہ سارا اطمینان بقاء عقل ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس صوفی نے یہ کہا کہ بھائی سالک کا رتبہ بڑا ہے کیونکہ اس کی عقل باقی رہتی ہے جس کی بدولت اس کو سینکڑوں مصیبتوں سے نجات ہو جاتی ہے۔

سالک سے خلق کو ہدایت ہوتی ہے اور مجذوب محض اپنے کام کا ہوتا ہے

لیکن اب یہ سمجھنا چاہئے کہ انبیاء تو سب کے سب کامل العقل ہوئے اور صوفیہ میں جو کہ انبیاء ہی کے نائب ہیں کچھ سالک یعنی کامل العقل اور کچھ مجذوب یعنی جن کی عقل غلبہ حالات سے مغلوب ہو گئی ان میں یہ دو قسمیں کیوں ہوئیں۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو سب کے سب ارشاد و تربیت کی غرض سے بھیجے گئے تھے اس لئے ان کا کامل العقل

ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ اس کے بغیر تربیت نہیں کر سکتے تھے۔ اور اولیاء بعضے تو ارشاد خلق کی غرض سے پیدا ہوتے ہیں ان کو تو سلوک کا مرتبہ عطا ہوتا ہے تاکہ بقاء عقل کے ساتھ تربیت کا کام انجام دے سکیں۔ اور یہی لوگ ہیں جن کو ورثۃ الانبیا کہا جاتا ہے اور بعضے محض اپنے ہی کام کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق تربیت نہیں ہوتی۔ مجذوبین ان ہی میں ہوتے ہیں۔ گو بعض غیر مجذوبین بھی ایسے ہوتے ہیں۔ ان کی یہ شان ہوتی ہے

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

بخلاف سالکین کے کہ اُن کی حالت اِن کی حالت کے بالکل خلاف ہے۔ ان کی یہ حالت ہے کہ ع خاص کند بندہ مصلحت عام را۔

مجذوبین کے فیض کا غیر اختیاری ہونا

ہاں مجذوبین سے بھی ایک قسم کا فیض ہوتا ہے جو بلا ان کے اختیار کے محض وجود باجود کی بدولت ہے۔ سو اس کے لئے بھی عقل کی ضرورت نہیں۔ عقل کی ضرورت اس فیض کے لئے ہے جو با اختیار ہو۔ غیر اختیاری فیض کی مثال آفتاب کا نور ہے کہ گو آفتاب قصد نہ کرے لیکن اس کا نور عالم کو پر نور ضرور کریگا۔ اسی طرح اللہ کے نیک بندے جہاں کہیں ہوتے ہیں ان کی برکات عالم کو منور ضرور کرتے ہیں۔ اسی برکت کی نسبت ارشاد خداوندی ہے۔ ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔ جیسا کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے کہ بدکاروں کی بدولت اچھے لوگ تباہ وہلاک ہوجاتے ہیں۔

اس کا بیان کہ دیندار کو خدا تعالیٰ کی مخالفت پر غیظ و غضب کا ہونا لازم ہے۔ اور یہ حمیت دین ہے نہ کہ تعصب جیسا آجکل سمجھا جاتا ہے

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس سے پہلا قاعدہ ٹوٹ گیا۔ کیونکہ وہ اچھے لوگ جو کہ ان بدکاروں کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے یا تو وہ صورۃ اچھے ہوتے ہیں۔ واقع میں اچھے ہی نہیں ہوتے

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ فلاں شہر کو الٹ دو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ اس شہر میں فلاں شخص رہتا ہے جس نے کبھی آپکی نافرمانی نہیں کی۔ کیا اس کو بھی سب کے ساتھ الٹ دوں۔ ارشاد ہوا کہ گو ظاہراً اس نے نافرمانی نہیں کی۔ مگر دوسروں کی نافرمانی دیکھکر اس میں کبھی تغیر پیدا نہیں ہوا لہٰذا اس کو بھی الٹ دو۔ دیکھئے یہ شخص ظاہری حالت میں ایسا بزرگ تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی دھوکا ہوگیا۔ لیکن واقع میں ایک بہت بڑے گناہ میں مبتلا تھا کہ اس کو خدا تعالیٰ اور اس کے احکام کے ساتھ محبت کا جوش ذرا نہیں تھا۔ ورنہ یہ ممکن نہیں کہ خدا و رسول کی محبت ہو اور ان کی مخالفت و نافرمانی دیکھکر یا شریعت کا استخفاف سنکر اس کے دل میں مخالفین سے غیظ نہ پیدا ہو یا اس کو ان کی حرکات ناگوار نہوں۔ اگر کسی دیندار کو ایسے امور ناگوار ہوتے ہیں تو اس کو متعصب اور بدمزاج کہا جاتا ہے اور یہ رائے دیجاتی ہے کہ صاحب نرمی سے جواب دینا چاہیئے تھا مگر میں یہ کہتا ہوں کہ کسی شخص سے یہ کہا جاوے کہ ہم نے تمہاری ماں کو بازار میں بیٹھے ہوئے اور بازاری عورتوں کی حرکات میں مبتلا پایا ہے تو کیا یہ شخص اپنی ماں کی نسبت ٹھنڈے دل سے یہ الفاظ سن لیگا اور کہنے والے پر حملہ کرنے کو آمادہ نہ ہو جاویگا۔ کیا اس کے اس جوش کو تعصب کہا جاویگا اسی کو بھی ایسی رائے دیجاویگی مگر مولویوں پر الزام ہے کہ یہ بہت جلد خفا ہو جاتے ہیں اور ان کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے یہ بڑے متعصب ہیں۔ لیکن صاحبو ذرا غور کیجئے اور انصاف سے کام لیجئے۔ کوئی مولوی بھی سیدھی بات پر خفا نہیں ہوتا۔ نہ کسی مولوی کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے۔ اگر پوچھنے کی طرح اُن سے پوچھا جاوے اور بات کرنے کی طرح اُن سے بات کیجائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مولوی غصہ کریں۔ اور خفا ہوں ہاں جب اُن کے ساتھ استہزاد اور خدا و رسول کے احکام پر اعتراض بطور عناد کیا جاتا ہے تو ضرور وہ بیتاب ہو جاتے ہیں۔ اور یہ غصہ یا بیتابی تعصب نہیں ہے یہ دین کی حمیت ہے۔ صاحبو کیا شریعت کے احکام کی وہ عظمت اور محبت بھی دل میں نہ ہونا چاہیئے۔ جو کہ اپنی ماں کی ہے کہ ماں کی نسبت ناگوار کلمات سنکر تو انسان تالو سے باہر ہو جائے اور اپنے آپے میں نہ رہے اور شریعت کی ہتک ہوتے ہوئے دیکھکر اس کو غصہ بھی نہ آجاوے اور جن کو غصہ نہیں آتا وہ ناحقیقت شناس ہیں۔ اس لئے ان کو غیرت نہیں آتی۔ کچھ دنوں اس رنگ میں آپ نے قلب کو رنگو اور پھر بھی اگر یہ حالت رہے تو جانیں۔ صاحبو محض الفاظ کے

سننے سے پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتا کہ یہ کیفیت کیونکر ہوجاتی ہے وجہ یہ ہے کہ اپنے اوپر یہ حالت گذری نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

پرسید یکے کہ عاشقی چیست ۔ گفتم کہ چو ما شوی بدانی

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تقلیداً ہی کہہ رہا ہوں۔ لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جن حضرات کی تقلید اختیار کی ہے ان کو سچا سمجھتا ہوں۔

محبان حق کی کیا حالت ہوتی ہے اور اس کا بیان کہ جو لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہیں وہ جنت میں آپکے ساتھ رہینگے

صاحبو ان حضرات کی غیرت کی یہ حالت تھی کہ خدا و رسول سے دور کرنے والی چیزوں کو گو وہ چیزیں ان کی کیسی مرغوب و محبوب ہوں طاغوت سمجھتے ہیں حضرت طلحہ رض کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک پرند اس میں اڑکر آگیا۔ اور چونکہ باغ نہایت گنجان تھا باہر نکل جانے کے لئے اس کو کوئی راستہ نہ ملا۔ پریشان ادہر ادھر اڑتا پھرنے لگا۔ اس پرند کی یہ حالت دیکھکر حضرت طلحہ رض کے دل میں باغ کے گنجان ہونے پر گونہ مسرت پیدا ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ ماشاء اللہ میرا باغ کس قدر گنجان اور اس کے درخت ایک دوسرے سے کیسے پیوستہ ہیں۔ کہ کسی پرندہ کو بھی باسانی نکل جانے کی جگہ نہیں ملتی۔ یہ خیال آنا تو گیا لیکن چونکہ دل میں عظمت و محبت خداوندی معراج کمال پر تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پربرکت سے فیضیاب تھے اس لئے فوراً ہی تنبہ ہوا۔ اور دل میں سوچے کہ اے طلحہ تیرے دل میں مال کی یہ محبت کہ حالت نماز میں تو ادہر متوجہ ہوا آخر نماز کے بعد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے باغ نے آج مجھے عین نماز کی حالت میں خدا سے مشغول کرکے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ لہذا اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا اور اس شغل عن الحق کے کفارہ میں میں اس کو وقف کرتا ہوں آخر اس کو وقف کردیا۔ جب دل کو اطمینان ہوا ان حضرات کی یہ شان ہے کہ اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون کہ اگر شیطان کے وسوسہ سے کسی ضعیف سے درجہ میں بھی ان کے قلب کو میلان الی الدنیا ہوجاتا ہے تو فوراً متنبہ ہوتے

ہیں اور ایسا قلق ہوتا ہے کہ گویا ہفت اقلیم کی سلطنت ان کے قبضہ سے نکل گئی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت نکل جانے سے بھی اتنا صدمہ نہیں ہوتا جو ان حضرات کے قلب پر اس میلان کے سے ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف چہ ایماں ۔۔۔ ہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

شاید لوگوں کو یہ تعجب ہو کہ ذرا سا خیال آجانے سے ان کے دل پر ایسا صدمہ کیسے گذرا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان لوگوں کے نزدیک تمام دنیا میں شغل بحق کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود ۔۔۔ گر زباغ دل خلالے کم بود

ایک خلال اتنا قیمتی ہے کہ دنیا تمام اس پر فدا ہے اور دنیا تو ان کو کیا مطلوب ہوتی۔ عالم آخرت کی طرف بھی ان حضرات کی توجہ صرف اس لئے ہے کہ وہ ان کے مطلوب یعنی رضائے حق کا محل ہے۔ ورنہ ان کی یہ شان ہے کہ ؎

باتو دوزخ جنت ست اے جانفزا ۔۔۔ بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

اور مولنا یہ بھی فرماتے ہیں۔

گفت معشوقے بعاشق کای فتے ۔۔۔ تو بغربت دیدۂ بس شہر ہا

پس کدامی شہر ز آنہا خوشتر ست ۔۔۔ گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

جنگل میں اگر محبوب کا ساتھ ہو جاوے تو ہزار آبادی سے بڑھکر ہے۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ اقوال غلبہ حالات و ولولہ محبت کے ہیں کوئی واقعی تحقیق نہیں ہے۔ تو یاد رکھو اس کے بارہ میں نص موجود ہے حدیث میں ایک صحابی حضرت ثوبان کا واقعہ یاد آیا کہ وہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ اگر ہم جنت میں گئے بھی تو ہم کو وہ درجہ تو نصیب نہیں ہو سکتا جو درجہ آپ کا ہوگا اور جب ہم اس درجہ میں نہ پہنچ سکیں گے تو آپ کے دیدار سے محروم رہینگے اور جب آپ کا دیدار نصیب نہ ہوگا تو ہم جنت کو لیکر کیا کریں گے۔ حضور نے یہ سنکر سکوت فرمایا۔ آخر وحی نازل ہوئی کہ من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم الآیہ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی فرمائی یعنی یہ ضرورت نہیں کہ اس درجہ میں عارضی[۱] طور پر

---

[۱] اور عارضی طور پر اس لئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں استقراراً و مقاماً کون جا سکتا ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶)

پہنچنے کے لئے اسی درجہ کے اعمال کی ضرورت ہو۔ صرف اتباع اور محبت نبی کافی ہے۔ جیسے دربار شاہی میں خدمتگار محض معیت وخدمت شاہ کی وجہ سے دیگر رؤسا سے پہلے پہنچتا ہے اس لئے مع الذین فرمایا آگے ذلک الفضل میں تصریح بھی فرما دی ہے کہ اس کو اپنے اعمال کا اثر مت سمجھنا یہ محض فضل ہے اور واقع میں اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ ہمارا دین اور ایمان ہماری دنیا اور سب سامان ہماری نماز ہمارا روزہ۔ ہمارا ثواب درجات جو کچھ بھی ہے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا طفیل ہے۔ چنانچہ ان آیات کے شان نزول کے انضمام سے صاف معلوم ہوتا ہے جن میں ارشاد ہوتا ہے ذلک الفضل من اللہ وکفیٰ باللہ علیما۔ اس کا یا تو یہ مطلب ہے کہ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں یہ محض فضل خداوندی ہے کہ تم کو ایک بہانہ محبت سے باریابی کی دولت نصیب ہوگئی۔ اور یا یہ مطلب ہے کہ ذلک الفضل سے بعض مغلوب الیاس لوگوں کی ناامیدی دور کرنا ہے کہ شاید کسی کو یہ خیال ہو جاوے کہ ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ ہم اس درجہ تک پہنچ سکیں تو اس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ اگرچہ تم اس قابل نہیں لیکن نعمت تمہارے اعمال کی جزا نہیں ہے کہ تم ان پر نظر کر کے اس نعمت سے مایوس ہو جاؤ۔ یہ تو محض خدا تعالیٰ کا فضل وجود ہے جس کے لئے تمہارے اعمال کامل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ سبحان اللہ قرآن پاک بھی کیا عجب چیز ہے کہ دو متعارض شبہے ایک عجب دوسرا یاس اور ایک جملہ میں دونوں کا جواب خواہ یوں کہہ لو خواہ یوں کہہ لو ؎

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد　　برنگ اصحاب صورت را بو ارباب معنی را

ہر مذاق ہر طبیعت ہر رنگ کا علاج قرآن میں موجود ہے۔ پس روایت ثوبان رضی اللہ عنہ سے بھی یہ بات بالکل صاف معلوم ہوگئی کہ ؎

باتو دوزخ جنت است اے جانفزا　　بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

کیونکہ انکے اس خیال پر انکار نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ تسلیم کر کے تسلی کیگئی۔ غرض یہ مضمون بالکل سنت کے موافق ہے نرا نکتہ تصوف یا شاعرانہ نہیں سو یہ ہے ان حضرات کی شان کہ دونوں عالم بھی ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کی رضا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لقاء کی برابر نہیں خوب کہا ہے ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱:- البتہ زیارت کیلئے رسائی ہوا کرے گی جسطرح دنیا میں مسکن ہر ایک کا جدا ہوتا ہے لیکن ملاقات کیلئے دوسرا بھی آجاتا ہے۔ ۱۲ منہ

محبت اور غیرت کی تو خاصیت ہی ہے کہ جب یہ بڑھ جاتی ہے تو سب کچھ چھوٹ جاتا ہے حضرت ابراہیم بن ادہم نے غیرت ہی میں سلطنت چھوڑ دی تھی۔ اور وجہ اس سب کی یہ ہوتی ہے کہ ایک حالت میں دو طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور یہ ممکن نہیں اس واسطے مجبوراً ایک طرف کی توجہ کو ترک کر دینا پڑیگا۔ اب رہی یہ بات کہ کس جانب کو ترک کیا جاوے تو ظاہر ہے کہ توجہ الی اللہ کی دولت تو قابل ترک نہیں لہذا دنیا ہی پر لات مار دیتے ہیں۔ خوب کہا ہے ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے بہ ازآنکہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

حضرت ابراہیم بن ادھم نے اسی کے تحصیل کے لئے سلطنت پر لات ماردی۔

انبیا جو مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں سو ان کی یہ توجہ بھی بعینہ توجہ الی اللہ ہوتی ہے۔ اور اسکی توضیح ایک مثال سے

لیکن انبیا علیہم السلام پر یہ شبہ نہ کیا جاوے۔ کہ جب دو طرف کامل توجہ نہیں ہو سکتی اور یہ حضرات علی سبیل الیقین جیسا کہ حکمت بعثت شاہد ہے متوجہ الی الخلائق تھے اور جب متوجہ الی الخلق تھے تو توجہ الی اللہ یقیناً کم ہوگی۔ اور جب یہ کم ہوگی تو نقص ہوگا اور نقص اس لئے منافی نبوت ہے کہ مرتبہ نبوت مراتب کمال کے اعلیٰ پایہ کا نام ہے کہ بشر کو اس سے بڑھکر مرتبہ عطا ہو ہی نہیں سکتا۔ پس جب ان کو نبی مانا جاوے اور اس کی وجہ سے کامل فرض کیا جاوے تو کیا وجہ کہ ان میں انقطاع عن الخلق جو لازمہ کمال ہے نہیں پایا جاتا۔ وجہ اس شبہ کی گنجائش نہ ہونے کی یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کی جو توجہ الی الخلق ہوتی ہے وہ چونکہ بامر خداوندی ہے لہذا اس امتثال کی وجہ سے اس توجہ الی الخلق میں خود توجہ الی اللہ موجود ہے کیونکہ انبیا علیہم السلام امت کی طرف جو متوجہ ہوتے اور ان کو پیغام حق پہنچاتے ہیں سو اسی لئے کہ اس توجہ اور تبلیغ کا ان کو حکم ہے اور اس کا امتثال ان پر واجب ہے حضرات انبیاء کی اس توجہ الی الخلق کے ساتھ توجہ الی اللہ کی مثال یہ ہے کہ اگر تم کسی آئینہ کی طرف اس لئے متوجہ ہو کہ اس میں تمہارے محبوب کا عکس نظر آرہا ہے۔ جبکہ کسی وجہ سے خود اس کے عین کو نہ دیکھ سکو تو گو ظاہراً تمہاری توجہ آئینہ کی طرف ہے لیکن عین یہ توجہ عین محبوب کی طرف توجہ ہے اسی

طرح انبیا علیہم السلام کے لئے تمام خلائق مرأت ہیں۔ جس کی طرف متوجہ ہونے سے مقصود ان کا توجہ الی الحق ہے۔ پس اُن کے لئے توجہ الی الحق سے مانع نہیں۔

رجوع بجانب سرخی (محبان حق کی کیا حالت ہوتی ہے)

غرض محبان حق غیر حق کی طرف متوجہ ہونے سے غیرت کرتے ہیں۔ اور اسی صفت غیرت سے ان میں جوشش دین پیدا ہوتا ہے۔ جس کو لوگ تعصب کا غصہ سمجھتے ہیں۔ اور وہ ایسا مطلوب ہے جس کے نہونے سے وہ شخص الٹ دیا گیا۔ پس یہ شخص ظاہر میں نیک تھا اور واقع میں نیک نہ تھا۔ پس وہ قاعدہ نہ ٹوٹا۔ یا اگر وہ واقع میں بھی نیک ہوں تو وہ صورۃ ہلاک ہوتا ہے۔ اور معنی رحمت[له]

رجوع بجانب سرخی (مقتدا وہ ہو سکتا ہے جو کامل العقل ہو الخ)

بہرحال یہ بات ثابت رہی کہ نیکیوں کی بعض برکات اضطراری بھی ہوتی ہیں۔ جس میں قصد اور اختیار کی ضرورت نہیں لیکن جو برکت اختیاری ہو گی اس کے لئے عقل کامل وافر کی احتیاج ہے۔ سو ایسے ہی لوگ جو کامل العقل ہیں اہل ارشاد ہوئے ہیں۔ اور بعض اولیا اللہ جن سے کوئی تربیت عام کا کام متعلق نہیں ہوتا ایسے لوگ البتہ بھولے بھولے ہوتے ہیں کیونکہ اُن کے سپرد صرف اپنی ذات کا معاملہ ہے۔ اور اس میں وہ اسی قدر کے مکلف ہیں۔ جس قدر ان کو عقل دی گئی ہے کسی دوسرے شخص کی تربیت اُن کے متعلق نہیں ہو حاصل یہ ہوا کہ جن لوگوں کے متعلق تربیت عام ہے جیسے انبیاء امت جو سند ارشاد پر متمکن ہیں ایسے لوگ بھولے بھالے نہیں ہوتے۔ یہ لوگ بڑے فطین پورے عاقل ہوتے ہیں۔ اور یہی کامل ہیں۔ اور جن لوگوں کے متعلق کسی دوسرے کی تربیت نہیں ہوتی بلکہ محض اپنے ہی نفس کے لئے پیدا ہوتے ہیں یہ لوگ البتہ بھولے بھولے ہوتے ہیں اسلئے بعض نے یہ تقسیم کی ہے کہ انسان چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کو دین کی عقل بھی ہے اور دنیا کی بھی جیسے انبیاء و علماء۔ اور ورثۃ الانبیاء یعنی وہ علماء جو سند ارشاد پر متمکن ہیں دوسرے

له اور یہ شبہ کہ دونوں کے اجتماع میں کس کا اثر ظاہر ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ غالب یا کثیر کا اول جیسا ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم اور ثانی جیسا حدیث ہے قلنا یا رسول اللہ اتھلک وفینا الصالحون قال نعم اذا اکثر الخبث۔ ۱۲ منہ

وہ جن کو دین کی عقل ہے اور دنیا کی نہیں۔ جیسے بھولے بھولے صلحاء اولیاء امت تیسرے وہ جن کو دین کی عقل نہیں ہے اور دنیا کی عقل ہے جیسے عاقل کفار چوتھے وہ جن کو نہ دنیا کی عقل نہ دین کی عقل جیسے بیوقوف کفار۔

انبیا اور علماء محققین کامل العقل ہوتے ہیں۔ گو تجربہ زیادہ نہ ہو

غرض انبیا اور علماء محققین کامل العقل ہوتے ہیں گو تجربہ میں اسلئے کمی ہو کہ وہ دنیاوی امور میں منہمک نہیں ہیں بعض لوگوں نے اس میں عجیب خلط کر دیا ہے کہ عقل اور تجربہ کو ایک چیز سمجھتے ہیں انمیں فرق نہیں کرتے اور چونکہ علماء کو تجربہ کار نہیں پاتے اس لئے علماء کو کم عقل اور بےوقوف کہتے ہیں۔ حالانکہ تجربہ دوسری چیز ہے۔ اور عقل دوسری چیز ہے تجربہ تکرار مشاہدہ جزئیات کا نام ہے۔ مثلاً سقمونیا کو دس مرتبہ آزمایا گیا اس نے اسہال کا فائدہ دیا۔ تو اس تکرار مشاہدہ سے کہیں گے کہ سقمونیا مسہل ہے اور عقل ایک قوت ہے جو خدا تعالیٰ نے انسان میں ودیعت کی ہے جس سے کلیات کا ادراک کرتا ہے مولوی محمد حسین عظیم آبادی سے جو کہ میرے ایک دوست تھے ان کے طالب علمی کے زمانہ میں ایک کالج کے طالب علم نے سوال کیا کہ آسمان پر کل کس قدر ستارے ہیں انھوں نے فرمایا مرصودہ تو معلوم ہیں مگر غیر مرصودہ معلوم نہیں۔ اس طالب علم نے کہا کہ مولوی صاحب تعجب ہے کہ سائنس کا اتنا ضروری مسئلہ اور آپ کو اس کی اطلاع نہیں مولوی صاحب نے فرمایا کہ اچھا بتلائیے سمندر میں کس قدر مچھلیاں ہیں اس طالب علم نے کہا مجھے تو علم نہیں تو مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ افسوس ہے آپ اسقدر سائنس کے دلدادہ ہیں اور آپ کو زمین کی چیزوں کی بھی اطلاع نہیں پھر جب آپ کو ہنوز زمین کی بھی پوری اطلاع نہیں ہے تو مجھ کو آسمان کے ستاروں کی اطلاع نہ ہونا کیا تعجب ہے یہ جواب سنکر ان طالب علم صاحب کی آنکھ کھلی اور ہوش آیا اس طرح لوگ صناع قوموں کو کہتے ہیں کہ یہ بڑے عاقل ہیں حالانکہ وہ صرف ایک صنعت کے تجربہ کار ہیں لہذا ان کو صناع کہنا چاہیئے۔ نہ کہ عاقل صناعی دوسری چیز ہے۔ عاقل ہونا دوسری بات ہے اگر ہم ایک بڑے فلاسفی مثلاً افلاطون کو ایک جلاہے کے گھر لیجاویں اور اس کی کارگہ میں بٹھلادیں اور کہیں کہ ایک مہین تنزیب بنو تو یقیناً وہ اس پر قادر نہ ہوگا اور جلاہا عمدہ سے عمدہ بن دیگا

اس فرق کی وجہ سے یہ کہدیں گے کہ یہ جلاہا اس فلسفی سے زیادہ عاقل ہے ہرگز نہیں۔ ہاں یہ کہیں گے کہ یہ فلسفی اس صنعت کو اس قدر نہیں جانتا جس قدر یہ جلاہا جانتا ہے۔ پس علماء محققین خواہ تجربہ کار نہ ہوں مگر کامل العقل ہوتے ہیں اور یہی ورثۃ الانبیاء ہیں۔ ان ہی کے متعلق ارشاد و تربیت کا کام ہوتا ہے۔ پس ان کے ساتھ احکام و حکم دینیہ میں کسی کو حق مزاحمت نہیں ہے۔ جیساکہ اس قاعدہ شرعیہ کو کہ مفسدہ کی وجہ سے مصلحت غیر ضروریہ کو چھوڑ دیتے ہیں نہ سمجھنے سے بعض کو غلطی ہوگئی کہ وہ علماء سے مزاحمت کرنے لگے۔

رجوع بجانب سرخی (آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع پڑھنا بدعت ہی)

غرض جو چیز مطلوب نہ ہو اور اس کے ارتکاب میں مفسدہ بھی ہو تو اس کو ترک کردینگے جب یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھنا چاہیئے کہ الوداع کا خطبہ کسی دلیل سے شرعاً مطلوب نہیں ہے اور اس کے پڑھنے میں بہت سے مفاسد ہیں۔ لہذا اس کو ضرور ترک کیا جاویگا۔ رہی یہ بات کہ لوگ اس بہانہ سے آجاتے ہیں اگر یہ نہ ہوگا تو لوگ نماز میں آنا چھوڑ دینگے۔ سو سمجھ لینا چاہیئے کہ جو لوگ خدا کے لئے نماز پڑھتے ہیں وہ تو ہر حالت میں آوینگے۔ خطبہ وداع پڑھا جاوے یا کوئی دوسرا خطبہ اور جو لوگ محض پابندی رسم کے لئے آتے ہیں وہ اگر اس کے ترک سے آنا چھوڑ بھی دیں تو ان کے اس خیال سے ہم ایک مقدمہ قبائح کے کیوں مرتکب ہوں۔ خواہ وہ آدیں یا نہ آدیں

دین اس سے مستغنی ہے کہ کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنیکے لئے اس کی خواہش کے تابع ہو اور اس کا بیان کہ اسلام کی رو سے

امیر اور غریب سب برابر ہیں

ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اگر نکاح بیوگان کا ذکر نہ کرو تو میں وعظ میں آؤں میں نے کہا کہ تو آج ضرور ہی بیان کرونگا۔ تمہارا جی چاہے آؤ نہ جی چاہے نہ آؤ۔ دین کسی کے آنیکا محتاج نہیں ۔ ؎

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روی زیبا را

جس کا حسن ذاتی حسن ہے اس کو تکلفات کی اور کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے کی کیا پرواہ ہے خواہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے وہ بالکل مستغنی ہے۔ اسی طرح ہم کسی کے آنے نہ آنے کی پرواہ نہ کرینگے اور شروع کو محض پاس مصلحت سے نہ چھوڑینگے کہ ہمارے اکابر سلف کا اس استغنا مذکور پر پورا عمل تھا۔

حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں جبلہ ابن ایہم غسانی جو کہ ملوک غساں میں سے تھا مسلمان ہوا۔ موسم حج میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا ایک دوسرا غریب آدمی بھی ساتھ ساتھ طواف کرتا تھا اتفاق سے اس غریب آدمی کے پاؤں کے تلے اس کی ازار کا کنارہ دب گیا جبلہ جب آگے بڑھا تو اس کی لنگی کھل گئی اور برہنہ رہ گیا۔ چونکہ وہ اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھتا تھا اور یہ دوسرا شخص نہایت غریب آدمی تھا لہذا اس کو بہت غصہ آیا۔ اور اس نے ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ اس بیچارہ کا دانت ٹوٹ گیا۔ وہ شخص اس حالت کو لئے ہوئے حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں پہونچا اور عرض کیا کہ امیر المومنین جبلہ نے میرا دانت توڑ دیا حضرت عمر نے فرمایا کہ جبلہ کو ہمارے پاس بلا لاؤ۔ صاحبو غور کیجئے یہ امتحان کا مقام ہے کہ ایک بادشاہ کو ایک غریب آدمی کے معاملہ میں پکڑ کر بلایا جاتا ہے۔ چنانچہ جبلہ کو لایا گیا حضرت عمر نے واقعہ دریافت فرما کر اس غریب شخص کو اجازت دی کہ جبلہ سے اپنا بدلہ لے لے جبلہ نے جب یہ سنا تو طیش میں آ کر کہا کہ امیر المومنین مجھکو اور ایک معمولی بازاری غریب آدمی کو کس چیز نے برابر کر دیا حضرت[۵] عمر نے فرمایا کہ اسلام نے اور اسمیں امیر غریب سب برابر ہیں۔ تم نے اس کا دانت توڑا تمہارا دانت

---

۵ تتمہ کا قصہ یہ ہے کہ جبلہ نے حضرت عمر رضؓ سے عرض کیا کہ کیا مجھکو ایک دن کی مہلت مل سکتی ہے میں کل کو قصاص دینے پر آمادہ ہو جاؤنگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر صاحب حق راضی ہو جائے تو مہلت ہے چنانچہ وہ غریب مسلمان راضی ہو گیا اور جبلہ قصاص سے بچکر رات ہی کو مدینہ سے بھاگ گیا۔ اور رومیوں میں جا ملا جو کہ نصاریٰ تھے۔ اور مرتد ہو گیا۔ اس کے بعد ایک صحابی سفیر بن کر حضرت عمر رضؓ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس کسی ضرورت سے گئے۔ تو اس نے کہا کہ تم جبلہ سے ملنا چاہتے ہو۔ انھوں نے کہا وہ کہاں ہے میں اس سے ملونگا۔ اس نے کہا کہ وہ بہت عزت کیساتھ ہمارے پاس ہے۔ چنانچہ وہ اس کے پاس گئے تو وہ بڑی شان کے ساتھ موتیوں سے جڑا ہوا تاج پہنے ہوئے ریشمی لباس اور سونا چاندی کے ساز و سامان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ارد گرد بہت سے غلام اور باندیاں خدمت کو موجود تھیں۔ کیونکہ نصاریٰ کو جبلہ کے مرتد ہونیکی بہت خوشی تھی اس لئے کہ وہ اسلام سے پہلے نصرانی تھا اور صاحب سلطنت تھا اس لئے اس کو بہت عزت سے رکھا جب وہ صحابی اس کے پاس پہونچے تو آپنے اس طرح سلام کیا سلام علی من اتبع الہدیٰ کہ جو ہدایت کی پیروی کرے اس کو سلام پہنچے۔ جبلہ نے کہا کہ تم نے السلام علیکم مجھے کیوں نہیں کیا انھوں نے فرمایا کہ اس طرح سلام کرنا مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے۔ اور میں تم کو اسلام کے خلاف دیکھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اگر میں دل میں مسلمان ہی ہوں صحابی نے فرمایا کہ میں اس خوشخبری سننے کا مشتاق ہوں خدا کرے تم دل سے مسلمان ہی ہو مگر جبلہ نے بات کو ٹالدیا پھر اس نے چاندی یا سونے کی کرسی اٹن

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲

ضرور توڑا جاویگا۔

اسلام کی رو سے امرا، غربا، سب برابر ہیں اور اس کا بیان کہ اہل اللہ کا برتاؤ اس زمانہ میں بھی اس کے موافق ہے

دیکھئے یہ ہے اخوت اسلامی ایک آج وقت ہے کہ امراء و رؤسا کا عالم ہی اس عالم سے جدا اور نرالا ہے۔ غربا کو وہ گویا انسانیت سے ہی خارج سمجھتے ہیں لیکن اس گئے گذرے وقت میں بھی اگر اس کا کچھ اثر باقی ہے۔ تو اللہ والوں میں ہے حضرت مولٰنا گنگوہی رحمۃ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے یہاں ایک بڑے عہدہ دار کوئی شخص مہمان آئے جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت نے اپنے ساتھ ان کو بٹھلایا۔ کیونکہ وہ بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے۔ ان کو ساتھ بیٹھا دیکھکر دوسرے غریب طلبہ مہمان پیچھے کو ہٹے۔ حضرت مولٰنا نے فرمایا کہ صاحبو آپ لوگ کیوں ہٹ گئے کیا اس وجہ سے کہ ایک عہدہ دار میرے ساتھ بیٹھا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ آپ لوگ میرے عزیز ہیں میں جس قدر آپ کو معزز سمجھتا ہوں اس کے سامنے انکی کچھ بھی وقعت

صحابی کے بیٹھنے کے لئے پیش کی انھوں نے کہا کہ ہمارے نبی نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے تو جبلہ نے حضور کا نام سنکر آہستہ سے رومی خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہا ان صحابی نے کہا کہ اے جبلہ میں تیرے اندر اسلام کی محبت پاتا ہوں پھر تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا اس نے کہا کہ کیا اب بھی میرا اسلام دوبارہ قبول ہو سکتا ہے۔ آپنے فرمایا کہ ہاں اسلام میں تنگی نہیں۔ توبہ کر لو پھر اسلام قبول ہو جائیگا اس نے کہا کہ اس شرط سے مسلمان ہوں کہ مجھ سے وہ قصاص نہ لیا جاوے۔ دوسرے حضرت عمر اپنی بیٹی سے میرا نکاح کر دیں۔ اور اپنے بعد میرے واسطے خلافت کی وصیت کر دیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ شرطیں میں نہیں کہہ سکتا کہ منظور ہوں یا نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور محبت کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اور باتیں ہوئیں اخیر میں وہ رونے لگا اور کہا کہ اے کاش میں اس وقت قصاص دینا منظور کر لیتا اور اس سے انکار نہ کرتا۔ کہ یہ حالت عیش و عشرت کی اگرچہ مجھے اب بہت کچھ نصیب ہو گئی مگر اس سے وہ فقر کی حالت ہی بہتر تھی ان صحابی نے یہ باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آکر بیان کیں آپنے فرمایا کہ تم نے اسکی شرائط منظور کیوں نہ کر لیں قصاص والے کو ہم دیت قبول کرنے پر راضی کر دیتے اور عمر کی بیٹی کیا بڑی چیز تھی اس سے اس کا نکاح بھی ہو جاتا رہا خلافت کا مسئلہ تو اسوقت ہم اسکو منظور کر لیتے پھر مسلمان جس کو چاہتے خلیفہ بناتے اسکے بعد پھر جبلہ کی خبر انتقال کی پہنچی اور بظاہر اس نے اسی حالت کفر پر جان دی باقی دل کا حال خدا کو معلوم ہے بکذا ذکرہ من تاریخ الطبری۔ یہاں یہ اشکال ہوگا کہ حضرت عمر نے ایک ذرا سی بات میں اسپر اتنی سختی کیوں کی کہ وہ اسلام سے پھر گیا قصاص نہ لیتے تو کیا ہو جاتا مگر یہ شبہ وہی کر سکتا ہے جسکی نظر میں اسلام کی وقعت نہیں۔ اگر آپ ایسا کرتے تو اسلام کی بنیاد سست ہو جاتی کیونکہ یہی تو وہ بات ہے جو یہود و نصاریٰ نے اختیار کر لی تھی کہ جب ان میں کے کسی معزز آدمی نے زنا کیا تو اس کو صرف رسوا کر دیتے اور سنگسار نہ کرتے اور غریب آدمی زنا کرتا تو اسپر حد جاری کرتے یعنی پتھروں سے مار ڈالتے حضرت عمر نے اسلامی حکم کی وقعت کے سامنے اسکی ذرا بھی پرواہ نہیں کی سو ایک جبلہ کیا اگر ہزار جبلہ جیسے باوجاہت ہوتے جب بھی آپ اسلامی حکم کو نہ بدلتے۔ اور نہ بدلنے کا آپ کو کوئی حق تھا۔ دوسرے یہ کہ (باقی برصفحہ آئندہ)

نہیں چنانچہ سب غریب طلبہ کو بھی ساتھ بٹھلا کر کھلایا۔ شاید اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ مولانا نے اپنی شان جتلانے کو ایسا کہدیا ہوگا خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ وہاں شان اور بڑائی کا نام بھی نہ تھا۔ جن صاحبوں نے مولانا کو دیکھا ہے وہ تو خوب جانتے ہیں مگر جن لوگوں نے نہیں دیکھا ہے ان کے لئے ایک قصہ بیان کرتا ہوں اس سے اندازہ ہوگا کہ وہاں شان اور بڑائی کتنی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا حدیث شریف کا درس دے رہے تھے ابر ہو رہا تھا کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہو گئیں جسقدر طالب علم شریک درس تھے سب کتاب کی حفاظت کے لئے کتابیں اٹھا کر بھاگے اور سہ دری میں پناہ لی اور کتابیں رکھکر جوتے اٹھانے چلے صحن کی طرف جو رخ تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا رح سب کے جوتے سمیٹ کر جمع کرا رہے ہیں اس واقعہ سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہاں کسقدر شان کو جتلایا جاتا تھا شان نہ تھی بلکہ محض محبت دینی تھی کہ غربا کو امرا سے کچھ کم نہیں سمجھا یہی لوگ ہیں جنکی بدولت دنیا کا کارخانہ قایم اور نظام عالم مسلسل ہے جس دن یہ حضرات نہ رہیں گے قیامت قایم ہو جاویگی

دین کے کام سے دنیا کا فائدہ مقصود نہ ہونا چاہیئے اور اسکا بیان کہ طالب حق کی کیا حالت ہوتی ہی

یہ اسوقت تو ایک جبلہ ہی مرتد ہوا۔ مگر ہزاروں عقلا کی نظر میں اسلام کی وقعت قائم ہو گئی کہ اسلام میں مظلوم کی اتنی رعایت ہے کہ اس پر بڑے سے بڑا معزز بھی ظلم کرے تو اس سے بدلہ لیا جاتا ہے جس طرح ایک معمولی آدمی سے اور اگر آپ اس کی رعایت کر جاتے تو ممکن تھا کہ جبلہ اسلام پر قائم رہجاتا مگر ہزاروں عقلا خلیفہ کے اس فیصلہ کو بری نظر سے دیکھتے اور اسلام سے بدگمان ہو جاتے رہا کسی کا اسلام میں رہنا یا نکل جانا اس کی اسلام میں ذرا پروا نہیں جو اسلام لاتا ہے اپنے فائدے کے واسطے کسی پر کیا احسان ہے۔ فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا للظلمین نارا احاط بھم سرادقھا وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمھل یشوی الوجوہ بئس الشراب و ساءت مرتفقا۔ رہا یہ کہ آپنے اس کی باتیں سنکر فرمایا کہ تم نے شرایط منظور کر لی ہوتیں تو آپکی شفقت کی دلیل ہے کہ آپکو اس کے مرتد ہونے سے صدمہ ہوا تھا کہ جنت کی طرف آ کر پھر دوزخ کی طرف چلا گیا نیز یہ کہ جو شخص اسلام لانا چاہے اس کی کسی قدر تالیف قلب مناسب ہے البتہ جو اسلام لا چکے اس کی تالیف قلب کی ضرورت نہیں اسلئے پہلی بار آپنے رعایت نہ فرمائی کیونکہ وہ اسلام کا مدعی تھا اور اسوقت رعایت کرنا چاہی کیونکہ اسلام پھر قبول کرایا جاتا تھا۔ اور حدیث میں جو ہے اقیلوا ذوی الھیئات عثراتھم یہ ان حقوق میں ہے جن کی معافی کا خود اختیار رکھتا ہو۔ مثلاً اس صورت میں وہ صاحب معاملہ معاف کر دیتا یا حقوق اللہ میں جو غیر حدود ہوں حاکم ہی معاف کر دے اور وہ بھی استحباب کے لئے ہے اور لفظ عثرت مشیر ہے کہ اس کا صدور خطاءً ہو بلا جاوا استکبارًا وظلمًا نہ ہو۔ جیسا اس واقعہ میں ہوا تھا فقط۔

ظفر احمد عثمانی۔

غرض یہ تو حضرت عمر رض کا امتحان تھا جس میں وہ پورے اترے آگے جبلہ کا امتحان ہے کہ دیکھیں کیا سمجھکر ایمان لایا ہے آیا کوئی دنیاوی غرض غزوجاہ کی ہے کہ مسلمان ذی عزت ہوتے چلے جارہے ہیں ان کے ہمرنگ ہو جاویں گے تو ہم کو بھی عزت نصیب ہوگی یا یہ کہ محض طلب آخرت کے لئے ایمان لایا ہے چنانچہ بعض لوگ بزرگوں سے بھی اس لئے ملتے ہیں کہ لوگ ان کی عزت کرتے ہیں اُن کو بڑا سمجھتے ہیں اگر ہم ان کے ساتھ رہیں گے ہماری بھی عزت ہوگی اکثر چھانٹ چھانٹ کر ایسے ہی بزرگوں سے بیعت ہوتے ہیں کہ جلانے نیلی کے کو وہ کیسا ہی بزرگ اور نیک ہو مرید نہیں ہوتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ محض مدعی ہیں بس ہم کو نہ طلب صادق ہے نہ محبت واقعی جہاں اپنی دنیاوی غرض پوری ہوتے دیکھتے ہیں چار قدم بڑھا دیتے ہیں یہ نہو تو یہ بھی نہیں ایسے ہی لوگ ہیں جو کہ امتحان کے وقت ادھورے اترتے ہیں عند الامتحان یکرم الرجل اویہان خوب کہا ہے ؎

صوفی نشود صافی تا درنکشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

چنانچہ جبلہ کا امتحان ہوا اور وہ اس میں ناکام ثابت ہوا یعنی اُس نے کہا کہ اچھا مجھے ایک دن کی مہلت ہو سکتی ہے حضرت عمر رض نے فرمایا ہو سکتی ہے اگر یہ شخص مہلت دے صاحب حق سے پوچھا گیا وہ بیچارہ اس قدر نیک دل تھا کہ اُس نے اجازت دیدی جبلہ موقع پاکر رات کو اُٹھ بھاگا اور رومیوں سے جاملا اور بدستور سابق نصرانی ہو گیا دیکھیئے اس کو طلب صادق اور محبت واقعی دین سے نہ تھی کہ ذرا سی ذلت کے خوف سے دین چھوڑ دیا جسکا نتیجہ ابدالآباد کی ذلت ہی اودہر حضرت عمر رض کو دیکھیئے کہ ذرا پرواہ نہیں کی کہ یہ امیر ہے دوسرا غریب اودہر اس کو دیکھیئے کہ ذرا سی تکلیف نفس پر گوارا نہ کرسکا ایسے بہت لوگ ہیں کہ وہ اتباع شریعت محض نفع دنیاوی کے لئے کرتے ہیں لیکن جو خدا کے مخلص بندے ہیں اُن کی یہ حالت ہے کہ اُن پر کچھ بھی گذر جاوے مگر اُن کو حق کے مقابلہ میں سب ہیچ معلوم ہوتا ہے ؎

کشند از برائے دلے بارہا
خورند از برائے گلے خارہا

اور پھر چاہے طلب اور جستجو میں عمر بھی ختم ہو جاوے مگر گھبراتے اُکتاتے نہیں کیونکہ انکی طلب صادق طلب ہوتی ہے اور اُن کو معلوم ہوتا ہے کہ محبوب اور مطلوب کون ہے وہ زبان حال سے یوں کہتے ہیں ؎

طلبگار باید صبور و حمول
کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

یعنی فن کیمیا کا طالب اکثر ساری عمر طلب میں برباد کر دیتا ہے۔ اور ہمیشہ ایک تا ؤ کی کسر میں رہتا ہے۔ لیکن آپ نے کسی طالب کیمیا کو نہ دیکھا ہوگا کہ وہ ناکامی سے گھبرا کر اکتا گیا ہو۔ اور کیمیا کی فکر چھوڑ دی ہو تو کیا خدا کا طالب طالب کیمیا کی برابر بھی نہ ہو۔ خوب سمجھ لو کہ جو اکتا گیا وہ طالب نہیں صورت طالب کو طالب نہیں کہتے جیسے صورت آدمی کو آدمی نہیں کہتے۔ خوب کہا ہے ؎

اینکہ می بینی خلاف آدم اند ۔ نیستند آدم غلاف آدم اند

مصالح کی وجہ سے بدعات کی اجازت نہیں دیجا سکتی

پس جو لوگ الوداع کے خطبہ نہ ہونے سے نہ آدیں۔ اُن کے نہ آنے کی کچھ بھی پرواہ نکیجاویگی۔ اور ایسے وہمی مصالح سے اس قسم کی بدعات کی اجازت نہ دیجاوے گی۔

فضائل رمضان کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینہ کے برکات و آثار کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں ھو شھر اولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ واخرہ عتق من النیران ترجمہ یہ ہے کہ ماہ رمضان ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرہ ہے اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ جو فرمایا گیا کہ اس کا اول حصہ رحمت ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ رحمت ایک لطف ہے۔ چونکہ ابتدا حصہ میں خداوند تعالی کیطرف سے عمل کرنے کی توفیق عطا ہوتی ہے کہ بدون اس توفیق کے کوئی عمل بھی نہیں ہو سکتا اسلئے رحمۃ فرمایا گیا۔

آدمی کو اپنے عمل پر کبھی ناز نہ کرنا چاہیئے

اور یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئیے کہ بعض لوگوں کو جو اپنے تھوڑے عمل پر ناز ہو جاتا ہے کہ ہم بہت کچھ کرتے ہیں یہ کوتاہی نظر کی دلیل ہے انسان کوئی کام نہیں کر سکتا جب تک کہ یہ ادھر سے امداد و توفیق نہ ہو خوب کہا ہے ؎

بے عنایات حق و خاصاں حق ۔ گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

این ہمہ گفتیم ولیک اندر بسیچ — بے عنایات خدا ہیچیم وا ہیچ

کہ گو ہم نے سب کچھ بتلایا لیکن عنایات خداوندی نہ ہو تو ہم کچھ بھی نہیں پس خدا کی عنایت سے توفیق ہوتی ہے اپنا کوئی کمال نہ سمجھے جب تک کہ دل میں کوئی بات نہیں ہوتی آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا اور یہ خدا کے اختیار میں ہے ع

من چو کلکم درمیان اصبعین

آخر کیا سبب تھا کہ ابوجہل جو کہ نہایت سمجھدار سمجھا جاتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ میں چچا ہوتا تھا۔ تیرہ برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دعوت ایمان فرمائی لیکن اس کو کلمہ پڑھنا نصیب نہ ہو سکا اور حضرت بلال رضؓ جو کہ حبشہ کے رہنے والے تھے نہ کچھ بڑے زیرک سمجھے جاتے تھے نہ پہلے سے حضور کی صحبت میسر ہوئی تھی۔ کیونکہ مکہ میں آکر ایک کافر کے پھندے میں پھنس گئے کہ آزادی بھی نصیب نہ تھی۔ جس سے تحقیقات کا ہی موقع ملتا پھر تکالیف کا یہ عالم کہ پتھر تپتا ہوا سینہ پر رکھدیا جاتا تھا لیکن باوجود اس کے آپ کی زبان سے احد احد ہی نکلتا تھا۔ بس وجہ یہ تھی کہ ابوجہل کو توفیق نہیں دی گئی۔ اور ان کو توفیق دی گئی۔

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم — ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی است

حقیقت میں جب تک ادھر سے جذب اور مدد نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو یہ کہنا کہ انا کذا و انا کذا محض جہل ہے۔ ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ چلے جا رہے تھے شاہی محل کے نیچے سے گذر ہوا بادشاہ نے ان کو اپنے پاس ملنے کے لئے بلایا۔ انھوں نے کہا کہ کیونکر آؤں کہ دروازہ بڑی دور۔ اور پھر وہاں پہرہ چوکی بادشاہ نے کمند لٹکا دی یہ اس کے سہارے سے اوپر پہنچ گئے۔ جب وہاں پہنچے تو بادشاہ نے ان سے گفتگو شروع کی۔ اثنائے گفتگو میں بادشاہ نے پوچھا کہ آپ خدا تعالیٰ تک کیونکر پہونچے۔ انھوں نے کہا کہ جس طرح آپ تک پہنچا یعنی جس طرح تم نے وہ کمند ڈالی اور اس کے ذریعہ سے مجھے کھینچ لیا اسی طرح خدا تعالیٰ نے بھی جذب کی کمند ڈال کر مجھے کھینچ لیا۔ خوب کہا ہے ؎

نگر و د قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا — کہ میبالد بخود این راہ چون تاک از بریدنہا

یہ تو اپنے عمل کے بارہ میں ہے اور ایک دوسرے شخص نے جذب کے بارہ میں لکھا ہے

لیکن یہ مضمون محبوب مجازی کے باب میں ہے اس لئے الفاظ اچھے نہیں ؎

خود بخود آں بت عیار بہ بر می آید　　نہ بزور نہ بزاری نہ بزر می آید

میں نے الفاظ بدل دیئے ہیں کہ محبوب حقیقی کے مناسب ہوجاوے ع خود بخود آں بر دلدار بہ بری آید۔ الخ جب محبوبان مجازی کا یہ عالم ہے تو اس محبوب حقیقی کو کون مجبور کرسکتا ہے وہ تو اس کے شائبہ سے بھی منزہ ہیں۔

دعا کے وقت اس کو مشیت کے ساتھ معلق کرنا بے ادبی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قربان ہوجایئے فرماتے ہیں لاتقل اللّٰھم ارحمنی ان شئت فانہ لامکرہ لہ کہ یوں دعا نہ مانگو کہ اے خدا اگر آپ چاہیں تو ہم پر رحم فرمایئے اس واسطے کہ خدا تعالیٰ پر تو کوئی اکراہ و جبر کرنے والا نہیں ہے۔ صاحبو دیکھئے ظاہر نظر میں مشیت پر موقوف کرکے دعا مانگنا ادب معلوم ہوتا ہے لیکن واقعہ میں سخت بے ادبی ہے لیکن کسی کی نظر اس بے ادبی تک نہیں پہونچ سکتی۔ یہ نظر نور نبوت اور وحی کی محتاج ہے اور وجہ اس کے داخل بے ادبی ہونیکی یہ ہے کہ درخواست میں مشیت کی قید لگانے کی ضرورت تو اسی وقت ہوتی جبکہ خدا تعالیٰ میں مجبور ہونے کا احتمال بھی ہوتا اس لئے یہ قید لگاتے کہ اللہ تعالیٰ پر دباؤ نہ پڑے۔ یہاں یہ بات کہاں تم دس ہزار دفعہ مانگو اور دعا کرو وہ چاہینگے قبول کرینگے بارد کردینگے۔ پھر کیوں تم قید لگاتے ہو میں سچ کہتا ہوں کہ اگر دنیا بھر کے عقلاء جمع ہوکر غور کرتے تو اس دقیقہ تک نہ پہونچتے جہاں حضور پہونچے ہیں۔

رجوع بجانب سرخی (آدمی کو اپنے عمل پر کبھی ناز نہ کرنا چاہیئے)

اور جب خدا تعالیٰ مجبوری سے بالکل پاک ہیں تو اگر تم کو توفیق روزہ رکھنے اور تراویح و قرآن پڑھنے کی نہ دیتے۔ تو تم کیا کرسکتے تھے۔ اسی لئے فرمایا کہ اولہ رحمۃ کیونکہ صوم وغیرہ کی توفیق دینا عبادت کی توفیق دینا بہت بڑی رحمت ہے۔

رجوع بجانب سرخی فضائل رمضان کا بیان

اور چونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ ان الحسنات یذھبن السیات کہ نیکیوں سے برائیاں

معاف ہوجاتی ہیں توجب اول رمضان میں توفیق ہوجانے کی وجہ سے اعمال نیک شروع ہوگئے توان سے گناہ معاف ہوجانے شروع ہوئے جب ان کی بدولت گناہ معاف ہوگئے تو وسط رمضان مغفرۃ ہوا۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎ اوسطہ مغفرۃ اور ظاہر ہے کہ گناہوں کا معاف ہوجانا ہی دوزخ سے بچنا ہے تواس پر متفرع ہوکر یہ ارشاد بھی صحیح ہوا کہ واٰخرہ عتق من النیران

خداتعالیٰ کی بارگاہ میں نہ توکسی کو آنیکی ممانعت اور نہ وہاں کسی کے آنے نہ آنیکی پرواہ ہے

وہ بارگاہ عجیب بارگاہ ہے یہ حالت ہے کہ ؎

بازآ بازآ ہرانچہ ہستی بازآ	گرکافر وگبر وبت پرستی بازآ
ایں درگہ مادرگہ نومیدی نیست	صدبار اگر توبہ شکستی بازآ

اور جس طرح وہاں ہروقت باب رحمت کشادہ ہے کہ کسی کو آنے کی ممانعت اور روک ٹوک نہیں اسی طرح وہاں کسی کے آنے نہ آنے کی پرواہ بھی نہیں ہے ؎

ہرکہ خواہد گو بیا و ہرکہ خواہد گو برو	دار وگیر حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

کہ جس کا جی چاہے جب چاہے چلا آوے۔ اور جس حالت میں چاہے چلا آوے اور ہرکہ خواہد کے عموم سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ بعضے لوگ جو کسی ہندو یا عیسائی کو مسلمان کرینگے قبل اوّل غسل دیا کرتے ہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہرکہ کے عموم میں بے غسل والا بھی داخل ہے صاحبو اسلام میں آنے کیلئے نہ غسل کی ضرورت ہے نہ وضو کی بلکہ اگر استنجا بھی نہ کیا ہو تواس کے انتظار کی بھی ضرورت نہیں پہلے مسلمان کرلو اس کے بعد غسل وغیرہ دو اور ایک یہ بھی تو بات ہے کہ کسی کو کیا خبر ہے کہ چار منٹ کے بعد زندہ رہیگا یا ختم ہوجائیگا بعض لوگ تو یہاں تک غضب کرتے ہیں کہ مسلمان کرنے کے بعد مسہل دینے کی تجویز کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر طہارت حاصل کرنے کے لئے یہی شرط ہے کہ حالت کفر کی کوئی چیز باقی نہ رہے تو فصد بھی لینا چاہیئے بلکہ گوشت پوست بھی نیا ہونا چاہیئے الحاصل یہ سب لغو قیود ہیں اس دربار میں جس کا جی چاہے جب چلے اور جس

حالت میں بھی ہو چلا آوے۔ صاحبو! کیا آج کوئی بادشاہ ہے کہ وہ ناپاکوں کو بھی اپنے دربار میں حاضری کی اجازت دے۔ اسی کو عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو | دار و گیر حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

غرض جس طرح یہاں کسی کو آنے کی ممانعت اور روک ٹوک نہیں اسی طرح اگر بگڑ جاوے تو رکھنے کی بھی کوئی تمنا نہیں کرتا کسی کو اس طرح سر نہیں چڑھایا گیا کہ وہ ذرا بھی ناز کر سکے۔

خدا تعالیٰ کی بخشش سے کسی حال میں مایوس نہ ہونا چاہیے گو کتنے ہی گناہ ہوں توبہ کرنے سے سب معاف ہو جاتے ہیں

تم اگر گناہوں کی پوٹ لیکر بھی حاضر ہو گئے تو ادھر کے ایک چھینٹے میں سب دھل جائینگے اس کی ایسی مثال ہے ؎

گر جہاں پُر برف گردد سربسر | تاب خور بگدازدش از یک نظر

یعنی اگر سارا عالم بھی برف سے پٹ جاوے تو عالمتاب آفتاب کے نکلتے ہی سب پانی ہو کر بہ جاویگی۔ اسی طرح اگر سارا عالم بھی گناہ سے بھر جاوے تو ادھر کی ایک نگاہ کافی ہے سبحان اللہ کس پاکیزہ مثال سے کتنے بڑے مسئلہ کو آسانی حل کر دیا واقعی بات یہ ہے کہ اہل اللہ پر چونکہ حقایق انکشاف ہوتا ہے اس لیئے ان سے زیادہ بہتر کوئی بھی مثال پیش نہیں کر سکتا سچ یہ ہے کہ یہی لوگ سچے فلسفی ہیں چنانچہ افلاطون کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ اور اس سے ایک ایک حکیم کا نام لیکر پوچھا کہ یہ کیسے تھے۔ سب کی نسبت یہی کہتا رہا کہ کچھ نہیں پھر اس سے حضرت بایزیدؒ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی نسبت پوچھا تو اس نے کہا اولٰئک ھم الفلاسفۃ حقا۔

جب خدا تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہے تو ایک لمحہ میں کام بنجاتا ہے مگر چونکہ وہ لمحہ متعین نہیں ہے اسلیئے ہمیشہ اس کا متلاشی رہنا چاہیئے

حق تعالیٰ کے جیسے الطاف و کرم ہیں ان پر نظر کرے تو ایک دم کی غفلت بھی جائز نہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی — شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

بخدا جس کا کام بنا ہے ایک ہی لمحہ میں بنگیا ہے ایک ہی لمحہ کی عنایت کافی ہو گئی ہے۔ مگر بہت دن تک اس لئے لگے رہتے ہیں کہ وہ لمحہ معین نہیں یعنی یہ خبر نہیں کہ وہ ایک لمحہ کس وقت ہو گا جس میں نگاہ اکسیر اثر پڑجاویگی۔ اسی کو مولانا بھی ایک تفسیر پر فرماتے ہیں ؎

صحبتِ نیکاں اگر یک ساعت است — بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

بعض نے اس کی یہی توجیہ کی ہے کہ تمام اوقات میں سے ایک وقت ایسا ہوتا ہے چنانچہ شاہ بھیک صاحب اور شاہ ابوالمعالی صاحب کا قصہ ہو کہ شاہ ابوالمعالی صاحب کسی بات پر شاہ بھیک صاحب سے خفا ہو گئے اور علیحدہ کر دیا۔ یہ جنگلوں میں رہتے پھرتے تھے برسات آئی حضرت کا مکان گر پڑا بی بی صاحب نے فرمایا ایک آدمی گنوار سا ان کاموں کے لائق تھا اسی کو آپ نے نکالدیا حضرت نے فرمایا کہ میں نے ہی تو نکالا ہے تم بلالو میں تم کو تو منع نہیں کرتا۔ بی بی صاحبہ نے بلا بھیجا ان کی عید آگئی آموجود ہوئے بی بی صاحبہ نے مکان کی حالت دکھائی وہ فوراً جنگل پہونچے اور لکڑی مٹی جمع کر کے مرمت میں لگ گئے حتی کہ مکان کی تکمیل کر کے چھت پر مٹی کوٹ رہے تھے۔ کہ حضرت گھر میں تشریف لائے اور کھانا کھانے بیٹھ گئے اور چھت پر سے مٹی کوٹنے کی آواز سنکر رحمت کا جوش ہوا اور باہر صحن میں تشریف لاکر ان کو ٹکڑا روٹی کا دکھلایا کہ لو وہ وہیں سے کود پڑے حضرت نے لقمہ ان کے منہ میں دیا اور سینہ سے لگایا بس سارا کام ایک لمحہ میں بنگیا اس لئے کہتا ہوں کہ ایک لمحہ بھی غفلت مت کرو۔

گناہوں کی معافی کے لئے صرف استغفار کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ادائے حقوق بھی ضروری ہے

اگر مغفرت چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور معاف کرانیکے یہ معنی نہیں کہ صرف تسبیح ہاتھ میں لیکر استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھتے رہو بلکہ یہ بھی کرو اور اس کے ساتھ اہل حقوق کے حقوق بھی ادا کرتے رہو۔ اگر کسی شخص کے پاس دوسرے کی زمین دبی ہو یا مورد ثی ہو اس کو چھوڑ دو۔ کسی کے ذمہ کسی کا قرض ہو اس کو ادا کر دو۔ اور سبکدوش ہو جاؤ۔

لوگ اپنے جی میں کہتے ہوں گے کہ موروثی زمین چھوڑنے کی بیڈھب ہی پھر ہم کھادینگے کہاں سے لیکن صاحبو غور کرو اگر کسی شخص کے موروثی کھیتوں میں کو ریل نکلجاوے اور اسکے سب کھیت ریل میں آجاویں اور معاوضہ ملے زمیندار کو تو یہ کیا کریگا اور کہاں سے کھادیگا۔

اسکی شکایت کہ آجکل لوگوں کے دلوں میں اسلام کے احکام کی قدر نہیں اور اس کی وجہ

افسوس ہے کہ ظاہری حکومت کے سامنے تو کان نہ ہلایا جائے اور خداوندی حکم کے سامنے چون وچرا کی گنجائش ہو۔ اصل یہ ہے کہ آپ لوگوں کے دلوں میں اسلام اور اس کے احکام کی چونکہ بلا مشقت مل گئے ہیں باوجود سرتاسر نافع ہونے کے کہ بڑا نفع رضائے حق ہے قدر وقیمت نہیں ہے خوب کہا ہے ؎

اے گرانجاں خوار دیدستی مرا   زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

ارشاد خداوندی ہے ما قدروا اللّٰه حق قدرہٖ سبب یہ ہے کہ اسلام کے ملنے میں کچھ زر تو خرچ نہیں ہوا کہ اس کی قدر ہوتی ؎

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد   گوہرے طفلے بقرص ناں دہد

حکام کی خوشنودی تو بڑی بڑی کوششوں سے زر وجواہر خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہے بخلاف رضاء خداوندی کے۔ لیکن حقیقت میں یہ سخت رذالت ہے کیونکہ جسقدر زیادہ احسان کسی کا ہوتا ہے اسی قدر زیادہ اس کے سامنے پگھلا کرتے ہیں۔ اور شرماتے ہیں نہ کہ الٹی شرارت اور نافرمانی پر کمر بستہ ہوجاویں لہذا اپنی اس معمولی تکلیف اور مشقت کی کچھ پروا نہ کرنی چاہئیے۔

ادائے حقوق کی ضرورت اور اس کا موجب آسائش ہونا ایک شبہ کا جواب

اگر کسی کے پاس موروثی زمین ہے تو اس کو چاہیئے کہ فوراً اس کو چھوڑ دے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر شخص موروثی زمین کو چھوڑ دے تو وہ زیادہ آرام و آسایش میں رہیگا کیونکہ ایسا

کرنے سے وہ ایماندار اور خوش معاملہ مشہور ہو جاویگا پھر زمیندار کوشش کریگا کہ اس کی زمین اسی کی کاشت میں رہے اگر اب بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آوے اور نہ مانیں تو وہ جانیں دو شخص ضلع سہارنپور کے میرے پاس آئے میں اتفاق سے موضع بھنسانی گیا ہوا تھا وہ میرے پاس وہیں پہونچے کہ ہم کو مرید کر لو میں نے پوچھا کہ تمہارے پاس موروثی زمین تو نہیں معلوم ہوا کہ ہے میں نے کہا اس کو چھوڑ دو کہنے لگے کہ پہلے مرید کر لو پھر چھوڑ دینگے میں نے کہا کہ پہلے چھوڑ آؤ جب مرید کرونگا یہ سنکر چھوڑ کر آنیکا وعدہ کر گئے اور آج تک واپس نہیں آئے ایک گاؤں کے لوگ مدت سے مجھے بلا رہے ہیں لیکن اس لئے جانیکی نوبت نہیں آئی کہ وہاں سب کے پاس موروثی زمینیں ہیں بس وہ میرے اس سوال کا جواب نہیں دیسکتے کہ مجھکو روٹی کہاں سے کھلاؤ گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر ایک درہم حرام اور نو حلال کے ہوں تو اس ایک کے ملجانے سے اس کی سب عبادت غارت ہے اور غضب یہ ہے کہ لوگ حرام کمائی بیوی بچوں کے لئے کماتے ہیں یہ بھی نہیں کہ اپنے لئے ایسا کریں لیکن اسی سے کوئی یہ تجویز نہ کرلے کہ جب ہمارے پاس حلال کی آمدنی نہیں ہے اور حرام کی آمدنی کھانے سے روزہ قبول نہیں ہوتا تو روزہ رکھنے سے کیا فائدہ۔ کیونکہ اب تو صرف ایک گناہ ہے کہ حرام مال سے پیٹ بھرا اور اگر روزہ نہ رکھوگے تو ایک دوسرے اس سے بھی زیادہ سخت گناہ میں ماخوذ ہوگے۔

احکام شرعیہ کے حکم اور اسرار کس طرح معلوم ہو سکتے ہیں

اسرار و حکم میں غور و فکر کرنا مناسب نہیں کیونکہ جو کچھ فکر سے حاصل ہوگا تمہارے ذہن کا اختراع ہوگا نہ کہ حکمت کیونکہ فکر وصول الی الحقایق کا طریق بھی نہیں ہے؎

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

پس ہم کو بالکل شکستگی اختیار کرنی چاہیئے اس سے البتہ ہم پر فیضان ہو سکتا ہے خوب کہا ہے؎

ہر کجا پستی است آب آنجا رود
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود
ہر کجا دردے دوا آنجا رود
ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

تو جب تم بالکل اپنے کو سپرد کر دوگے تو خدا تعالیٰ خود بخود ان علوم کا القا تمہارے قلب میں کرینگے اور وہ حالت ہوگی۔

بینی اندر خود علوم انبیا
بے کتاب و بے معید و اوستا

مصالح پر احکام کا مدار نہیں اور نہ طالب عمل کو اس کی اجازت ہے کہ مصالح کی تفتیش کرے

حکمت کا رائے سے سمجھنا اور اس پر بنا رحکم کرنا یہ کافی نہیں مدار اصلی تشریع ہی پر ہے اگرچہ اس کی حکمت بالکل نہ معلوم ہو ۔ البتہ بعد میں تشریح کے بھروسہ کچھ حکمت بھی سمجھ میں آسکتی ہے باقی حکمت کے سمجھنے پر حکم کا ماننا موقوف نہیں ہماری تو وہ حالت ہونی چاہیئے ؎

زباں تازہ کردن باقرار تو ۔ نینگیختن علت از کار تو

اور ہمارا وہ مذہب ہے جیسا حضرت استادی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ ہر درویشے کہ چون وچرا کند وہر طالب علمی کہ چون وچرا نکند ہر دو را در چراگاہ باید فرستاد ۔ طالب علم کو تو چون وچرا کا حق اس لئے ہے کہ وہ طالب فن ہوتا ہے لیکن طالب عمل کو اس کی اجازت ہرگز نہیں

مصالح کی تفتیش کا مفسدہ عظیمہ

اور حکمت کی تلاش میں ایک مفسدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عوام یوں سمجھ جاتے ہیں کہ یہی مصالح بناء حکم ہیں اور جب کسی حکم میں ان کو مصالح نظر نہیں آتے تو اس حکم کے من اللہ ہونے میں ان کو شبہ ہونے لگتا ہے یا اگر کوئی مصلحت اپنے ذہن سے مخترع کی اور اس کو مدار حکمت سمجھا اور وہ مخدوش ہو گئی تو اس کے انہدام سے حکمت کے انہدام کا شبہ ہو جاتا ہے ہاں اگر مصلحت خود بخود تلاش ذہن میں آجاوے تو اس کے بیان میں مضائقہ نہیں ہے اور وہ بھی ظناً غرض جب ادھر سے بولنے کا اشارہ پاوے جیسا بلا فکر کوئی وارد قلب میں آجاوے زبان کھولے ورنہ لب بستہ رہے کہ نطق وسکوت میں اسی کا تابع رہنا چاہیئے ۔ خوب کہا ہے ؎ بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست ۔ بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں ست

محفل میلاد کی تحقیق اور اس کا بیان کہ جناب نبوی کے ساتھ دنیا کے بادشاہوں کا سا برتاؤ بے ادبی ہے

آجکل ہمارے چند اخوان زماں نے ایک عظیم الشان مفسدہ کی بنیاد ہندوستان میں ڈالی ہے یعنی یوم ولادت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم عید بنانے کی تجویز کی ہے۔ اور یہ خیال ان کے ذہن میں دوسری اقوام کے طرز عمل کو جو اپنے اکابر دین کے ساتھ کرتے ہیں دیکھکر پیدا ہوا ہے لیکن اس قاعدہ مذکورہ کی بناء پر لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ یوم ولادت کی خوشی دنیاوی خوشی نہیں ہے یہ مذہبی خوشی ہے پس اس کے تعین طریق کے لیئے وحی کی اجازت ضروری ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم بطور سالگرہ کے دنیوی طرز پر کرتے ہیں تو میں یہ کہونگا کہ ایسا کرنے والے سخت بے ادبی اور گستاخی جناب نبوی میں کر رہے ہیں۔ صاحبو کیا حضور کو اس جلال و عظمت میں دنیا بادشاہوں پر جن کو حضور سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس فرحت کے لیئے بس ایک دنیوی رذیل سامان اسی طرح کا کرتے ہو جیسا ان سلاطین کے لیئے کیا کرتے ہو ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ مجھے اس موقع پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آگئی کہ وہ جنگل میں رہتے تھے ایک کتیا پال رکھی تھی۔ اتفاق سے ایک مرتبہ کتیا نے بچے دیئے تو آپ نے تمام شہر کے معززین کو مدعو کیا لیکن ایک بزرگ شہر میں رہتے تھے ان کو نہیں بلایا ان بزرگ نے ازراہ بے تکلفی دوستانہ شکایت کی تو ان بزرگ نے جواب میں کہلا کر بھیجا کہ حضرت میرے یہاں کتیا نے بچے دیئے تھے اس کی خوشی میں سگان دنیا کی دعوت کردی سخت گستاخی تھی کہ میں ان دنیا کے کتوں کے ساتھ آپ کو مدعو کرتا جس روز میرے اولاد ہوگی اور مجھکو خوشی ہوگی اس دن آپکو مدعو کرونگا اور ان کتوں میں سے ایک کو بھی نہ پوچھونگا۔ جب اولیاء کے ساتھ دنیاداروں کا سا برتاؤ بے ادبی ہے تو سید الانبیاء کے ساتھ دنیا داروں کا سا برتاؤ کیسے بے ادبی نہ ہوگی۔ اب اس کی دلیل سنیئے کہ یوم ولادت مذہبی خوشی ہے دنیوی خوشی نہیں ہے تو یہ سب کو معلوم ہے کہ دنیا کا اطلاق اس خطہ زمین پر زیادہ سے زیادہ چند فرسخ اس کے متصل ہوا پر ہوتا ہے پس اگر کوئی دنیوی خوشی ہوگی تو اس کا اثر اسی خطہ زمین تک محدود رہیگا اس سے متجاوز نہ ہوگا۔ اور ولادت حضور پر نور کے دن نہ صرف زمین کے موجودات بلکہ ملائکہ عرش و کرسی اور باشندگان عالم بالا سب کے سب مسرور اور شاداں تھے وجہ یہ تھی کہ حضور کی ولادت شریف کفر و ضلالت کی ماحی اور توحید حق کی حامی تھی جس کی بدولت عالم کا قیام ہے کیونکہ قیامت اسی وقت قائم ہوگی جب ایک شخص بھی دنیا میں خدا کا نام لینے والا نہ رہیگا۔ اور قیامت قائم ہونے سے فرشتے بھی اکثر فنا ہوجاوینگے۔ پس آپ کا ظہور چونکہ سبب تھا

تمام عالم کے بقاء کا اس لئے تمام عالم میں یہ خوشی ہوئی جب اس کا اثر دنیا سے متجاوز ہو گیا تو اس خوشی کو دنیوی خوشی نہیں کہہ سکتے۔ جب معلوم ہوا کہ یہ دنیوی خوشی نہیں بلکہ مذہبی خوشی ہے تو اس میں ضرور ہر طرح سے وحی کی احتیاج ہو گی یعنی اس کے وجود میں بھی اور اس کی کیفیت میں بھی۔ اب مجوزین ہم کو دکھلائیں۔ کہ کس وحی سے یوم ولادت کے یوم العید بنانے کا حکم معلوم ہوتا ہے اور کیا صورت اس کی تبلائی گئی ہے اگر کوئی قل بفضل اللہ سے استدلال کرے تو میں کہونگا کہ صحابہ کرام جو کہ حضور کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے اور تمام عالم سے زیادہ کلام مجید کو سمجھتے تھے ان کی سمجھ میں یہ مسئلہ کیوں نہیں آیا بالخصوص جبکہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کی ہوئی تھی علیٰ ہذا تابعین جن میں بڑے بڑے مجتہد ہوئے ہیں ان کی نظر یہاں تک کیوں نہیں پہونچی۔ ہاں جن امور کے متعلق حضور سے اجازت ہے اسکو ضرور کرنا چاہیے مثلاً آپ نے اپنی ولادت کے دن روزہ رکھا اور فرمایا ذالک الیوم الذی ولدت فیہ اس لئے ہم کو بھی اس دن روزہ رکھنا مستحب ہو سکتا ہے دوسرے پیر کے دن نامہ اعمال حق تعالیٰ کے روبرو پیش ہوتے ہیں پس یہ مجموعہ وجہ ہو گی اس حکم کی اور اگر منفرداً بھی مانا جاوے تب بھی صحیح ہے لیکن صرف اسی قدر کی اجازت ہو گی جتنا کہ ثابت ہے۔

بزرگوں کے عرس کا طریقہ محض لغو ہے مع دلیل اور اس کا بیان کہ موت بزرگوں کیلئے وصل محبوب ہے

اور جس طرح یوم ولادت کی خوشی کے اختراعات باطل ہیں اسی طرح کسی کی وفات کی تاریخ کے کہ وہ دن بزرگوں کی خوشی کا دن ہے اختراعات بھی اور یہیں سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ آجکل جو لوگوں نے بزرگوں کے عرس کا طریقہ اختراع کیا ہے یہ بھی محض لغو اور تجاوز عن الحد ہے اصل حقیقت اس کی یہ تھی کہ عرس کے معنے لغت میں شادی کے ہیں اور حاصل شادی کا یہ ہے کہ محب کا محبوب سے وصل ہو پس چونکہ ان حضرات کی موت ان کے لئے وصل محبوب ہے اس لئے ان کے یوم وصال کو یوم العرس کہا جاتا ہے نیز ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب کسی مقبول بندہ کی وفات ہوتی ہے اور فرشتے اس کی قبر میں آکر سوال کرتے ہیں تو سوال و جواب کے بعد کہتے ہیں نم کنومۃ العروس تو وہ دن ان حضرات کے لئے یوم العرس ہوا۔ اسی کو ایک بزرگ خوب کہتے ہیں ؎

خوشا روزے و خورم روزگارے ۔۔۔ کہ یارے برخورد از وصل یارے

وصل دنیوی اور اخروی کا فرق

اور گو وصل ان حضرات کو دنیا میں بھی ہوتا ہے تاہم اس وصل میں اور اس وصل میں فرق ہے کہ یہاں بہ حجاب ہے اور وہاں بلا حجاب جیسا مولانا نے فرمایا ہے

گفت مکشوف و برہنہ گو کہ من　　می نہ گنجم با صنم در پیرہن

اگرچہ خدا تعالیٰ جسم اور لوازم اور عوارض جسم سے پاک ہے لیکن یہ مثال کے لئے کہا جاتا ہے اور جیسا حضرت غوث پاک فرماتے ہیں ے

بے حجابانہ درآ از در کاشانۂ ما　　کہ کسے نیست بجز درد تو در خانہ ما

یہ کیفیت تو وہاں کے وصال کی ہے اور دنیا میں بوجہ حجاب اور سیری نہ ہونے کے انکی یہ حالت ہوتی ہے کہ ے دل آرام در بر دل آرام جو　　لب از تشنگی خشک بر طرف جو

نگویم کہ بر آب قادر نیند　　کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

اہل اللہ کو مرنے کی بڑی خوشی ہوتی ہے اور وہ اس کی تمنائیں کرتے ہیں

اور چونکہ مر کر ان کو یہ دولت نصیب ہوتی ہے اس لئے وہ اس کی تمنائیں کرتے ہیں اور شدت شوق میں یوں کہتے ہیں ے

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　راحتِ جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

اور ان حضرات کو چونکہ مرنے کی خوشی ہوتی ہے اس لئے انھیں نہایت مطمئن ہوتے ہیں چنانچہ ایک نقشبندی بزرگ کی حکایت ہے کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ جب میرا جنازہ لے چلو تو ایک شخص یہ اشعار ساتھ ساتھ پڑھتا چلے ے

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　شئی للہ از جمال روئے تو

دست بکشا جانب زنبیل ما　　آفریں بردست و بربازوئے تو

کیوں صاحب کیا بے اطمینانی میں کسی کو ایسی فرمائشیں سوجھ سکتی ہیں یہ غایت فرحت کا اثر تھا حضرت سلطان نظام الدین اولیا قدس سرہ کی حکایت مشہور ہے کہ جب آپ کا انتقال ہو گیا اور جنازہ لے چلے ایک مرید نے شدت غم میں درد کے ساتھ یہ اشعار پڑھے

سرو سیمینا بصحرا میروی　　سخت بے مہری کہ بے ما میروی

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو　　　تو کجا بہر تماشا میروی

لکھا ہے کہ ہاتھ کفن کے اندر بلند ہو گیا - صاحبو ایک ایسا شخص جس کی یہ حالت ہو کہ ع پا بدست دگرے دست بدست دگرے - کیا اس کو وجد ہو سکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی بجید فرحت کا دن ہوتا ہے ایک دوسرے بزرگ انتقال کے وقت منتظرانہ و مشتاقانہ فرماتے ہیں ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم　　　جسم بگذارم سراسر جاں شوم

اور یہ حالت کیوں نہ ہو جبکہ وہ جانتے ہیں کہ اب پردہ ہائے ہیولانی جو کہ مانع دیدار تھے اٹھتے ہیں اور کوئی گھڑی ہے کہ محبوب حقیقی کا دیدار نصیب ہو گا صرف یہ نہیں کہ ان کو جنت کی یا حوروں کی ہوس ہوتی ہے حضرت ابن الفارض رح کا واقعہ لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو جنت منکشف ہوئی آپ نے اس طرف سے مُنہ پھیر لیا اور کہا

ان کان منزلتی فی الحب عندکم　　　ماقد رائیت فقد ضیعت ایامی

کہ جان تو آپ کے لئے دے رہا ہوں جنت کو کیا کروں آخر جنت چھپ گئی اور فوراً تجلی ظاہر ہوئی اور جان بحق ہوئے ان کی بالکل وہی حالت ہو گئی کہ ؎

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد　　　تا نہ بینم رخ تو روح رسیدن ندہم

اکثر لوگ ان حالات کو سن کر تعجب کرینگے لیکن یہ تعجب صرف اس وجہ سے ہے کہ خود اس سے محروم ہیں مگر ایسے لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ع تو مشو منکر کہ حق بس قادر ست ؎

رجوع بجانب سرخی (بزرگوں کے عرس کا طریقہ محض لغو ہی مع دلیل)

غرض بزرگوں کے اور حدیث وغیرہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان بزرگوں کی وفات کا دن یوم العرس ہے لیکن لوگوں نے اس کے مفہوم و مصداق دونوں کو بالکل خراب کر دیا ہے مصداق کی خرابیاں تو ظاہر ہیں کہ تمام شرک و بدعت اس عرس کا جزو ہو گئی - باقی مفہوم کی خرابی یہ کہ اس لفظ کے لغوی معنے لیکر شادی کے لوازم بھی وہاں جمع کر دئے چنانچہ اکثر جگہ رسم ہے کہ بزرگوں کی قبر پر مہندی چڑھاتے ہیں نوبت نقارہ رکھتے ہیں اسی طرح مزامیر وغیرہ سب لغو حرکتیں جمع کر رکھی ہیں غریب مردہ پر تو بس چلتا نہیں قبر کی گت بنائی جاتی ہے تو حقیقت میں وہ یوم العرس اس اعتبار سے ہے کہ جس کو ذکر کیا گیا کہ وہ ان بزرگوں کی خوشی کا دن ہے اور یہ کوئی دنیوی خوشی نہیں ہے تو اس میں کوئی طریقہ مقرر کرنے کیلئے ضرورت وحی کی ہو گی - اور وحی ہی نہیں بلکہ اس کے خلاف پر وحی

ہے چنانچہ ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کا تتخذ وقبری عیداً کہ میری قبر کو عید نہ
بنانا عید میں تین چیزیں ضروری ہیں ایک اجتماع دوسرے تعین وقت تیسری فرحت تو ممانعت کا خلاصہ
یہ ہوا کہ میری قبر پر کسی یوم معین میں سامان فرحت کے ساتھ اجتماع نہ کرنا ہاں اگر خود بخود کسی وقت
میں کسی غرض سے اجتماع ہو جاوے تو اور بات ہے۔ دوسرے حضور کا یہاں سے تشریف لیجانا
اگرچہ آپ کے لئے باعث سرور ہے لیکن ہمارے لئے تو باعث حزن ہے اور حضور کی وفات سے جو ہم پر
نعمت کاملہ فرمائی ہے جس کو میں نے نشر الطیب میں لکھا ہے وہ دوسرے اعتبار سے ہے پس
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر ایسا اجتماع جائز نہیں تو دوسروں کی قبر پر ایسا اجتماع کیونکر جائز
ہوگا اور عجیب برکت ہے کہ آج تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر اجتماع کا کوئی دن معین
نہیں ہوا الحمد اللہ اس مسئلہ کی تحقیق کافی ہوگئی۔

بری نظر اور بری نیت کا مرض آجکل عام ہو رہا ہے

یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور۔ ترجمہ آیت شریفہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت
کو جانتے ہیں اور جس شے کو سینے چھپاتے ہیں اس کو بھی جانتے ہیں یہ ایک آیۃ ہے جس کے الفاظ
تھوڑے ہیں اور معانی بہت ہیں اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک امر قبیح پر مطلع فرمایا ہے اور علاوہ
اطلاع کے اسمیں زجر بھی ہے اس کو اس وقت اسلئے اختیار کیا ہے کہ جس مرض کا اسمیں بیان ہے
آجکل اس میں بہت ابتلا ہے اور امراض میں سے وہی مرض تنبیہ کرنیکے لئے لیا جاتا ہے جس میں ابتلا ہو۔

معصیت بھی مرض ہے

اور مرض سے یہاں مراد معصیت ہے گو لوگ اس کو مرض نہ سمجھیں کہ تعجب ہوگا کہ اس کو مرض کیوں
کہا گیا لیکن بعد بیان حقیقت مرض کے اس کی وجہ سمجھ میں آجاویگی مرض کی حقیقت ہے اعتدال سے
مزاج کا خارج ہو جانا اور معصیت میں بھی قلب کا مزاج اعتدال سے خارج ہو جاتا ہے

معصیت کا مرض جسمانی سے اشد ہونا اور اس کا بیان کہ موت تمام تکلیفوں سے چھڑا دیتی ہے

بلکہ یہ خروج عن الاعتدال جو قلب کے متعلق ہی زیادہ مضر ہے اسلئے کہ بدنی مرض کا انجام بہت سے بہت یہ ہے
کہ مر جاویگا اور مرنے سے بعض اوقات ہوتا ہے کہ بہت سے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا ہے کیونکہ
جسقدر آلام ہیں وہ اس بدن اور روح ہی کے تعلق کی وجہ سے ہیں۔ دیکھئے مرض خدر یعنی سن

ہو جانے میں بدن کو اگر کاٹ ڈالیں تو کچھ بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور مفلوج کے فالج زدہ حصہ میں اگر سوئیاں بھی چبھوئیں تو کچھ بھی اثر نہیں ہوتا کیونکہ روح کا تعلق بدن سے ویسا نہیں رہا باوجودیکہ اس حالت میں روح سے تعلق رہتا ہے گو وہ ضعیف ہی اور اس تعلق ہی کا اثر یہ ہے کہ وہ عضو گلتا سڑتا نہیں جیسے مردہ کا بدن گلجاتا ہے اور جب کہ بالکل ہی روحی مفارقت ہو جاوے اور یہ تعلق ضعیف بھی نہ رہے گا تو ظاہر ہے کہ بطریق اولی تکلیف نہ ہوگی یعنی جو مفہوم تکلیف کا ہمارے نزدیک ہی اور جو معنے متبادر الم کے ہیں وہ نہ ہوگی

روح کو مفارقت جسم کے بعد جسم کو صدمہ دینے سے کس قسم کی تکلیف ہوتی ہے

ہاں دوسرے دلائل سے معلوم ہوا کہ روح کو بعد مفارقت جسم کچھ تاذی ہوتی ہے جیسا کہ بعض نصوص میں ہے کہ مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہے جیسا زندہ کی ہڈی توڑنا جس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ایسے فعل سے روح کو کچھ الم ہوتا ہے مگر جس قسم کا الم روح کے تعلق مع الجسم کی حالت میں ہڈی توڑنے سے روح کو ہوتا ہے وہ الم نہیں ہوتا ہے اس کو ایک مثال کے ضمن میں سمجھنا چاہیئے کہ مثلاً زید کے بدن کو اگر مارا جاوے تو اس کو تکلیف ہوگی اور زید کی رضائی اتار کر چولھے میں رکھدی جاوے تب بھی تکلیف ہوگی مگر دونوں تکلیفیں جدا جدا ہیں پس روح کے مفارق ہونے کے بعد روح کو ایسی ہی تکلیف ہوتی ہے جیسے رضائی جلانے سے زید کو ہوئی اور اس تکلیف کی وجہ بھی وہی تعلق سابق ہے جو بدن کے ساتھ اس کو تھا وہ تعلق اس کو مستحضر ہوتا ہے اس لئے تکلیف ہوتی ہے۔

موت بڑے آرام کی چیز ہے اور اُس پر ایک عجیب حکایت

خلاصہ یہ ہے کہ جب روح مفارق ہوجاتی ہے تو کوئی الم نہیں رہتا اسوقت ایک لطیفہ یاد آیا ایک طبیب کی تعریف کی گئی کہ یہ بڑے اچھے حکیم ہیں ان کے علاج سے مرض ہی نہیں رہتا یعنی مریض ہی نہیں رہتا جو مرض رہے کیونکہ مرض نہ رہنے کی دو صورتیں ہیں یا تو مریض رہے اور تندرست ہوجاوے یا یہ کہ مریض ہی چلدے جیسے کسی افیونی کی ناک پر مکھی آکر بیٹھی اُس نے اُڑا دیا وہ پھر آبیٹھی جب

گئی بار اُڑانے سے نہ گئی تو آپ نے چھری لیکر ناک کاٹ ڈالی اور کہا وہ اڈّا ہی نہیں رہا جس پر اب بیٹھے گی خلاصہ یہ ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے نہ زکام رہتا ہے نہ کھانسی نہ بخار نہ فکر نہ رنج سب بلائیں اور آلام دور ہو جاتے ہیں بالکل سکون ہو جاتا ہے سکون کے لفظ پر ایک شرعی لطیفہ یاد آیا اور وہ حکیمانہ لطیفہ ہے اور وہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور اُن کی بی بی اُمّ سلیم رضؓ کا قصہ ہے ان دونوں میاں بی بی کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے ایک مرتبہ اُن کا ایک بچہ بیمار ہو گیا حضرت ابو طلحہ رضؓ ہمیشہ آکر بی بی سے اس کا حال پوچھتے ایک روز وہ بچہ انتقال کر گیا حضرت ابو طلحہ رضؓ اس وقت باہر تھے بی بی نے یہ خیال کیا کہ اگر میں اب اطلاع کر دوں گی تو شب کا وقت ہے نہ کھانا کھائیں گے اور نہ انکو نیند آئے گی خواہ مخواہ بےچین ہوں گے اس لئے مناسب ہے کہ اس وقت اطلاع ہی نہ کی جائے حقیقت میں دین عجیب چیز ہے تمام عمر کی اصلاح کر دیتا ہے حضرت ابو طلحہ رضؓ جب باہر سے تشریف لائے تو عادت دریافت فرمایا کہ بچہ کیسا ہے اب یہ وقت بڑے امتحان کا تھا اگر سچ بولیں تو وہ مصلحت فوت ہوتی ہے اور جھوٹ میں شرعاً گناہ حقیقت میں بڑی کشمکش کا وقت تھا لیکن دین فہم کو تیز کر دیتا ہے چنانچہ من جانب اللہ ایک جواب اُن کو القا ہوا فرمایا کہ اب تو اُس کو سکون ہی آرام ہے اس لئے کہ موت سے بڑھکر کوئی سکون اور آرام نہیں ہے اس لئے کہ آرام و راحت میں دو صورتیں ہیں دفع مضرت یا جلبِ منفعت دونوں حالتوں میں عرفاً آرام سے ہونا کہا جاتا ہے موت میں دونوں چیزیں موجود ہیں دفع مضرت بھی ہے وہ تو ظاہر اور جلب منفعت یہ ہے کہ موت سے وصول الی المحبوب الحقیقی ہوتا ہے یہ خاص مسلمانوں کے لئے ہے۔ ایک لطیفہ یاد آیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے باپ یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو جیسا کہ ایک اعرابی نے مجھکو تسلی دی ایسی کسی نے نہیں دی سچ یہ ہے کہ دیندار خواہ گانوں کا ہو یا شہر کا اُس کا فہم چونکہ دین کی وجہ سے درست ہو جاتا ہے اسلئے وہ حقائق امور کو خوب سمجھتا ہے وہ مضمون تسلی کا یہ ہے

اصبر نکن بک صابرین فانما — صبر الرعیۃ بعد صبر الراس

خیر من العباس اجرک بعدہ — واللہ خیر منک للعباس

مطلب یہ ہے کہ آپ صبر کیجیئے ہم بھی آپ کی وجہ سے صبر کرینگے کیونکہ چھوٹوں کا صبر بڑوں کے صبر کے بعد ہوتا ہے اور اس واقعہ میں نہ تمہارا کچھ نقصان ہوا بلکہ نفع ہی ہے اور وہ نفع یہ ہے کہ تم کو ثواب ملا اور وہ ثواب تمہارے لئے حضرت عباس رضؓ سے بہتر ہے اور حضرت عباس رضؓ کا بھی کچھ

نقصان نہیں ہوا اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ سے مل گئے اور اللہ تعالیٰ عباس رضؓ کیلئے تم سے بہتر ہے
یعنی تمہارے پاس رہنے سے اللہ کے پاس رہنا بہتر ہے یہ عجیب مضمون ہے حقیقت میں موت
ایسے ہی آرام کی چیز ہے حدیث میں آیا ہے کہ موت مومن کا تحفہ ہے اور انسان کی حالت یہ ہی
کہ اس سے بھاگتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس عالم کو دیکھا نہیں موت ایک ریل ہی گاڑی
کی طرح ہے جیسے گاڑی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچا دیتی ہے اسی طرح موت اس
عالم سے دار آخرت میں پہونچا دیتی ہے جب گاڑی میں آدمی بیٹھا ہوتا ہے تو اس کو کچھ خبر
نہیں ہوتی کہ میرے لئے وہاں کیا کیا طیار ہو رہا ہے جب ریل سے اسٹیشن پر اترے دیکھا تو وہاں
طرح طرح کے سامان ہیں ایک مخلوق استقبال کے لئے کھڑی ہے اقسام اقسام کی نعمتیں کھانے
پینے کی موجود ہیں تو اسوقت جانتا ہے کہ اللہ اکبر یہاں تو ہمارے لئے بڑا سامان ہے اور جہاں سے آیا تھا
وہ سب اس کی نظر میں ایچ معلوم ہوتا ہے بلکہ اس کا خیال تک بھی نہیں آتا اسی طرح اس دنیا کا
حال ہے کہ اس وقت یہاں کچھ خبر نہیں لیکن جب یہاں سے رحلت ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ وہاں
دیکھ لینگے کہ یہاں ہمارے لئے کیا نعمتیں ہیں اور بزرگوں نے بصر سے یا بصیرت سے دیکھا ہے اس لئے
ان کی نظر میں دنیا کی کوئی وقعت نہیں ہے دنیا کو عالم آخرت کے ساتھ وہ نسبت ہے جو ماں کے رحم کو
اس دنیا کے ساتھ ہے جیسے بچہ اپنی رضامندی سے دنیا میں نہیں آتا اسی طرح آدمی وہاں جانا نہیں
چاہتا اور جیسے بچہ ماں کے رحم ہی کو سمجھتا ہے کہ تمام جہان یہی ہے اور آگے اس کی نظر ہی نہیں جاتی
اور جب ماں کے رحم سے نکلتا ہے تو حقیقت معلوم ہوتی ہے اسی طرح ہم لوگ جب یہاں سے جاوینگے
تو اس دنیا کی حقیقت معلوم ہوگی بہر حال موت ہر طرح سکون اور آرام کی شے ہے اسی واسطے
حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا اب اسکو سکون ہے اس کے بعد حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے
کھانا کھایا اور پھر ان کو بی بی کے پاس جانے کی رغبت ہوئی اور بی بی کا حال یہ کہ ظاہر میں تو جو
کچھ میاں کہتے تھے ان کی رضامندی کے واسطے سب یہ کچھ کر رہی تھیں مگر اندر جو کچھ تھا وہ
حق تعالیٰ کو معلوم تھا غرض میاں تو فارغ ہو کر سو رہے اور بی بی کو کیا نیند آئی ہوگی صبح کے وقت
جب حضرت ابو طلحہ رضؓ نماز پڑھکر تشریف لائے تو بی بی نے پوچھا کہ بھلا ایک بات تو بتلاؤ اگر کوئی
شخص کسی کے پاس کوئی امانت رکھدے تو جب وہ اپنی امانت مانگے تو ہنسی خوشی دینا چاہیئے
یا ناک منھ چڑھانا چاہیئے انہوں نے فرمایا کہ نہیں ہنسی خوشی دینا چاہیئے کہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی
امانت لے لی اب تم صبر کرو میاں ناراض بھی ہوئے کہ رات تم نے خبر نہ کی فرمایا کہ کیا نفع تھا

تم پریشان ہوتے ہو مجھے اس پر یہ قصہ یاد آیا تھا کہ انہوں نے موت کا نام سکون رکھا۔

رجوع بجانب سرخی (معصیت کا مرض جسمانی سے اشد ہونا الخ)

حاصل یہ کہ امراض بدنیہ کا انتہائی انجام موت ہے، اور موت چونکہ قاطع تمام مصائب کی ہے اسلیئے کچھ مضر نہیں مگر بھی امراض بدنیہ کا اسقدر اہتمام ہوتا ہے جس کی کوئی حد نہیں بخلاف مرض روحانی کے جس کی حقیقت ہے حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا اور اعتدال سے خارج ہوجانا کہ اسکا انجام وہ ہلاکت ہے جسکی نسبت فرمایا ہے لایموت فیھا ولا یحیی جسکا نام جہنم ہے اگر موت آجاتی تو سب قصے ختم ہوجاتے مگر وہاں موت بھی نہیں پس جس مرض کا انجام صرف ہلاکت بدن ہے اس کو جب قابل اہتمام سمجھتے ہیں تو جس مرض کا نتیجہ ہلاکت ابدی یا مدید و شدید ہے کیا وہ قابل اہتمام نہیں کیا اس کو مرض نہ کہا جاویگا مگر حالت یہ ہے کہ زکام ہوجاوے تو حکیم جی کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور صدہا روحانی امراض میں مبتلا ہیں اور کچھ پرواہ نہیں ؏

فکر کونسی معصیت کی زیادہ ہونی چاہیئے

اور یوں تو ہر معصیت قابل اہتمام و فکر ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ وہ معصیت زیادہ قابل فکر ہے جس کو خفیف سمجھا جاوے کسی نے بقراط سے پوچھا تھا کہ امراض میں کونسا زیادہ شدید ہے کہا کہ جس مرض کو خفیف سمجھا جاوے وہ بہت اشد ہے اسی طرح جس گناہ کو ہلکا سمجھا جاوے وہ بہت شدید ہے اس لئے کہ وہ لاعلاج ہے۔

بری نظر اور بری نیت بہت سخت گناہ ہے مگر لوگ اس کو ہلکا سمجھتے ہیں

سو منجملہ ایسے امراض کے ایک مرض یعنی گناہ وہ ہے جسکا آیت کریمہ میں ذکر ہے اور اسی واسطے اس کو اس وقت اختیار کیا گیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں یعلم خائنۃ الاعین الخ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس آیت میں دو گناہوں کا ذکر فرمایا ہے آنکھوں کے گناہ کو اور دل کے گناہ کو اور یوں تو آنکھوں کے بہت سے

گناہ ہیں لیکن یہاں ایک خاص گناہ کا ذکر ہے وہ کیا ہے بدنگاہی اسی طرح دل کے بہت گناہ ہیں لیکن یہاں بقرینۂ سیاق خاص گناہ کا ذکر ہے یعنی نیت بری ہونا ان دونوں گناہوں کو لوگ گناہ سمجھتے ہیں لیکن اسمیں شک نہیں ہے کہ جس درجہ انکی مضرت ہے اسقدر نہیں سمجھتے چنانچہ گناہ کا ادنی اثر یہ ہونا چاہیئے کہ دل تو میلا ہو جائے مگر اس گناہ کے بعد دل بھی میلا نہیں ہوتا بہت خفیف سمجھتے ہیں کسی عورت کو دیکھ لیا کسی لڑکے کو گھور لیا اس کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے کسی اچھے مکان کو دیکھ لیا یا کسی پھول کو دیکھ لیا۔

بری نظر اور برے خیال کا مرض عام ہے اور اس کی وجہ

اور یہ گناہ وہ ہے کہ اس سے بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں بدکاری سے تو بہت محفوظ ہیں کیونکہ اسکے لئے بڑے اہتمام کرنے پڑتے ہیں اول تو جس سے ایسا فعل کرے وہ راضی ہو اور روپیہ بھی پاس ہو اور نیز حیا و شرم مانع نہ ہو غرض اس کے لئے شرائط بہت ہیں اسی طرح موانع بھی بہت ہیں چنانچہ کہیں تو یہ امر مانع ہوتا ہے کہ اگر کسی کو اطلاع ہو گئی تو کیا ہو گا کسی کو خیال ہوتا ہے کہ کوئی بیماری نہ لگ جاوے کسی کے پاس روپیہ نہیں ہوتا کسی کو اس کی وضع مانع ہوتی ہے چونکہ موانع زیادہ ہیں اس لئے کوئی شایستہ آدمی خصوصا جو دیندار سمجھے جاتے ہیں اس میں بہت کم مبتلا ہوتے ہیں بخلاف آنکھوں کے گناہ کے کہ اس میں سامان کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ نہ اسمیں ضرورت روپیہ کی اور نہ اس میں بدنامی کیونکہ اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے کہ کیسی نیت ہے کسی کو گھور لیا اور مولوی صاحب مولوی صاحب رہتے ہیں اور قاری صاحب قاری صاحب رہتے ہیں نہ اس فعل سے ان کی مولویت میں فرق آتا ہے اور نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں دھبہ لگتا ہے اور گناہوں کی خبر تو اوروں کو بھی ہوتی ہے مگر اس کی اطلاع کسی کو نہیں ہوتی معصیت کرتے ہیں اور نیکنام رہتے ہیں لڑکوں کو گھورتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو بچوں سے بڑی محبت ہے جبکہ آنکھوں کے گناہ میں اطلاع نہیں ہوتی تو دل کے گناہ میں تو کیسے ہو سکتی ہے۔

بزرگوں کی پردہ پوشی اور اسکا بیان کہ بدنگاہی سے آنکھ بے نور ہو جاتی ہے

اور جن کو اطلاع ہوتی بھی ہے وہ حضرات ایسے متحمل اور ظرف والے ہیں کہ کسی کو خبر نہیں کرتے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور وہ کسی کو بُری نگاہ سے دیکھکر آیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطاب خاص سے تو اُس کو کچھ نہ فرمایا لیکن یہ فرمایا مابال اقوام یترشح الزنا من اعینھم یعنی لوگوں کا کیا حال ہے کہ اُن کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے تو یہ عنوان ایسا ہے کہ اس میں رسوائی کچھ نہیں لیکن جو کرنے والا ہے وہ سمجھ جائیگا کہ مجھ سے فرمارہے ہیں اہل کشف نے لکھا ہے کہ بدنگاہی سے آنکھوں میں ایک ایسی ظلمت ہوجاتی ہے کہ جس کو تھوڑی سی بصیرت ہو وہ پہچان لیگا کہ اس شخص کی نگاہ پاک نہیں ہے اگر دو شخص ایسے لئے جاویں کہ عمر میں حُسن و جمال میں اور ہر امر میں وہ برابر ہوں فرق اُن میں صرف اس قدر ہو کہ ایک فاجر ہو دوسرا متقی ہو جب چاہے دیکھ لو متقی کی آنکھ میں رونق اور دلفریبی ہوگی اور فاسق کی آنکھ میں ایک قسم کی ظلمت اور بے رونقی ہوگی لیکن اہل کشف خصوصیت سے کسی کو کہتے نہیں بلکہ عیب پوشی کرتے ہیں۔

حکایت۔ اسپر مجھے مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی حکایت یاد آئی شاہ صاحب مسجد میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیا کرتے تھے ایک مرتبہ حسب معمول حدیث کا درس ہو رہا تھا کہ ایک طالب علم وقت سے دیر کر کے سبق کے لئے آئے حضرت شاہ صاحب کو منکشف ہوگیا کہ یہ جنبی ہیں غسل نہیں کیا وہ طالب علم معقولی تھے معقولی ایسے ہی لاپرواہ ہوتے ہیں شاہ صاحب نے مسجد سے باہر ہی روک دیا اور فرمایا کہ آج تو طبیعت سُست ہی جمنا پر چلکر نہائینگے سب لنگیاں لے کر چلو سب لُنگیاں لے کر چلے سب نے غسل کیا اور وہاں سے آکر فرمایا کہ ناغہ مت کرو کچھ پڑھ لو وہ طالب علم ندامت سے پانی پانی ہوگیا اہل اللہ کی یہ شان ہوتی ہے کیسے لطیف انداز سے اُس کو امر بالمعروف فرمایا۔

شیخ سے اپنا کوئی عیب نہ چھپانا چاہیئے

اور جب بزرگوں کی شان معلوم ہوگئی کہ وہ کسی کو رسوا نہیں کرتے تو اب مستفیدین کو بھی چاہیئے کہ ایسے شیوخ سے اپنے عیب کو نہ چھپایا کریں اس لئے کہ عیب ظاہر نہ کرنا دو وجہ سے ہوتا ہے یا تو خوف ہوتا ہے کہ یہ ہم کو حقیر سمجھینگے سو ان حضرات میں نہ تو یہ

بات ہے کہ کسی کو حقیر سمجھیں اس لئے کہ یہ حضرات سوائے اپنے نفس کے کسی کو حقیر نہیں سمجھتے اور یہ خوف ہوتا ہے کہ کسی کو اطلاع کر دینگے سو ان حضرات میں یہ بات ہے اس لئے اُن سے صاف کہدینا چاہیئے مگر یہ اظہار معالجہ کے لئے ہے نہ کہ بلا ضرورت کیونکہ بلا ضرورت گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے اور بضرورت ظاہر کرنے کے حق میں حضرت عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

چنداں کہ گفتیم غم با طبیباں | درماں نکردند مسکیں غریباں
ماحال دل را بایار نگفتیم | نتواں نہفتن درد از حبیباں

بدنگاہی کے عام ہونیکے وجوہ اور اس کا بیان کہ گناہوں کی بنیاد کب سے پڑتی ہے

غرض چونکہ وہ لوگ کسی کو نصیحت نہیں کرتے اور جو نصیحت کرنے والے ہیں اُن کو اطلاع نہیں ہوتی اس لئے یہ گناہ بدنگاہی کا اکثر چھپا ہی رہتا ہے اس لئے لوگ بے دھڑک اس کو کرتے ہیں پھر زنا و دیگر معاصی مثل سرقہ وغیرہ میں تو ضرورت اس کی بھی ہے کہ قوت و طاقت ہو اس میں اسکی بھی ضرورت نہیں اس لئے بوڑھے بھی اس میں مبتلا ہیں۔ دیکھئے بوڑھا اگر عاشق ہو جاوے اور رقابو بھی چل جاوے تو کچھ بھی کر سکتا اسلئے کہ وہ قوت ہی نہیں ہے مگر آنکھوں کے سینکنے میں تو اس کی بھی ضرورت نہیں خواہ لب گور ہی ہو جاویں مجھ سے ایک بوڑھے آدمی ملے اور وہ بہت متقی تھے اُنھوں نے اپنی حالت بیان کی کہ میں لڑکوں کو بری نظر سے دیکھنے میں مبتلا ہوں ایک اور بوڑھے تھے وہ عورتوں کے گھورنے میں مبتلا تھے اور یہ مرض اول جوان میں پیدا ہو جاتا ہے بلکہ سب گناہوں کی یہی شان ہے کہ اول جوانی میں تقاضے کی وجہ سے کیا جاتا ہے پھر وہ مرض اور روگ لگجاتا ہے اور لب گور تک کیا جاتا ہے جیسے حقہ کہ اول کسی مرض کی وجہ سے پینا شروع کیا تھا مگر پھر یہ مرض لگجاتا ہے اور شغل ہو جاتا ہے لیکن جوان اور بوڑھے میں فرق یہ ہے کہ جوان آدمی تو معالجہ کے لئے کسی سے کہہ بھی دیتا ہے اور بوڑھا آدمی شرم کی وجہ سے کسی سے کہتا بھی نہیں پس اسکے مخفی رہنے اور خفیف ہونے کی وجہ سے اس میں کثرت سے ابتلا واقع ہے اسی واسطے

فرماتے ہیں یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور۔ یعلم کا لفظ دال ہے کہ اور لوگ اس سے واقف نہیں ہیں ہم ہی واقف ہیں مطلب یہ ہے کہ تم جو یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے اس گناہ کی کسی کو خبر نہیں یہ صحیح نہیں ایک کو خبر ہے کہ جس کو خبر ہو جانا غضب ہے اس لئے کہ اس کو تم پر پوری قدرت ہے

بعض طبائع کو سزا کا خوف مانع ہوتا ہے جرم سے اور بعض طبائع کو جرم پر اطلاع کا خوف مانع ہوتا ہے بدنگاہی پر ایسی وعید کی گئی ہے جو دونوں مذاق والوں کیلئے زاجر ہے

اور اس گناہ کو ذکر فرما کر اس کی سزا بیان نہیں فرمائی بخلاف دیگر معاصی کے کہ اُن کی سزا ساتھ ساتھ بیان فرما دی ہے اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ طبائع ہم لوگوں کی مختلف ہیں بعض طبائع تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو سزا ہونا مانع اور زاجر ہوتا ہے وہ تو وہ لوگ ہیں جو بے حیا و بے شرم ہیں کہ جوتوں سے ڈرتے ہیں اور بغیر جوتیوں کے خواہ کسی کو خبر ہو جاوے ان کو کچھ باک نہیں اور بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ سزا کی اگر اطلاع ہو جاوے تو رکاوٹ کم ہوتی ہے لیکن اس سے وہ گڑ جاتے ہیں کہ فلاں کو خبر ہو جاوے گی بالخصوص جبکہ یہ معلوم ہو جاوے کہ ہمارا یہ جرم معاف بھی ہو جاویگا تو اور بھی زیادہ عرق عرق ہو جاتے ہیں۔ کیا خوب کہا ہے ؎

تصدق اپنے خدا کے کہ پیار آتا ہے مجھکو اُن پہ
ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر وہ دمبدم عنایت

اسی بنا پر ایک آیۃ کی تفسیر یاد آ گئی وہ یہ کہ غزوہ احد کے قصہ میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو حضور کے حکم میں کچھ خطا واقع ہوئی تھی وہ یہ کہ جس ناکہ پر حضور نے ثابت اور قایم رہنے کا امر فرمایا تھا بوجہ خطا اجتہادی کے اسپر قایم نہ رہے اس کے بارہ میں ارشاد ہے اذ تصعدون ولا تلوٗن علیٰ احدٍ والرسول یدعوکم فی اخرٰکم فاثابکم غماً بغمٍّ لکیلا تحزنوا علیٰ ما فاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیرٌ بما تعملون یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک غم دیا بسبب اس کے کہ ہمارے رسول کو تم نے غم دیا اور غرض اس غم دینے کی یہ فرمائی کہ تم لوگ غمگین نہ ہو تو بظاہر یہ فہم میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ غم تو اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ حزن ہو نہ اس لئے کہ غم نہ ہو۔

اسی واسطے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لا زائد ہے مطلب یہی ہے کہ غم اس لئے دیا تا کہ تم کو حزن ہو لیکن الحمد للہ میری سمجھ میں اس کی تفسیر ایسی آئی ہے کہ اس تقدیر پر لا زاید ماننے کی ضرورت نہیں ہے اور معنی بے تکلف درست ہیں وہ یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حق تعالیٰ سے نہایت شرماتے تھے جب ان سے یہ خطا واقع ہوئی تو ان کا جی چاہتا ہے کہ ہم کو سزا اس کی دنیا میں ملجائے تو ہماری طبیعت صاف ہو جاوے اور اپنے مالک حقیقی سے سرخرو ہو جائیں اگر سزا نہ ہوتی تو ساری عمر رنجیدہ رہتے۔ اور یہ غم ان کے نزدیک نہایت جانکاہ و جاں فرسا تھا۔ اس بنا پر فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو اس خطا کی یہ سزا دیدی تا کہ تم کو غم نہ ہو غرض کہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ جو سزا کا نام سنکر رکتے ہیں اور ایک وہ جو صرف اطلاع کی خبر دینے سے شرماتے ہیں اور اس کام کے قریب نہیں جاتے تو جو بے حیا تھے وہ تو یوں رکے کہ یعلم میں اشارہ سزا کی طرف بھی ہے چنانچہ مفسرین ایسے مقام پر فیجازیکم بہ فرماتے ہیں اور دوسرے مذاق والے اسلئے رکے کہ شرم سے گڑ گئے کہ اللہ اکبر وہ جانتے ہیں بہر حال یہ دونوں مذاق والوں کے لئے وعید ہے

لوگوں کو بدنگاہی سے بچنے کا اہتمام نہ ہونا اور اس کا بیان کہ بدنگاہی کے متعلق کیا کیا دھوکے ہوتے ہیں

اس تمام تر تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ مرض نہایت اہتمام کے قابل ہے اب ہم کو اپنی حالت دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے اندر اس معصیت سے بچنے کا کتنا اہتمام ہے میں دیکھتا ہوں کہ شاید ہزار میں ایک اس سے بچا ہوا ہو ورنہ ابتلائے عام ہے اس کو نہایت درجہ خفیف سمجھتے ہیں جو جوان ہیں ان کو تو اس کا احساس ہوتا ہے اور جن کی قوت شہویہ ضعیف ہو گئی ہے ان کو احساس بھی نہیں ہوتا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو تو شہوت ہی نہیں اس لئے کچھ حرج نہیں ہے سو ان کو مرض کا بھی پتہ نہیں لگتا اور بعضوں کو اور دھوکہ ہوتا ہے وہ یہ کہ شیطان بہکاتا ہے کہ جیسے کسی پھول اچھے کپڑے اچھے مکان وغیرہ کو دیکھنے کو دل چاہتا ہے ایسے ہی اچھی صورت دیکھنے کو بھی دل چاہتا ہے سو یہ بالکل دھوکہ ہے یاد رکھو کہ رغبت کے مختلف انواع ہیں جیسی رغبت پھول کی طرف ہے ویسی انسان کی طرف نہیں اچھے کپڑے کو دیکھ کر کبھی جی نہیں چاہتا کہ اس کو گلے لگالوں چمٹالوں۔ انسان کی طرف ایسی ہی رغبت ہوتی ہے ایک

دھوکہ اور ہوتا ہے وہ یہ کہ بعضے یہ کہتے ہیں جیسے اپنے بیٹے کو دیکھکر جی چاہتا ہے کہ گلے لگالوں اسی طرح دوسرے کے بچہ کو دیکھکر بھی ہمارا یہی جی چاہتا ہے صاحبو کھلی ہوئی بات ہے اپنے سیانے بچہ اور دوسرے کے سیانے لڑکے میں بڑا فرق ہے۔ اپنے لڑکے کو گلے لگانا چمٹانا اور طرح کا ہے اسمیں شہوت کی آمیزش ہرگز نہیں اور دوسرے کے لڑکے کی طرف اور قسم کا میلان ہے کہ اس میں گلے لگانے سے بھی آگے بڑھنے بعض کا جی چاہتا ہے۔ محبوب کی جدائی میں اور طرح کا رنج ہوتا ہے اور اپنے لڑکے کی جدائی میں اور قسم کا۔

بدنگاہی کیسی مضر چیز ہے اور اس کا بیان کہ امردوں کی مخالطت عورتوں کی مخالطت سے بھی زیادہ مہلک ہے

اور لڑکوں کی رغبت تو اور بھی سم قاتل ہے نصوص میں تو اس کی حرمت ہی ہمارے بزرگوں نے بھی جو اس کے آثار لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی سخت بلا ہی ایک بزرگ مطلق نظر کے لئے فرماتے ہیں النظرۃ سھم من سہام ابلیس یعنی نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے حضرت ابوالقاسم قشیری دونوں امر کی نسبت فرماتے ہیں کہ سالک کیلئے امردوں اور عورتوں کی مخالطت رہزن ہے ایک بزرگ کا خاص امردوں کے حق میں قول ہے کہ اللہ تعالےٰ جس کو اپنی بارگاہ سے مردود کرنا چاہتے ہیں اس کو لڑکوں کی محبت میں مبتلا کر دیتے ہیں غرض یہ نہایت مضرت کی چیز ہے۔

بدنگاہی کا اور گناہوں سے اشد ہونا اور اس کے متعلق ایک بڑا دھوکہ

اور دوسرے معاصی اور بدنگاہی کی معصیت میں ایک اور فرق ہے وہ یہ کہ صدور کے بعد سب گناہوں کا اثر ختم ہو جاتا ہے اور دل بھر جاتا ہے مگر بدنگاہی ایسی شے ہے کہ جب صادر ہوتی ہے اور زیادہ تقاضا ہوتا ہے کہ اور دیکھو آدمی کھانا کھاتا ہے سیر ہو جاتا ہے پانی پیتا ہے پیاس بجھ جاتی ہے مگر یہ نظر ایسی بلا ہے کہ اس سے سیری نہیں ہوتی ہے اس حیثیت خاص سے یہ تمام گناہوں سے بڑھکر ہے بعضے لوگ اس کو سمجھتے ہیں کہ اس سے خدا کا قرب ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہم خدا کی قدرت دیکھتے ہیں مگر نرا شیطانی دھوکہ ہوتا ہے شیخ سیرازی

نے ایسے ہی لوگوں کے جواب میں ایک حکایت تحریر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

یکے صورت دید صاحب جمال
بگردیدش از شورش عشق حال

برانداخت موت بیچارہ چنداں عرق
کہ شبنم بر آرد بہشتی ورق

گذر کرد بقراط بروے سوار
بپرسید کیں را چہ افتاد کار

کسے گفتش ایں عابد پارسا ست
کہ ہرگز خطائے زدستش نخاست

بر آشفت خاطر فریبی دلش
فرو رفتہ پائے نظر در گلش

نہ ایں نقش دل می رباید ز دست
دل آں می رباید کہ ایں نقش بست

بقراط جواب دیتا ہے

نگارندہ را خود ہمیں نقش بود
کہ شوریدہ را دل بیغما ربود

چرا طفل یک روزہ ہوشش نبرد
کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خورد

محقق ہماں بیند اندر ابل
کہ در خوبرویان چین و چگل

اگر کوئی دعویٰ کرے کہ مجھکو اونٹ اور انسان صاحب جمال دونوں برابر ہیں وہ کاذب ہے آدمی اپنی طبیعت کا خود اندازہ کرسکتا ہے اور یہ میلان جس کو عشق کہتے ہیں عشق نہیں ہے بہ شہوت ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں ؎

ایں نہ عشق است آنکہ در مردم بود
ایں فساد از خوردن گندم بود

یہ فساد روٹیوں کا ہے ایسے لوگوں کو چار روز تک روٹی نہ ملے اس کے بعد پوچھا جاوے کہ روٹی لاؤں یا لڑکا یہ کہیگا کہ لڑکا اپنی ایسی تیسی میں جائے روٹی لاؤ۔

بزرگوں نے جو عشق مجازی کا حکم فرمایا ہے اس کا کیا مطلب ہے اور اسکا بیان کہ عشق مجازی عشق حقیقی سے کس طرح تبدیل ہو جاتا ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملا جامی نے تو عشق مجازی کا امر کیا ہے اور حکایت لکھی ہے کہ کسی بزرگ کے پاس کوئی طالب گیا تھا انھوں نے کہا کہ عاشق ہو کر آؤ اور آگے لکھتے ہیں ؎

متاب از عشق رو گرچہ مجازی است
کہ آں بہر حقیقت کارسازی است

اگر اول الف با تا نخوانی
ز قرآں حرف خواندن کے توانی

اس سے بعض نادانوں نے سمجھا کہ جب تک کسی رنڈی کسی لونڈے کو قبلہ توجہ نہ بنایا جاوے اس وقت تک عشق حقیقی نہ میسر ہوگا بڑی غلطی اور سخت کم فہمی ہے۔ میں اس کا مطلب عرض کرتا ہوں بات یہ ہے کہ اصلی مقصود طالب کا تو یہ ہے کہ جملہ تعلقات قطع کرکے خدا تعالیٰ کیطرف توجہ ہو تو اس کے دو جزو ہیں۔ تعلقات مخلوق سے قطع کرنا اس کو تو اصلاح میں فصل کہتے ہیں اور دوسری طرف تعلق پیدا ہونا اس کو وصل کہتے ہیں۔ اور یہ تعلقات ہی فاصل و حاجب بن رہے ہیں اگر یہ درمیان سے اٹھ جاویں تو وصل ہی وصل ہے شیخ فرماتے ہیں ؎

تعلق حجاب ست بے حاصلی
چو پیوندہا بگسلی واصلی

پس معلوم ہوا کہ مقصود انقطاع عما سوی اللہ ہے جب یہ ہو جاوے تو قصہ سہل ہے اور اس انقطاع کی تحصیل کے لئے بزرگوں نے مختلف معالجے اور تدبیریں فرمائی ہیں۔ مقصود ایک ہی ہے صرف طرق مختلف ہیں ان میں سے ایک طریق تو یہ ہے کہ جس جس مخلوق سے تعلق ہو اور جو جو مرض ہو اس کو قلب سے ایک ایک کرکے زائل کردیا جائے چنانچہ متقدمین کا یہی طریق تھا لیکن اس طریق کے اندر سخت مشقت تھی اس لئے کہ مثلاً کسی شخص کو دس چیزوں سے تعلق ہے مکان سے باغ سے اولاد سے اور دس ہی اس کو مرض ہیں کینہ۔ حسد۔ تکبر وغیرہ تو سب کا بالتفصیل علیحدہ علیحدہ معالجہ کیا جاوے اس کے لئے عمر نوح چاہیئے اور تحکمیل ان امراض کی نہ ہوگی اس مشقت کو دیکھکر بالہام حق پچھلے بزرگوں نے ایک طریقہ ایجاد کیا ہے جیسے طبیب مشفق کی شان ہوتی ہے کہ مریض اگر کڑوی دوا سے ناک منہ چڑھاتا ہے تو وہ اس کو کسی اچھی تدبیر سے کھلا دیتا ہے یا بدلدیتا ہے ایسا ہی انہوں نے دیکھا کہ مثلاً ایک شخص کو ایک ہزار چیزوں سے تعلق ہے تو اگر ایک ایک چیز سے تعلق چھڑا دیا جاوے تو بہت مدت صرف ہوگی کوئی تدبیر ایسی ہونا چاہیئے کہ ایکدم سے سب کا خاتمہ ہو جائے جیسے کسی مکان میں کوڑا بہت ہو تو اسکی صفائی کا ایک طریق تو یہ ہے کہ ایک ایک تنکا لیا اور پھینکدیا اسی طرح سب تنکے اور کوڑا مکان سے باہر پھینکدیا جاوے اس میں تو بڑا وقت صرف ہوگا۔ اور ایک طریق یہ ہے کہ جھاڑو لیکر تمام تنکوں کو ایک جگہ جمع کرکے پھینکدیا تو ایسے ہی یہاں بھی کوئی جھاڑو ہونا چاہیئے کہ سب تعلقات کو سمیٹ کر ایک جگہ کردے پھر اس ایک کا ازالہ کردیا جاوے چنانچہ ان کی سمجھ میں آیا کہ عشق ایک ایسی تیغ ہے کہ سب چیزوں کو پھونک کر خود ہی رہ جاتا ہے چنانچہ اگر کوئی کسی صبی وغیرہ پر عاشق ہو جاتا ہے

تو ماں بیوی بچے باغ مکان حتی کہ اپنی جان تک اُسکے واسطے ضائع کر دیتا ہے ایک رئیس کو بیلوں کا عشق تھا ہزار ہا روپیہ اسمیں ضائع کر دیا ہمارے اُستاد حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کتابوں کا شوق تھا خود نہ دیکھتے تھے مگر سینکڑوں کتابیں اس قسم کی خرید کر رکھ چھوڑیں غرض عشق وہ شے ہے کہ سوائے معشوق کے سب کو فنا کر دیتا ہے ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

اس لئے ان بزرگوں نے تجویز کیا کہ طالب کے اندر عشق پیدا کرنا چاہیے خواہ کسی شے کا ہو اسواسطے وہ اول دریافت کرتے تھے کہ کسی پر عاشق بھی ہو پس معلوم ہوا اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی ہی کا عشق ہو بھینس کا عشق بھی اسکے لئے کافی ہے اسی لئے کہ مقصود تو یہ ہے کہ تمام اشیاء سے توجہ منصرف ہو کر ایک طرف ہو جاوے تاکہ پھر اس کا امالہ عشق حقیقی کی طرف سہل ہو جاوے۔

حکایت۔ چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس مرید ہونے آیا انہوں نے دریافت فرمایا کہ کسی شے سے تم کو محبت بھی ہے اُسنے کہا کہ مجھکو اپنی بھینس سے محبت ہے فرمایا کہ جاؤ چالیس روز تک بھینس کا تصور کرو۔

جو علاج شیخ ایک کے لیے تجویز کرے دوسرے کو بلا اجازت شیخ اس کا استعمال نہ کرنا چاہیئے

لیکن خدا کے لئے اور لوگ اس کا وظیفہ نہ کریں اس لئے کہ ہر شخص کی حالت جدا ہے کسی کے لئے کچھ مناسب ہے کسی کیلئے کچھ کہیں طبیب اور اس کے احمق شاگرد کا سا قصہ نہ ہو جاوے وہ یہ ہے کہ ایک طبیب تھے وہ کسی مریض کو دیکھنے گئے پہلے روز کی حالت سے اس روز کچھ تغیر پایا تو کہا کہ تم نے نارنگی کھائی ہے اس سے تم کو یہ تکلیف بڑھ گئی اس نے کہا کہ حضور بے شک نارنگی کھائی ہے جب وہاں سے فارغ ہو کر آئے تو راستے میں شاگرد صاحب نے پوچھا کہ حضرت آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ اسنے نارنگی کھائی حکیم صاحب نے فرمایا کہ بھائی بات یہ ہے کہ اس کے مزاج اور حالت کو دیکھکر مجھکو معلوم ہو گیا کہ کوئی بارد شے اسنے کھائی اور نارنگی کی تعیین اس سے ہوئی کہ اس کی چارپائی کے نیچے میں نے نارنگی کے

چھلکے دیکھے تا گرد صاحب احمق تو تھے ہی جب پڑھکر فارغ ہوئے تو کسی رئیس کو دیکھنے کے لئے بلائے گئے انکی چارپائی کے نیچے بکرا پڑا تھا فرماتے ہیں کہ بس معلوم ہو گیا آپ کو جو یہ مرض ہوا آپنے بکرا کھایا ہے حاضرین سب ہنس پڑے اور طبیب کا حمق سب پر واضح ہو گیا تو خدا کے واسطے ایسا قیاس نہ کیجیو کہ آج سے نماز روزہ ذکر چھوڑ کر بھینس کا تصور باندھ کر بیٹھ جاؤ کہ یہ اس شخص کی خصوصیت ہے۔

رجوع بجانب شرح (بزرگوں نے جو عشق مجازی کا حکم فرمایا ہے اسکا کیا مطلب ہے الخ)

الحاصل اون بزرگ نے فرمایا کہ جاؤ بھینس کے تصور کا چلہ کیجیو اور چالیس روز کے بعد ہم کو خبر دو چنانچہ پانچ وقت نماز سے فارغ ہو جاتے اور ایک گوشہ میں بیٹھکر اُس بھینس کا تصور کیا کرتے جب چالیس روز پورے ہو گئے تو پیر صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ بیٹا باہر آؤ کہتے ہیں کہ حضور باہر کیسے آؤں بھینس کے سینگ اڑتے ہیں پیر نے شاباشی دی کہ مقصود حاصل ہو گیا سب روگ جاتے رہے اب صرف بھینس رہ گئی اس کا نکلجانا سہل ہے بس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اس کے لئے کسی عورت یا لڑکے کا عشق ضروری نہیں ہے بلکہ اس میں سخت خطرہ ہے کہ اُس لونڈے یا عورت ہی میں نہ رہ جائے اور مقصود اصلی سے محروم رہے اس لئے قصداً ہرگز اس کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر اضطراراً بلا قصد اس میں ابتلا کسی کو ہو جاوے تو وہ بھی وصول کے لئے خاص شرایط کے ساتھ بعض اوقات ذریعہ ہو جاتا ہے ؎

عاشقی گرزیں سرو گرزاں سراست عاقبت مارا بداں شہ رہبر است

اس کی چند شرطیں ہیں اول تو یہ ہے کہ اس کے پاس نہ رہے نہ اس کو دیکھے نہ کلام کرے نہ اس کی آواز سنیں حتی الوسع دل سے بھی اس کو زائل کرنے کی فکر کرے۔ غرض حتی الامکان اس سے بچے۔ اگرچہ اس طرح کرنا نفس کو بے حد شاق ہوگا لیکن ہمت نہ توڑے اور دل کو مضبوط کر کے اس پر عمل کرے چند روز کے بعد ایسا کرنے سے اس کے قلب میں ایک سوزش پیدا ہو گی اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ جاہ مال اولاد سب کی محبت جاتی رہیگی۔ اب اس میں مادہ تو محبت کا پیدا ہو چکا ہے شیخ کامل اس کو مائل الی الحق کر دیگا اس صورت سے عشق مجازی وصول الی الحقیقہ کا ذریعہ بنجاویگا۔ اور اگر اس محبوب سے جدا نہ ہوا بلکہ اس سے اختلاط رکھا ہمنشین ہو تو پھر اسی بلا میں پھنسا رہیگا اور کسی دن بھی اس کو اس سے خلاصی نہ ہو گی چنانچہ خود ملا جامی جن کے کلام سے

عشق مجازی کی تحصیل پر استدلال کیا جاتا ہے آگے چلکر فرماتے ہیں ؎

ولے باید کہ در صورت نہ مانی ۔۔۔ وزیں پل زود خود را بگذرانی

مولنا اسی عشق کے بارہ میں فرماتے ہیں ؎

عشق بامرداں نباشد پائدار ۔۔۔ عشق را باحی و باقیوم دار

عشقہائے کز پئے رنگی بود ۔۔۔ عشق نبود عاقبت ننگے بود

آگے فرماتے ہیں ؎

غرق عشق شوق غرق است اندریں ۔۔۔ عشقہائے اولیں و آخریں

پھر یہاں پر شبہ ہوتا تھا کہ ہم جیسوں کو عشق حقیقی تک رسائی کہاں ممکن ہے اس کا جواب دیتے ہیں ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست ۔۔۔ باکریماں کارہا دشوار نیست

یعنی ان کو کچھ مشکل نہیں تم کو مشکل نظر آتا ہے تم ذرا اس طرف متوجہ ہو کر تو دیکھو وہ خود تم کو اپنے قریب کر لینگے وہ دنیا کے محبوبوں کی طرح نہیں ہیں کہ عشاق مرجاتے ہیں وہ نخرے کرتے ہیں یہ ہے غرض اس مسئلہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خود نظر بازی کریں مزے اڑائیں اور سمجھیں کہ ہم صوفی ہیں ہم کو سب حلال ہے اور یہ فعل ہمارا قرب کا واسطہ ہے استغفر اللہ قرب سے اس کو کیا واسطہ یہ تو بہت بعید کر دینے والا ہے

بدنگاہی بہت سخت گناہ ہے

بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے چنانچہ حدیث میں ہے انا غیور واللہ اغیر منی ومن غیرتہ حرم الفواحش ماظہر منہا وما بطن اور یہ سب فواحش ہیں آنکھ سے دیکھنا ہاتھ سے پکڑنا پاؤں سے چلنا کیونکہ ان سب کو شارع نے زنا ٹھہرایا ہے۔ العینان تزنیان وزناھما النظر والاذنان تزنیان وزناھما الاستماع واللسان یزنی وزناہ النطق والیدان تزنیان وزناھما البطش الحدیث یعنی کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور اس کا زنا دیکھنا ہے اور کان زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا سننا ہے اور زبان بھی زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بولنا ہے (یعنی کسی عورت و لڑکے سے شہوت کی راہ سے باتیں کرنا) اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا غیر محرم کو پکڑنا ہے۔ اور جب یہ فواحش ہیں اور فواحش پر غیرت حق اوپر معلوم ہو چکی ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ افعال نہایت ناپسند ہیں۔

بدنگاہی کے مرض میں بعض پیر بھی مبتلا ہیں اور عورتوں کو پیر سے پردہ کرنیکی ضرورت

اور افسوس ہے کہ بعضے پیر بھی اس میں مبتلا ہوتے ہیں کہ عورتیں ان سے پردہ نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ یہ تو بجائے باپ کے بلکہ باپ سے بھی زیادہ ہیں اور بے حیا بے محابا سامنے آتی ہیں اور بڑے بیحیا وہ دیوس مرد ہیں جو ایسے پیروں کے سامنے اپنی بیٹیوں بہوؤں کو آنے دیں بعض جگہ تو ایسا سنا گیا ہے کہ مریدنیاں تنہا مکان میں جاتی ہیں اور وہاں مرید ہوتی ہیں نعوذ باللہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہوگا حضور سے عورتیں پردہ کرتی تھیں۔ ساری امت کی عورتیں آپ کی روحانی بیٹیاں اور حضور خود معصوم کسی قسم کے وسوسہ کا بھی شائبہ نہیں لیکن باوجود اس کے پھر پردہ کا حکم تھا اور ازواج مطہرات تمام امت کے مردوں عورتوں کی مائیں تھیں چنانچہ ارشاد ہے وازواجہ امہاتھم اور کسی کو ان کی نسبت توبہ توبہ وسوسہ تک بھی ستر کا نہ تھا لیکن باوجود اس کے ارشاد ہے وقرن فی بیوتکن یعنی اپنے گھروں میں جمی رہو باہر نہ نکلو اور فرماتے ہیں ولا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض" یعنی نرم بات مت کرو کہ جس کے قلب میں روگ ہے وہ طمع کریگا۔

عورتوں کے لئے اغیار کے ساتھ بدخلقی یعنی خشک مزاجی صفت حمیدہ ہے

چنانچہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جیسے مردوں کے لئے خوش اخلاقی صفت حمیدہ ہے عورتوں میں بداخلاقی صفت حمیدہ ہے یعنی غیر مردوں سے نرمی اور میٹھی میٹھی باتیں نہ کریں اور نہ تند مزاجی سے بلکہ ایسے انداز سے بات کریں کہ اس کو مضمون مفہوم ہوجائے اور کسی قسم کی طمع اس کے قلب میں نہ آوے نہایت خشکی وصفائی سے بات کریں البتہ اپنے خاوند اور دوسری عورتوں کے ساتھ خوش اخلاقی برتیں۔ اللہ اکبر! یہ خاندان نبوت کا انتظام ہے آج کون ہے وہ شخص کہ ان سے زیادہ اپنے سے مقبول کہے بلکہ یہ وقت چونکہ فتنہ کا ہے اس لئے نہایت سخت انتظام کی ضرورت ہے۔

مرد چاہے کیسا ہی بزرگ اور کتنا ہی بوڑھا ہو جاوے عورتوں کو اس سے پردہ واجب ہے

حکایت۔ ایک بزرگ تھے وہ اس میں احتیاط نہ کرتے تھے اسلئے کہ بوڑھے بہت تھے غیر اولی الاربہ میں داخل ہو گئے تھے اس لئے اُن کو عورتوں سے زیادہ اجتناب نہ تھا ایک دوسرے بزرگ نے اُن کو نصیحت کی انہوں نے نہ مانا اُن بے احتیاط بزرگ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا یہ مسئلہ پوچھا فرمایا کہ اگر مرد جنید ہو اور عورت رابعہ بصریہ ہو اور وہ دونوں ایک تنہا ہوں تو ثالث اُن کا شیطان ہو گا اور آدمی خواہ کسی قدر بوڑھا ہو جاوے لیکن مادہ تو اُس کے اندر باقی رہتا ہی ہے وہ نشتہ تو ہے نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ کچھ نہ کر سکے لیکن نظر سے تو محفوظ نہیں رہ سکتا اور کیسے محفوظ رہ سکتا ہے مرد کے اندر تو عورت کی طرف میلان خلقتہً پیدا کیا ہے کوئی اُس فطری جوش کو کیسے روک سکتا ہے۔

حکایت۔ گنج مرادآباد میں ایک بزرگ تھے مولانا فضل الرحمن صاحب تقریباً ایک سو دس [۱۱۰] برس کی اُنکی عمر ہوئی میں اُنکی خدمت میں حاضر ہوا جاڑے کا موسم تھا صبح اُٹھ کر خادم کو آواز دی ارے فلانے مجکو شبہ سا ہو گیا ہے جی چاہتا ہے کہ نہالوں طبیعت صاف ہو جائیگی چنانچہ خادم نے پانی رکھدیا اُسی جاڑے میں غسل فرمایا بتلایئے اگر کچھ نہ رہا تھا تو شبہ کیسا۔ ایک مرتبہ کانپور میں ہمارے گھر بہت عورتیں آئیں آپس میں اختلاف تھا کہ حضرت مولانا صاحب موصوف سے پردہ چاہیئے یا نہیں میں نے یہ اختلاف سُنکر یہ حکایت اُن کو سُنائی اور کہا کہ اب تم خود فیصلہ کرلو کہ پردہ ضروری ہے یا نہیں سب سُنکر چپ ہو رہیں حضرت جب سو برس کی عمر میں یہ قصہ ہو سکتا ہے تو پچاس برس کی عمر میں اب کیا مشکل ہے اور بہت سے پیر جوان بھی ہوتے ہیں۔

آجکل بے قید پیروں کے بھی معتقد ہو جاتے ہیں

اور آجکل تو پیر بننا کچھ مشکل بھی نہیں ہے لمبے لمبے بال ہوں موٹے موٹے دانوں کی تسبیح ہو رنگا کرتا ہو بس پیر ہو گئے پھر وہ خواہ عورتوں کو گھوریں یا لونڈوں کو تکیں حرام حلال میں کچھ امتیاز نہ کریں اُنکی پیری ایسی مضبوط ہے کہ وہ کہیں سے نہیں جاتی بلکہ جسقدر کوئی خلاف شرع ہو گا اسی قدر زیادہ

مقبول ہے اور جسقدر حدود شریعت کے اندر ہوگا وہ بیری سے دور ہے وہ کو برا ملا ہے۔

پردہ کے متعلق عورتوں اور مردوں کی بے احتیاطیاں اور زینت کے متعلق عورتوں کا بے محل برتاؤ

یہ تو مردوں کی حالت تھی۔ اب عورتوں کی کیفیت سُنئے بعض عورتیں ایسی بیحیا ہوتی ہیں کہ وہ خود مردوں کو دیکھتی ہیں یا پردہ وغیرہ اُٹھا دیتی ہیں کہ دوسرا مرد انکو دیکھ لیتا ہے۔ اور یہ احتیاط نہیں کرتیں حدیث میں لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ اس کے متعلق جو یوں عورتوں سے کہا جاتا ہے نصیحت کیجاتی ہے۔ تو کہتی ہیں اُنہ ایک دفعہ دیکھکر پھر کیا دیکھیگا ساری عمر ترسے گا جو بڑی پردہ نشین کہلاتی ہیں اُن کی یہ حالت ہے کہ خاوند کے سامنے تو بھنگن ہی بنی رہیں گی اور اگر کہیں جاوینگی تو تمام زیب و زینت ختم کرکے بیگم بنکر جاوینگی سخت بے حیائی کی بات ہے کہ خاوند جسکے لئے زیب و زینت کا حکم ہے اُسکے سامنے تو زیب و زینت نہ کیجاوے اور دوسروں کے دیکھنے کیلئے کیجاوے بہ چاہیئے تو یہ کہ اس کا برعکس ہو بعض عورتیں دولہا دلہن اور بارات کو دیکھتی ہیں اُن کے مرد بھی کچھ نہیں کہتے اسی طرح دوسری بے احتیاطی قابل نظر ہے وہ یہ کہ بعض مرد بڑے بے احتیاط ہوتے ہیں کہ گھر میں پکار کر نہیں جاتے ذرا کھنکارا اور فوراً اندر گھس گئے اور اکثر عورتیں بھی ایسی بے احتیاط ہوتی ہیں کہ ڈولی سے اترنے سے پہلے تحقیق نہیں کراتیں کہ کوئی مرد تو اندر نہیں ہے میں ایک دفعہ بیمار تھا بہت عورتیں ڈولی سے عیادت کے لئے آئیں اور بلا تحقیق اندر آگئیں میں نے اُنکو خوب بُرا بھلا کہا اور جب عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں اُس وقت اور زیادہ بے حیائی ہوتی ہے۔ چنانچہ بسا اوقات بے کہے اُس گھر کے مرد دروازے میں آکر سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اندر کسی نے مُنہ پھیر لیا کسی نے آنچل سے مُنہ ڈھک لیا کوئی کسی کے پیچھے ہو گئی اور طرفہ یہ کہ ہر ایک یہ جانتی ہے کہ مجھکو نہیں دیکھا حالانکہ اُس نے سب کو دیکھ لیا۔

بدنگاہی میں عام ابتلا اور اسکا علاج

خلاصہ یہ کہ آنکھوں کا گناہ سخت ہے اور اُس میں بہت ابتلا ہو رہا ہے اسکا بہت انتظام کرنا چاہیئے اپنا بھی اور گھر والوں کا بھی اور اسکا علاج سہل ہے یہ کہ راہ میں چلنے کے وقت نیچی نگاہ

کر کے چلنا چاہیئے اِدھر اُدھر نہ دیکھے انشاء اللہ محفوظ رہیگا۔ شیطان جب مردود ہوا اُس نے کہا تھا لاقعدن لہم صراطک المستقیم ۵ ثم لاتینہم من بین ایدیہم ومن خلفہم وعن ایمانہم وعن شمائلہم یعنی میں اُن کے (گمراہ کرنیکے لئے) تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھونگا پھر اُنکے پاس آؤنگا اُن کے سامنے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے۔ چار سمتیں تو اُس نے بتلائیں اور دو سمتیں باقی رہیں اوپر اور نیچے بزرگان دین نے اس میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ اوپر نیچے کا ذکر اسلئے نہیں کیا کہ اکثر گناہ چار سمتوں سے ہوتے ہیں پس بچنے کی دو صورتیں رہیں یا تو اوپر دیکھکر چلو یا نیچے دیکھکر مگر اوپر دیکھنے میں تو گر جانے اور آنکھ میں کچھ پڑ جانے کا اندیشہ ہے اسلئے نجات کے لئے یہی شق متعین ہوئی کہ نیچے دیکھ کر چلیں قال اللہ تعالیٰ وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا۔

حکایت۔ ایک بزرگ تھے وہ بات کرتے وقت مردوں کو بھی نہ دیکھتے تھے ان سے کسی نے وجہ پوچھی فرمایا کہ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جن کو میں پہچانتا ہوں اور دوسرے وہ جن کو میں نہیں پہچانتا جن کو پہچانتا ہوں اُن کو بلا دیکھے بھی آواز سے پہچان لیتا ہوں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور جن کو نہیں پہچانتا اُن کے دیکھنے سے کیا فائدہ ہے سبحان اللہ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ پر عمل اسکو کہتے ہیں بعض بزرگوں نے اس نظر کے گناہ سے بچنے کے واسطے جنگل میں رہنا اختیار کر لیا ہے شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

بزرگے دیدم اندر کوہسارے | قناعت کردہ از دنیا بغارے
چرا گفتم بشہر اندر نیائی | کہ بارے بندے از دل بر کشائی
بگفت آنجا پریرویان نغز اند | چو گل بسیار شد پیراں بلغزند

بدنگاہی پر کبھی دنیا میں بھی سزا ملجاتی ہے

حکایت۔ ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے اللھم انی اعوذبک من غضبک کسی نے پوچھا کہ اسقدر کیوں ڈرتے ہو کیا بات ہے کہا میں نے ایک لڑکے کو بری نظر سے دیکھ لیا تھا غیب سے چپت لگا اور آنکھ پھوٹ گئی اس لئے ڈرتا ہوں کہ پھر عود نہو جاوے۔

حکایت۔ حضرت جنید چلے جا رہے تھے ایک حسین لڑکا نصرانی سامنے سے آرہا تھا

ایک مرید نے پوچھا کیا اللہ تعالےٰ ایسی صورت کو بھی دوزخ میں ڈالینگے۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ تونے اسکو نظر استحسان سے دیکھا ہے عنقریب اسکا مزہ تم کو معلوم ہوگا چنانچہ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ قرآن بھول گیا۔ نعوذ باللہ۔

بعض سچے بزرگوں کی حسن پسندی سے عوام کو دھوکہ ہونا اور اہل اللہ اور اہل ہوا کی حسن پسندی میں فرق

بعض سچے بزرگ حسن پسند ہوتے ہیں۔ بعض کو اُس سے دھوکہ ہوگیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ حسن پرست تھے۔ تو ہم ایسا کریں تو کیا مضائقہ ہے۔ سبحان اللہ کیا استدلال ہے۔ بات یہ ہے ؎

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر　　گرچہ ماند در نبشتن شیر و شیر

میں انکی حسن پرستی کی حقیقت بتلاتا ہوں کہ وہ اس معنی کے حسن پرست نہ تھے جیسے کہ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ اُن کو ہر حسین شے اچھی معلوم ہوتی تھی۔ اور ہر بُری اور بے قاعدہ شے سے اس قدر نفرت تھی کہ اُن کو بدصورت اور بے ڈھنگی شے دیکھنے سے تکلیف ہوتی تھی۔

حکایت۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحبؒ کو جب کہیں جانا ہوتا تھا تو پالکی میں بیٹھ کر جاتے تھے اور پالکی کی پٹ بند کرا دیا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ پٹ کیوں بند کرا دیا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ راستے میں بازار وغیرہ ملتے ہیں بعض دوکانیں بے قاعدہ بنی ہوئی ہوتی ہیں مجکو دیکھکر سخت تکلیف ہوتی ہے۔

حکایت۔ تھانہ بھون کے قاضی صاحب مع اپنے ہمراہی کے مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس ہمراہی کو ناک صاف کرنے کی ضرورت ہوئی تو مرزا صاحب کی نظر پیچھے سے اُس کے پائجامے پر پڑگئی سب چھینٹیں پائجامے کے پیچھے تھیں۔ مرزا صاحب کے سر میں درد ہوگیا اور فرمایا کہ قاضی صاحب اس شخص کے ساتھ آپ کا کیسے گذر ہوتا ہوگا۔

حکایت۔ اکبر شاہ ثانی جوکہ بادشاہ وقت تھا ایک مرتبہ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ کو پیاس لگی۔ کوئی خادم اُسوقت موجود نہ تھا۔ خود اُٹھ کر پانی پیا اور پانی پی کر کٹورا صراحی پر ٹیڑھا رکھدیا۔ مرزا صاحب کے سر میں درد ہوگیا اور طبیعت پریشان

ہو گئی لیکن ضبط فرمایا۔ چلتے وقت بادشاہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے یہاں کوئی آدمی خدمت کے لئے نہیں ہے اگر ارشاد ہو تو کوئی آدمی بھیج دوں۔ اب تو مرزا صاحب سے نہ رہا گیا جھنجھلا کر فرمایا کہ پہلے تو تم آدمی ہو کٹورا ٹیڑھا رکھ دیا میری طبیعت اب تک پریشان ہے

حکایت۔ ایک شخص نے مرزا صاحبؒ کی خدمت میں انگور بھیجے بہت نفیس۔ اور منتظر داد کے ہوئے۔ مگر مرزا صاحبؒ ساکت تھے۔ آخر اس نے خود پوچھا کہ حضرت انگور کیسے تھے۔ فرمایا کہ مُردوں کی بو آتی تھی تحقیق سے معلوم ہوا کہ قبرستان میں انگور بوئے گئے تھے وہ انگور وہاں سے آئے تھے۔ مرزا صاحب کے اندر حسن پرستی تھی تو وہ طبعی تھی طبیعت کی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی تھی کہ ہر اچھی شے پسند فرماتے تھے۔ اُن کے نفس میں بُرے خیال کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ بچپن میں بھی بدصورت کی گود میں نہ جاتے تھے۔ بھلا اُس وقت کیا احتمال ہو سکتا ہے۔

حکایت۔ خواجہ میر دردؒ کی نسبت لوگوں نے آکر مرزا صاحب سے عرض کیا کہ خواجہ صاحب راگ سنتے ہیں فرمایا کہ بھائی وہ کن رس میں مبتلا ہیں میں آنکھ رس میں یعنی اُن کو کانوں کا مرض ہے مجھکو آنکھوں کا۔ آپنے اسکو بھی مرض سے تعبیر فرمایا۔

حکایت۔ ایک بزرگ کی کیفیت یہ تھی کہ حسین لڑکے اُن کی خدمت کرتے تھے۔ اور گاہ گاہ اُن کو پیار بھی کرتے تھے۔ ایک روز اُن کے ایک مرید نے بھی ایک لڑکے کو پیار کر لیا پیر سمجھ گئے کہ اس نے میرا اتباع کیا۔ ایک روز بازار میں گئے لوہار کی دوکان پر دیکھا کہ لوہا سُرخ انگارا سا ہو رہا ہے۔ پیر صاحب نے فوراً جا کر اُس کو پیار کر لیا اور اس مرید سے فرمایا کہ آیئے تشریف لایئے اس کو بھی پیار کیجئے پھر تو یہ گھبرا گئے۔ اُس وقت اُنہوں نے اُن کو ڈانٹا کہ خبردار ہمیں اپنے کو مت قیاس کرو۔

حکایت۔ ایک اور بزرگ کو دیکھا کہ حسین لڑکے سے پاؤں دبوا رہے ہیں۔ ایک شخص کو وسوسہ ہوا کہ یہ کیسے شیخ ہیں۔ لڑکے سے پاؤں دبواتے ہیں۔ فرمایا کہ آگ کی انگیٹھی اُٹھا لاؤ۔ دہکتی آگ میں پاؤں رکھ دئے اور فرمایا کہ ہم کو کچھ حس نہیں ہمارے نزدیک آگ اور یہ لڑکا برابر ہے۔

بیعت کے قابل وہ حضرات ہیں جن کا ظاہر اور باطن دونوں درست ہوں

لیکن یاد رکھو ایسے بزرگوں سے جنکا ظاہر خلاف شرع نظر آوے بیعت ہونا جائز نہیں ہے۔ محققین کی یہ شان نہیں ہے۔ جو لوگ مسند ارشاد پر متمکن ہوتے ہیں۔ اور العلماء ورثۃ الانبیاء کے خطاب سے مشرف ہیں وہ بالکل متبع سنت نبویہ کے ہوتے ہیں۔ ان کی ہر وضع سنت کے موافق ہوتی ہے۔ اور تہمت اور بدگمانی کے موقع سے بچنا بھی سنت ہی۔ چنانچہ حضور کی شان اس باب میں یہ تھی۔ کہ ایک مرتبہ حضور مسجد میں معتکف تھے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو کہ ازواج مطہرات میں ہیں وہاں تشریف لائیں واپسی کے وقت حضور اُن کے پہونچانے کیلئے اُنکے ساتھ دروازے تک کہ وہ مسجد کی طرف تھا تشریف لائے سامنے دیکھا کہ دو شخص آرہے ہیں فرمایا کہ علی رسلکما یعنی اپنی جگہ ٹھیر جاؤ۔ یہاں پردہ ہے اور اُسکے بعد فرمایا انھا صفیۃ یعنی یہ عورت صفیہ تھی کچھ اجنبیہ نہ تھی فکبر علیھما ذلک یعنی یہ بات اُن دونوں پر بہت بھاری ہوئی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ پر ایسا گمان ہو سکتا ہے۔ فرمایا شیطان ابن آدم کے اندر بجائے خون کے دوڑتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ کبھی وہ تمہارے ایمان کو نہ تباہ کردے پس جو لوگ ارشاد کی شان لئے ہوئے ہوتے ہیں وہ تو ایہام سے بھی بچتے ہیں۔ ایسے حضرات قابل بیعت ہیں۔ باقی جن کا ظاہر شریعت کے موافق نہو اُن میں بعض تو ایسے ہیں کہ مکار ہیں۔ باطن بھی اُن کا موافق نہیں ہے۔ وہ مردود ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ باطن اُن کا بالکل شریعت کے موافق ہوتا ہے لیکن ظاہر اُن کا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ان پر اعتراض نہ کرے اور نہ اُن کا اتباع کرے۔ غرض مرشد ایسے کو بناوے جو ظاہراً اور باطناً پاک صاف ہو:

بدنگاہی ہر پہلو سے حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور دل میں تصور کر کے مزے لینا اُس سے بھی زیادہ شدید ہے

خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی دلیل اور سہارا بدنگاہی کے متعلق نہیں۔ بدنگاہی ہر پہلو سے حرام اور گناہ کبیرہ ہے آگے فرماتے ہیں ما تخفی الصدور یعنی جس شے کو سینے میں چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتے ہیں۔ یہ پہلے کا اشد ہے یعنی معصیت صرف نگاہ ہی سے نہیں۔ بلکہ دل سے بھی ہوتی ہے۔ بہت لوگ دل سے سوچا کرتے ہیں اور عورتوں و مردوں کا تصور کرتے ہیں۔ اور خیال سے مزے لیتے ہیں اور یوں سمجھتے

ہیں کہ ہم متقی ہیں خوب سمجھ لو کہ تلبیس ابلیس لعین ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ دل کے اندر سوچنے سے اور دل کے اندر باتیں کرنے سے اور زیادہ فتنہ ہوتا ہے۔ کیونکہ نگاہ کرنے میں تو بعض مرتبہ قبیح اور بدصورت ثابت ہوتا ہے۔ اور دل کے اندر باتیں کرنے میں تو طبیعت کا زیادہ لگاؤ ہو جاتا ہے اور قلب سے کسی طرح وہ نہیں نکلتی بلکہ محض نگاہ نہ کرنے سے اپنے کو صاحب مجاہدہ سمجھکر زیادہ مقرب سمجھتا ہے اور یہ دیکھتا کہ دل میں متمتع ہو رہا ہوں تو مجاہدہ کہاں رہا۔ غرض اس کا انسداد بھی بہت ضروری ہے۔ اور چونکہ قلب کے اندر کانوں کے واسطے بھی باتیں اس قسم کی پہونچتی ہیں۔ اس لئے جس طرح آنکھوں کی حفاظت ضروری ہے۔ کانوں کی نگہداشت بھی ضروری ہے کہ ایسے قصے اور حکایات نہ سُنے نہ ایسے مقام پر جاوے جہاں گانا بجانا ہو رہا ہو۔ بعض مرتبہ خود قلب ہی سے معصیت صادر ہوتی ہے۔ صدور کے وقت آنکھ کان کا واسطہ نہیں ہوتا مثلاً پہلی دیکھی ہوئی صورتیں یاد آتی ہیں اور ان سے التذاذ ہوتا ہے۔ اور معصیت قلب کا معصیت اعین سے اشد ہونا ایک اور وجہ سے بھی ہے۔ وہ یہ کہ قلب سے سوچنے اور آنکھوں سے دیکھنے میں ایک فرق بھی ہے۔ یعنی آنکھوں کے گناہ میں تو نفس فعل کو کوئی دیکھ بھی سکتا ہے۔ گو نیت پر مطلع نہ ہو۔ اور دل کے اندر سوچنے کے فعل کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی اطلاع سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ اس سے وہی بچے گا۔ جس کے قلب میں تقویٰ ہوگا۔

معصیت قلب کے معالجہ اور ازالہ کے درجات اور اسکا بیان کہ مطلوب کونسا درجہ ہے

اس کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ اس مرض کے ازالہ میں تین درجے ہیں قلب کو باوجود تقاضہ کے روکنا۔ تقاضے کو ضعیف کر دینا۔ اور قلع المقتضی یعنی مادہ ہی کا قلع قمع کر دینا انمیں سے قلب کو روکنا یعنی دل کو خود اُس طرف متوجہ نہونے دینا۔ یہ امر تو اختیاری ہے کہ اگر آپ سے آپ جائے تو تم اُسکو روکو۔ اور اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ جب قلب کسی حسین کی طرف مائل ہو تو اُسکا علاج یہ ہے کہ فوراً کسی کریہ المنظر بدشکل بدصورت بدہیئت کی طرف دیکھو اگر کوئی موجود نہو کسی ایسے بدصورت کا خیال باندھو کہ ایک شخص ہے کالا رنگ ہے چیچک کے داغ ہیں آنکھوں سے

اندھا ہے سر سے گنجا ہے رال بہ رہی ہے دانت آگے کو نکلے ہوئے ہیں۔ ناک سے نکٹا ہے ہونٹ بڑے بڑے ہیں اور رینٹ بہ رہا ہے اور مکھیاں اُس پر بیٹھی ہیں۔ گو ایسا شخص دیکھا نہو مگر قوت متخیلہ سے تراش لو۔ کیونکہ تمہارے دماغ میں ایک قوت متخیلہ ہے۔ آخر اُس سے کسی روز کام تو لوگے۔ متخیلہ کا کام تو جوڑ توڑ کا ہے جب ایسا شخص فرض کیا جاسکتا ہے اُس کا مراقبہ کرو۔ انشاءاللہ تعالیٰ وہ فساد جو حسین کے دیکھنے سے قلب میں ہوا ہے وہ جاتا رہیگا اور اگر پھر خیال آوے پھر یہی تصوّر کرو۔ اور اگر یہ مراقبہ کفایت کے درجہ میں نافع نہو اور بار بار پھر اُسی حسین کا تصور ستاوے تو یوں خیال کرو کہ یہ محبوب ایک روز مریگا اور قبر میں جاویگا وہاں اسکا نازک بدن سڑ گل جاویگا کیڑے اسکو کھالیں گے یہ خیال تو فوری علاج ہے۔ اور آیندہ کے لئے تقاضہ پیدا ہونے کا علاج یہ ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرو۔ اور دوسرے یہ کہ عذاب الٰہی کا تصوّر کرو۔ تیسرے یہ کہ یہ تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اُس کو مجھپر پوری قدرت ہے۔ طول مراقبات اور کثرت مجاہدات سے یہ چور دل میں سے نکلے گا۔ جلدی نکجاویگا جلدی نہ کرے اس لئے کہ ایسا پُرانا مرض ایک دن یا ایک ہفتہ میں نہیں جاتا۔ یہاں مجکو شاہ محمود غزنوی کی حکایت یاد آگئی۔

حکایت۔ محمود نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو ایک ہمراہی سپاہی نے ایک مندر میں جاکر دیکھا کہ ایک بوڑھا برہمن پوجا پاٹ کر رہا ہے۔ سپاہی نے تلوار دکھائی کہ کلمہ پڑھ اور مسلمان ہو ورنہ اس تلوار سے دو ٹکڑے کر دونگا۔ برہمن نے کہا حضور ذرا ٹھیریئے۔ سپاہی نے پھر تقاضا کیا برہمن نے عرض کی حضور نوے برس کا رام تو دل میں سے نکلتے ہی نکلتے نکلے گا۔ ذرا سی دیر میں کیسے نکلجاوے خوب کہا ہے ؎

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

ہمت مت ہارو مجاہدہ کرتے رہو رفتہ رفتہ یہ تقاضا ضعیف ہوجاویگا اور قابو میں آجاویگا کہ اپنے محل پر صرف ہوگا اور غیر محل کے لئے متحرک نہوگا۔ اور یہی مطلوب ہے ؛؛

افعال قبیحہ کے مادہ کا ازالہ مقصود نہیں اور اس کے متعلق نادان اہل سلوک کی ایک بڑی غلطی

تیسرا درجہ یہ کہ مادہ ہی منقطع ہوجاوے۔ یعنی بالکل میلان ہی کبھی پیدا نہ ہو یہ وہ مرتبہ ہے۔ کہ جس کو نادان سالک مطلوب سمجھتے ہیں۔ اور اس کے حاصل نہ ہونے پر پریشان ہوتے ہیں یعنی جب اپنے اندر کسی وقت میلان پاتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا سب ذکر و شغل و مجاہدہ بیکار گیا حتی کہ ایسے کلمات پریشانی میں ان کے منہ سے نکلجاتے ہیں کہ بے ادبی اور گستاخی ہوجاتی ہے۔ مثلاً ہم اتنے روز سے طلب حق میں رہے۔ مگر ہم پر رحم نہیں آتا کہ ویسے ہی محروم ہیں یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے یہ ہرگز مطلوب نہیں کہ مادہ منقطع ہوجاوے اور اگر مادہ جاتا رہے تو گناہ سے بچنے میں کوئی کمال نہیں۔ اندھا اگر فخر کرے کہ میں دیکھتا نہیں تو کون فخر کی بات ہے۔ دیکھیگا کیا دیکھنے کا آلہ ہی نہیں عنین اگر عفت کا دعویٰ کرے تو کیا کمال ہے۔ لطف اور کمال تو یہ ہے گناہ کر سکو اور اپنے دل کو روکو جس کا میں نے فوری علاج اور تقاضا روکنے کی تدبیر دونوں بیان کردئے۔ رہا مادہ زائل کردینا یہ مطلوب ہی نہیں بلکہ اس کا زائل کرنا جائز ہی نہیں ؂

خدا تعالیٰ کیساتھ محبت ہوتے ہوئے غیر پر نظر ناممکن ہے

خلاصہ یہ کہ مجھے اس گناہ پر متنبہ کرنا منظور ہے اس لئے کہ اس گناہ کا ابتلاء عام تھا حتی کہ جو نیک کہلاتے ہیں وہ بھی اس میں مبتلا ہیں خدا کے واسطے اس کا انتظام کرنا چاہئے افسوس منہ سے تو خدا تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور غیر پر نظر افسوس صد افسوس اس وقت مجھکو ایک حکایت یاد آگئی۔

حکایت۔ ایک عورت جارہی تھی کوئی ہوا پرست اس کے ساتھ ساتھ ہولیا اس عورت نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ اور میرے پیچھے کیوں آتے ہو۔ کہا کہ میں تجھ پر عاشق ہوگیا اس لئے آتا ہوں۔ عورت نے جواب دیا کہ پیچھے ایک میری بہن آرہی ہے وہ مجھ سے زیادہ حسین ہے۔ اس کے دیکھنے کو پیچھے چلا اس عورت نے اس کے ایک دھول دی اور کہا ؎

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی ۔۔۔ در بیان دعوئے خود صادقی

پس چرا بر غیر افگندی نظر ۔۔۔ ایں بود دعوائے عشق ای بیخبر

صاحبو اگر حق تعالیٰ سامنے کھڑا کرکے اتنا دریافت فرمالیں کہ تونے ہم کو چھوڑ کر غیر پر کیوں نظر کی تو بتلائیے کیا جواب ہے یہ ہلکی بات نہیں اس کا بہت بڑا اہتمام کرنا چاہیئے۔

معصیت کے تقاضہ کا نہایت مفید علاج

ایک اور تدبیر ہے جو مقوی ہے ان تدابیر کی وہ یہ کہ جب قلب میں ایسا خیال پیدا ہو ایسا کرو کہ وضو کرکے دو رکعت پڑھو اور توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو جب نگاہ پڑے یا دل میں تقاضا پیدا ہو فوراً ایسا ہی کرو۔ ایک دن تو بہت سی رکعتیں پڑھنا پڑیں گی۔ دوسرے دن بہت کم ایسا خیال آوے گا۔ اسی طرح بتدریج نکلجاوے گا اس لئے کہ نفس کو نماز بڑی گراں ہے۔ جب دیکھے گا ذرا سا مزہ لینے پر یہ مصیبت ہوتی ہے یہ ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے پھر ایسے وسوسے نہ آویں گے

سمع و بصر و قلب و جوارح کی حفاظت کا حکم

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا مت اتباع کر اس شے کی جس کی تجھ کو تحقیق نہیں بیشک کان اور آنکھ اور قلب ان میں سے ہر ایک سے سوال کیا جائیگا۔ اس آیت میں چار چیزوں کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔ قلب آنکھ۔ کان۔ یہ تین چیزیں تو بالتصریح بیان فرمائیں۔ چوتھی چیز بقیہ جوارح یعنی ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ کی حفاظت ہے وہ بالتصریح اس آیت میں مذکور نہیں ہیں بلکہ ان چیزوں کی حفاظت کو ولا تقف ما لیس لک بہ علم میں دلالۃً ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ولا تقف ما لیس لک بہ علم کی حقیقت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں تمام جوارح کی حفاظت بھی آگئی ہے اس لئے کہ اس کی حقیقت ہے بلا تحقیق کسی امر کا اتباع کرنا اب اس کے تحقق کی چند صورتیں ہیں۔ مثلاً کوئی شے گم ہو جائے بلا تحقیق قرائن موہومہ پر کسی کو چور کہدیا چور کہنا زبان کا گناہ ہے ولا تقف ما لیس لک بہ علم اس گناہ سے روکتا ہے دیکھئے ولا تقف ما لیس لک بہ علم پر عمل نہ ہونے سے زبان کا گناہ ہو گیا۔

جب تک کسی کے فعل میں تاویل ہو سکے اسوقت تک اُس پر بدگمانی نہ چاہئیے

حکایت۔ ایک عجیب حکایت یاد آئی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے

ہوئے دیکھا اس سے فرمایا کہ تو چوری کرتا ہے اس نے کہا کلا واللہ الذی لا الٰہ الا ھو یعنی ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا صدقت ربی وکذبت عینی یعنی میں اپنے رب کی تصدیق اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں یعنی میری آنکھ نے غلط دیکھا تو سچا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو نہ دین میں غلو ہوتا ہے اور نہ وہ مغلوب الحال ہوتے ہیں

شاید کوئی خشک مغز اس کو غلو فی الدین سمجھے یا کوئی یوں کہے کہ یہ تو استغراق یا غلبہ حال ہے سو یاد رکھو کہ انبیا علیہم السلام میں نہ غلو فی الدین ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے اور وہ مغلوب الحال بھی نہیں ہوتے بلکہ اپنے حال پر غالب رہتے ہیں۔ بزرگوں کی دو قسمیں ہیں ابو الحال اور ابن الحال۔ ابو الحال وہ ہیں جو اپنے حال پر غالب ہوتے ہیں۔ مخلوق سے ملے جلے رہتے ہیں۔ اسباب ظاہرہ کو چھوڑتے نہیں ہر امر کو ضابطہ اور قاعدے سے کرتے ہیں مال کو انتظام سے خرچ کرتے ہیں ان امور میں جیسے اور عوام کی حالت ہوتی ہے ایسی ان کی بھی ہوتی ہے اور اہل حال آزاد ہوتے ہیں خلقت سے بھاگتے ہیں کسی امر کی تدبیر نہیں کرتے۔ موجی بندے ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ ہاں خلاف شریعت کچھ نہیں کرتے۔ اس لئے کہ جو خلاف شریعت کریگا وہ مقبول و بزرگ نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کا قول و فعل کبھی بظاہر خلاف شرع ہوتا ہے جس کی تاویل ضروری ہے

اہل کمال کی پہچان اور اس کا بیان کہ عارف میں برکت دواماً اور کرامت احیاناً ہوتی ہے تصرف نہیں ہوتا اور اسکا راز

اکثر عوام الناس ایسے لوگوں کو باکمال سمجھتے ہیں اور اہل کمال کو کم پہچانتے ہیں اس لئے میں اہل کمال اور غیر اہل کمال کی شناخت کے لئے ایک قاعدہ کلیہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ وہ نہایت مفید ہے۔ وہ یہ ہے کہ ولایت نبوت سے مستفاد ہے جس بزرگ کی حالت انبیاء

علیہم السلام کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوگی وہ زیادہ باکمال ہوگا۔ سو انبیا نے نہ کبھی نعرے مارے نہ کبھی کپڑے پھاڑے نہ خلقت سے بھاگے خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہر امر کا انتظام حضور کے یہاں تھا۔ سلطنت کا انتظام حضور نے ایسا فرمایا کہ سلاطین دنیا نے آپ سے سیکھا۔ خانہ داری کا انتظام ایسا تھا کہ آج کوئی اس کی نظیر نہیں دکھلا سکتا۔ اسی طرح ملنے جلنے کھانے پینے حتیٰ کہ بول و براز کے قواعد حضور نے امت کو تعلیم فرمائے۔ اہل کمال کی حالت اسی طرز کی ہوتی ہے اور جس طرح آجکل عوام ایسے اہل کمال کو بزرگ و خدا رسیدہ نہیں جانتے اس وقت بھی عام لوگوں نے انبیا کو کامل نہیں سمجھا۔ چنانچہ کہا کرتے تھے ۔۔ مالھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرًا ویلقی الیہ کنز اوتکون لہ جنۃ یاکل منہا یعنی اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے ان کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا کہ ان کے ساتھ رہ کر لوگوں کو تبلیغ کرتا یا ان کے پاس کوئی خزانہ ہوتا۔ یہ ہم سے بھی زیادہ غریب مفلس ہیں۔ ہم دو وقت کھانا کھاتے ہیں ان کو ایک وقت بھی کبھی کبھی دن میں ملتا ہے اچھے اللہ کے پیارے ہیں کوئی اپنے پیارے کو بھوکا بھی مارا کرتا ہے۔ یا ان کے پاس کوئی باغ ہوتا۔ کہ یہ اس سے کھاتے غرض کوئی وصف ایسا ہوتا جو ہم میں نہیں یہ کیسے نبی ہیں جو ہم سے ممتاز نہیں ہیں۔ اسی طرح جو اولیاء اللہ اس شان کے ہوتے ہیں ان پر لوگ اعتراض کرتے ہیں اور جو خلقت سے بھاگتا ہے کھاتا پیتا نہیں ننگا رہتا ہو کسی سے بات نہ کرتا ہو وہ بزرگ ہے اور اگر خلاف عادت کوئی امر اس سے صادر ہوگیا کسی پر کوئی تصرف کردیا اسکو تو نبی سے بڑھکر جانتے ہیں حالانکہ تصرف کوئی چیز نہیں یہ تو ریاضت سے ہندو جوگیوں میں بھی پیدا ہو جاتا ہے بلکہ اہل کمال اس کو اچھا نہیں جانتے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عارف را ہمت نباشد یعنی عارف کو ہمت یعنی تصرف نہیں ہے ہمت کے وہ متعارف معنی نہیں کہ کسی کام کی ہمت نہیں بلکہ ہمت کے معنی تصرف وغیرہ کے ہیں مطلب یہ ہے کہ عارف کو تصرف نہیں ہوتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جس قدر عرفان بڑھیگا فنا بھی ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور اپنے سے نظر اٹھتی جاتی ہے۔ دیکھئے تحصیلدار اپنے اجلاس میں بیٹھکر بڑے بڑے احکام صادر کرتا ہے لیکن گورنر جنرل کے سامنے جب آتا ہے تو اس کی وہ حالت

ہوتی ہے جو ادنیٰ اردلی کی ہے اسی طرح عارف کو جس قدر معرفت بڑھے گی وہ مٹتا چلا جائیگا فنا سے اس کو فاعلیت مستقلہ من وجہ کے تصور سے غیرت آئے گی اور معرفت سے دوسرے کی طرف توجہ تام کرنے سے غیرت آویگی ۔ اور تصرف میں یہی ہوتا ہے کہ دوسری طرف توجہ تام کرنا پڑتا ہے اور تدبیر مسنون اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں فاعلیت و توجہ میں استغراق نہیں ہوتا - عارفین میں دو باتیں ہوتی ہیں - برکت اور کرامت

برکت اور کرامت کی حقیقت اور تصرف اور کرامت میں فرق

برکت یہ ہوتی ہے ان کے وجود با جود سے بارش ہوتی ہے بیماری دور ہوتی ہے آفات اور حوادث ٹل جاتے ہیں - لیکن ان کو خبر تک نہیں ہوتی جیسے آفتاب جب نکلتا ہے تو سب کو منور کر دیتا ہے لیکن آفتاب کو کچھ خبر تک نہیں کہ میری ذات سے کس کس شے کو نفع پہونچ رہا ہے اور دوسری شے کرامت ہے وہ بھی کبھی عارفین میں ہوتی ہے کرامت یہ ہے کہ کسی خارق عادت کا انکے ذریعہ سے ظاہر ہونا کرامت میں قصد نہیں ہوتا گو علم ہو - اور تصرف میں قصد کرنا اور توجہ اسطرف مبذول کرنا ضروری ہے - ہاں اگر اذن الٰہی اس تصرف کا ہو تو اور بات ہے -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکلات میں دعائیں کی ہیں تصرف سے کہیں کام نہیں لیا ۔ الا نادرا

یہی وجہ ہے کہ انبیا علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امور نازلہ میں دعائیں بہت کی ہیں - مگر یہ کہیں نہیں آیا کہ آنکھیں بند کر کے اس طرف توجہ و تصرف کیا ہو چنانچہ آیا ہے کہ حضور نے دعا فرمائی اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن ھشام یعنی اے اللہ اسلام کو قوت دے عمر بن خطاب سے یا ابو جہل بن ہشام سے یعنی ان کو مسلمان کر دے یہ نہیں کیا کہ ان کی جانب توجہ فرمائی ہو اور تصرف کیا ہو بلکہ دعا فرمائی اگر تصرف ہوتا تو دو کا نام نہ لیتے کیونکہ تصرف میں یکسوئی لازم ہے ایک کو معین کر کے جب تک اس کی طرف کامل توجہ نہ کیجاوے کچھ نہیں ہوتا - حق تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں دعا قبول فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے - غرض یہ تو آیا ہے کہ حضور نے ہدایت کی دعائیں فرمائی ہیں چنانچہ احادیث ان دعاؤں سے

مملوو مشحون ہیں اور یہ بہت کم منقول ہے کہ تصرف کیا ہو اسی واسطے میں نے اوپر باذن الہی کی شرط وقید ذکر کر دی ہے۔ اس لئے کہ تصرف بھی حضور نے گاہ گاہ فرمایا ہے۔ چنانچہ آیا ہے کہ آپ نے بعض صحابہ کے سینہ پر ہاتھ مارا ان کا شبہ زائل ہو گیا۔ ایک صحابی گھوڑے پر سوار نہ ہو سکتے تھے آپ نے اُن کے سینہ پر ہاتھ مارا وہ سوار ہونے لگے۔ سینہ پر ہاتھ مارنا یہ قرینہ اس کا ہے کہ یہ فعل تصرف ہے اور اگر کسی کی سمجھ میں اس کی کوئی اور توجیہ آجاوے تو پھر استثنا کی حاجت نہیں ہے انبیا کے تصرف نہ فرمانے کا حکم اپنے عموم پر رہیگا بہر حال اگر ثابت بھی ہو جاوے تو شاذ ہے اور شاذ پر حکم نہیں ہوا کرتا۔ سنت وہ ہے جس پر حضور نے مواظبت فرمائی ہو مثلاً آپ نے قبا پہنی تھی اس میں سونے کی گھنڈیاں تھیں تو یہاں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سنت ہے۔ یہاں جواز کے لئے آپ نے ایسا کیا۔ اسی طرح یہاں بھی کہا جائیگا کہ سنت تو دعا کرنا ہے اور بیان جواز کے لئے شاذ نادر تصرف بھی فرمایا ہے۔

رجوع بجانب سرخی (انبیا علیہم السلام کو نہ دین کے اندر غلو ہوتا ہے الخ)

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں شبہ مغلوب الحال ہونیکا نہ کیا جاوے جیسا کہ واضح ہو گیا اب رہی یہ بات کہ جب یہ نہ غلو فی الدین ہے اور نہ غلبہ حال ہی تو پھر اس حدیث کی کیا توجیہ ہے کیونکہ ظاہراً تو یہ عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ صریح چوری کرتے دیکھ رہے ہیں اور پھر اپنے مشاہدہ کی تکذیب کر رہے ہیں اور عقل کے خلاف ہونے سے خود حدیث کی صحت مخدوش ہو گئی

عقل و درایت خدا تعالیٰ پر حاکم نہیں

اور مبنیٰ اس شبہ کا یہ ہے کہ آجکل ایک جماعت پیدا ہو گئی ہے انھوں نے کچھ اصول درایۃ کے تراشے ہیں اور احادیث کو ان اصول پر منطبق کرتے ہیں اور عدم انطباق کے وقت حدیث کے معنی میں تحریف کرتے ہیں یا حدیث کا انکار کر دیتے ہیں انھوں نے عقل و درایت کی حکومت کو اس قدر عام مانا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھی اس کو حاکم بنا دیا۔ خوب سمجھ لو کہ اول تو درایۃ باوجود حاکم ہونے کے خدا تعالیٰ پر حاکم نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں نہ جلنے کو خلاف درایت بتلاتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کو واقع نہیں کیا عجب بات ہے تمہاری سمجھ میں نہ آنے سے یہ کیسے لازم آیا کہ اس کا وقوع بھی نہیں ہوا

درایۃ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ خدا تو درایۃ کے قبضہ میں نہیں۔ مولنا روم نے ایسی ہی ایک حکایت لکھی ہے جس میں وجہ درایت کی بھی بتلائی ہے کہ ایک بادشاہ نے بڑی بڑی گھاٹیاں آگ سے بھروا رکھی تھیں جو بت پرستی نہ کرتا تھا اسکو آگ میں پھینک دیتا تھا ایک موحد عورت آئی اس کے پاس ایک بچہ تھا اس عورت کو کہا کہ تو بت کو سجدہ نہ کریگی تو اس بچہ کو آگ میں پھینک دیں گے اس نے صاف انکار کر دیا چنانچہ اس بچہ کو آگ میں پھینک دیا اس بچہ نے آگ میں ماں کو ندا دی ؎

اندر آ مادر کہ من ایں جا خوشم　　　گرچہ در صورت میاں آتشم

اندر آ اسرار ابراہیم بیں　　　کو در آتش یافت وردو یاسمیں

اندر آ ہیدلے مسلماناں ہمہ　　　غیر عذب دیں عذاب ست آں ہمہ

چنانچہ ماں بھی آگ کے اندر کودپڑی اور مسلمانوں نے گرنا شروع کیا اور سب صحیح سالم رہے آخر بادشاہ نے جھلا کر آگ کو خطاب کیا کہ اے آگ تجھکو کیا ہوا کیا تو آگ نہیں رہی آگ نے جواب دیا ؎

گفت آتش من ہمانم آتشم　　　اندر آ تا تو بہ بینی تا بشم

طبع من دیگر نگشت و عنصرم　　　تیغ حقم ہم بدستوری برم

مولنا اس کا راز فرماتے ہیں جس میں درایت کی وجہ تبلائی ہے ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند　　　با من و تو مردہ باحق زندہ اند

پس آگ بیشک فاعل ہے مگر کب تک جبتک کہ اللہ تعالیٰ اس کو معطل نہ فرمادیں۔ اور جب معطل فرمادیں کسی کام کی نہیں جیسے تحصیلدار حاکم ہے جب تک معطل نہ ہو جب معطل ہوگیا تو جیسے اور ہیں ویسا ہی وہ بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا اس لئے کہ اس کو حکم ہو گیا " یانار کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم " بس گو یہ ظاہراً خلاف درایت ہے لیکن خود یہ حکم درایۃ کا کہ النار محرقۃ حق تعالیٰ پر تو حجت نہیں۔

ہم لوگوں کی درایۃ ناتمام ہی اسواسطے ہمکو بعض احکام خلاف درایۃ معلوم ہوتے ہیں

دوسرے آپ کی درایت بھی تو ناتمام ہے چنانچہ آپکی درایت تو صرف اسقدر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو آپ نے خلاف درایۃ سمجھ لیا حالانکہ واقع میں یہ درایت کے بھی خلاف نہیں ہے اسلئے

کہ سرقہ کی حقیقت یہ ہی اخذ مال الغیر خفیۃ اس کی تحقیق کے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہے اول لینا - دوسرے مال کا لینا تیسرے غیر کا مال چوتھے خفیہ لینا - آنکھ سے صرف اسقدر دیکھا جاتا ہے کہ خفیہ مال لینا مگر مال الغیر ہونا یہ آنکھ سے کیسے معلوم ہوا ممکن ہے کہ وہ شئے اسی کی ہے یا اس نے اجازت لے لی ہو تو حضرت عیسٰی نے اول اس ہیئت کو دیکھ کر فرمایا کہ چوری کی ہے پھر اس کی قسم کے بعد دوسرا عقلی احتمال مستحضر ہو گیا کہ شاید یہ سرقہ نہ ہو اور یہ سمجھا ہو کہ اس ہیئت میں کوئی عارضی مصلحت ہوگی - آپ نے دیکھا کہ آپکی عقل اس قدر ہے اسی طرح جن جن چیزوں کو آپ خلاف عقل کہتے ہیں میں انشاء اللہ تعالیٰ ایک ایک کو عقل پر منطبق کر سکتا ہوں -

کھانے کمانے کی عقل کوئی عقل نہیں ہے

ہم اور آپ عاقل نہیں ہیں ہاں آکل ہیں یعنی ہم کو کھانے کی عقل ہے مثل بہائم کے چنانچہ بعض جانور اپنے کھانے پینے کی ایسی تدبیر کرتے ہیں کہ عقلا بھی نہیں کر سکتے رجواڑوں میں سنا ہے کہ ریت کے اندر تربوز چھپے رہتے ہیں بیلوں کو جب پیاس لگتی ہے تو ریت کو کرید کر تربوز نکالکر کھا لیتے ہیں اور آدمی کو تلاش سے بھی نہیں ملتے اس کھانے پینے کی تدبیروں کو لوگ ترقی کہتے ہیں ترقی یہ ہوئی کہ بیل کے برابر ہو گئے حضرت یہ ترقی نہیں ہے ترقی یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تم کو عقل دی ہے اس کو دین کے کاموں میں صرف کرو کھانے پینے کی عقل تو جانوروں کو بھی ہوتی ہے بلکہ تم سے زیادہ ہوتی ہے اس پر تو چاہیئے کہ وہ زیادہ ترقی یافتہ ہوں اگر یہی ترقی ہے تو ہم میں اور جانوروں میں فرق کیا ہوگا

رجوع بجانب سرخی (سمع بصر قلب جوارح کی حفاظت کا حکم)

یہ قصہ ہے عیسٰی علیہ السلام کا انہوں نے کس قدر احتیاط فرمائی اور ولا تقف ما لیس لک به علم پر کیسا عمل کیا ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ذرا سے شبہ میں چور کہدیتے ہیں محض قرائن سے کسی کو چور کہدینا نہایت برا ہے ؎

کسی عمل سے چور کا نام معلوم کر کے اس پر چوری کا الزام لگانا جائز نہیں

اس پر ایک اور مضمون یاد آگیا کہ بعض لوگ چور کے معلوم کرنے کے واسطے ایک

عمل لوٹا گھمانے کا کیا کرتے ہیں اُس پر سورۂ یٰسین شریف پڑھتے ہیں جس کے نام پر لوٹا گھوم جائے اُس کو یقیناً چور سمجھتے ہیں اور اس عمل میں غلطی کا احتمال ذرا نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن کا عمل ہے یاد رکھو کہ یہ حرام ہے شریعت میں بلا اپنے دیکھے یا دو عادل کی گواہی بغیر کسی کو چور سمجھنا ممنوع ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ قرآن کا عمل غلط نہیں ہو سکتا اس میں مغالطہ ہے یہ عمل اگر قرآن کا مدلول ہوتا تو واقعی یقینی ہوتا اور یہی معنی ہیں اس کے کہ قرآن میں احتمال غلطی کا نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عمل قرآن کا مدلول نہیں خود تمہارا گھڑا ہوا ہے اگر کوئی شخص ایک بڑا سا قرآن لیکر کسی کے سر میں مار دے اور وہ زخمی ہو جاوے تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ عمل جائز ہے کیونکہ قرآن کے ذریعہ سے ہوا ہے۔

رجوع بجانب شرحی (سمع بصر قلب جوارح کی حفاظت کا حکم)

حاصل یہ ہے کہ ولا تقف ما لیس لک بہ علم میں بطریق مذکور زبان کی حفاظت کا حکم بھی داخل ہو گیا اور ہاتھ کی حفاظت اس طور سے داخل ہوئی کہ بلا تحقیق جرم کسی پر ظلم کرنا حرام ہے اور اس میں مخالفت ہوئی ولا تقف الآیہ کی اسی طرح پاؤں کی حفاظت اسی طرح داخل ہے کہ بلا تحقیق جواز شرعی کسی ناجائز مجمع میں جانا حرام ہے اسی طرح سب جوارح کی حفاظت اس میں داخل ہو گئی اور سمع و بصر و فواد کی حفاظت تو بالتصریح ہی اس میں مذکور ہے مثلاً کان کو غیر مشروع اصوات و مضامین سے بچانا آنکھ کو غیر محارم کی طرف نظر کرنے سے بچانا قلب کو گمان بد وغیرہ سے بچانا۔

معصیت سے بچا رہنا بڑی کرامت ہے

حکایت حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ ایک شخص آپ کا امتحان کرنے آیا اور دس برس تک آپ کے پاس رہا مگر معتقد نہ ہوا ایک روز کہنے لگا کہ میں نے آپ کی بزرگی کی شہرت سُنی تھی لیکن میں دس برس سے آپ کے پاس ہوں اس مدت میں میں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی آپ نے فرمایا کہ تو نے اس مدت میں جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کسی گناہ صغیرہ یا کبیرہ میں مبتلا دیکھا اُس نے جواب دیا کہ گناہ تو کوئی نہیں دیکھا آپ نے فرمایا کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کچھ چھوٹی کرامت ہے کہ دس برس تک اُس سے خدا کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

کوئی شخص کیسے ہی درجہ کو کیوں نہ پہونچ جائے احکام شرعی اُس سے ساقط نہیں ہوتے

حکایت۔ علیٰ ہذا ایک دوسرا واقعہ اُن کا مشہور ہے کہ اُن کے زمانہ میں چند مدعیان تصوف کا یہ قول آپ کے پاس پہنچا کہ وہ کہتے ہیں نحن وصلنا ولاحاجۃ لنا الی الصیام والصلوٰۃ آپ نے سُنکر فرمایا صدقوا فی الوصول ولکن الی السقر اور پھر فرمایا کہ اگر میں ہزار برس زندہ رہوں تو نفل عبادت بھی بدون عذر شرعی ترک نہ کروں۔

بزرگوں کی خدمت میں اصلاح کی نیت سے جانا چاہیئے اُن کے پاس جاکر دنیا کے قصے شروع کر دینے چاہئیں

بعض لوگ بزرگوں کی خدمت میں جاتے ہیں لیکن نیت اُن کی محض دقت پورا کرنا اور دل بہلانا ہوتی ہے اور علت اس کی یہ ہے کہ بزرگوں کے پاس جاکر دنیا بھر کے قصے جھگڑے اخبار شروع کر دیتے ہیں ایسے لوگ اپنا بھی نقصان کرتے ہیں اور اُن بزرگ کا بھی وقت ضائع کرتے ہیں:۔

طالب کو ثمرہ کا انتظار اور کسی حالت میں مایوسی نہ چاہیئے

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ اصلاح ہی کی نیت سے جاتے ہیں لیکن عجلت پسند ہونے کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ دو ہی دن میں ہماری اصلاح ہو جائے ان لوگوں کی بالکل وہ مثال ہے کہ الحائک اذا صلے یومین انتظر الوحی ایسے لوگوں کے جواب میں ہمارے حضرت حاجی صاحب رح فرمایا کرتے تھے کہ یہ کیا کم فائدہ ہے کہ تم کو خدا کے نام لینے کی توفیق ہو گئی اور فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اگر واقعی کچھ بھی حاصل نہ ہو تب بھی طلب نہ چھوڑنی چاہیئے ؎

یابم اورا یانیابم جستجوئے میکنم حاصل آید یانیاید آرزوئے می کنم

طالب خدا کی یہ شان ہے کہ سو دفعہ اُس کو یہ آواز آئے کہ تو دوزخی ہے تب بھی اُس کو

مایوسی نہ ہو۔

حکایت۔ ایک بزرگ کے پاس شیطان آیا اور کہا کہ تم کو عبادت کرتے اتنے دن ہو گئے نہ پیام ہے نہ سلام پھر اس سے کیا نفع وہ معمول چھوڑ کر سو رہا خواب میں حضرت خضر علیہ السلام آئے اور وجہ پوچھی اُس نے کہا کہ نہ لبیک ہے نہ پیک ہے پھر کیسے دل بڑھے۔ جواب ارشاد ہوا کہ ؎

گفت آن اللہ تو لبیک ماست　　　　دیں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

حکایت۔ ایک بزرگ کی حکایت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے لکھی ہے کہ وہ ذکر کرنے بیٹھے تو یہ آواز آئی کہ تم کچھ بھی کرو یہاں کچھ قبول نہیں مگر وہ پھر کام میں لگ گئے اُن کے ایک مرید نے کہا کہ جب کچھ نفع ہی مرتب نہیں تو محنت سے کیا فائدہ بزرگ نے جواب دیا کہ بھائی اگر کوئی دوسرا ایسا ہوتا کہ میں خدا کو چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہو جاتا تو اعراض ممکن بھی تھا اب تو یہی ایک در ہے قبول ہو یا نہ ہو ؎

توانی ازاں دل بپرداختن　　　　کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

اس جواب پر رحمت خداوندی کو جوش ہوا اور ارشاد ہوا کہ ؎

قبول ست گرچہ ہنر نیستت　　　　کہ جز ما پناہی دگر نیستت

غرض طالب کو ہر حال میں طلب میں مشغول رہنا چاہیئے اور یہ حالت ہونی چاہیئے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش　　　　تادمے آخر دمے فارغ مباش

تادمے آخر دمے آخر بود　　　　کہ عنایت با تو صاحب سر بود

کامل کی پہچان

البتہ اس موقع پر اس کی ضرورت ہے کہ کامل کی کوئی پہچان بتلائی جائے کیونکہ آج کل بہت سے شیطان بھی لباس انسان میں ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　　پس بہر دستے نباید داد دست

تو پہچان اس کی یہ ہے وہ شریعت کا ضروری علم رکھتا ہو کسی کامل شیخ کی تربیت میں رہا ہو اور اُس سے اجازت تربیت حاصل ہو۔ خود شریعت پر عامل ہو شریعت کے خلاف پر اصرار نہ کرتا ہو سنت کا پورا پابند ہو۔ اپنے متعلقین پر شفقت کرتا ہو احتساب میں کمی

نہ کرتا ہو جس میں یہ سب باتیں جمع ہوں وہ کامل ہے اور ایسے ہی لوگوں کی نسبت کہا ہے ؎

یک زمانہ صحبتت با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

مساجد میں دُنیا کا ذکر کرنا اُس کو شرالبقاع بنانا ہے

ایک مرتبہ لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ شرالبقاع کیا چیز ہے اور خیرالبقاع کونسی جگہ ہے فرمایا ہے مجھے معلوم نہیں جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا اُنہوں نے بھی یہی جواب دیا اور یہ کہا کہ دربار خداوندی سے دریافت کر کے جواب دونگا چنانچہ وہ پوچھنے گئے اُس وقت بہ برکت اس مسئلہ کے پوچھنے کے حضور اقدس سے لئے اُن کو اس قدر قرب ہوا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو کبھی اتنا قرب نہیں ہوا یعنی ستر ہزار حجاب درمیان میں رہ گئے غرض دربار خداوندی سے جواب ارشاد ہوا کہ شرالبقاع بازار ہے اور خیرالبقاع مسجد سو غور کرنا چاہئے کہ دونوں میں مابہ الامتیاز کیا ہے بجز ذکراللہ و ذکرالدنیا کے پس معلوم ہوا کہ مسجد کا موضوع لہ اصلی ذکراللہ ہے پس اُس میں ذکرالدنیا کرنا اُسکو شرالبقاع بنانا ہے جو کہ اُس کی ویرانی ہے ؛

جو بات معلوم نہ ہو اُس میں ناواقفی کے اقرار سے شرمانا نہ چاہئے

اور اس جگہ پر آپ کے اور جبرئیل علیہ السلام کے لا ادری فرما دینے سے اُن لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ جو باوجود نہ معلوم ہونے کے مسائل کا غلط سلط جواب دینے پر مستعد ہو بیٹھتے ہیں نیز وہ لوگ سمجھیں اور متنبہ ہوں جو باوجود کتاب کا مطلب نہ آنے کے طالب علموں کو کچھ نہ کچھ جواب دئے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ نہیں کہدیتے کہ یہ مقام نہیں آتا جو نہ معلوم ہو کہدینا چاہئے کہ یہ نہیں معلوم۔

حکایت۔ بزرجمہر سے کسی بڑھیا نے کچھ پوچھا اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں بڑھیا نے کہا کہ ہائیں تم بادشاہ کی اتنی تنخواہ کھاتے ہو اور یہ بات تم کو معلوم نہیں بزرجمہر نے جواب دیا تنخواہ تو مجھے معلومات کی ملتی ہے۔ اگر مجہولات کی ملنے لگے تو بادشاہ کا سارا خزانہ بھی کافی نہ ہو۔

دنیا میں حق تعالیٰ کی رویت کسی کو نہیں ہو سکتی اور نہ ان کی کنہ تک رسائی ہو سکتی ہے

اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ستر ہزار حجاب کو کمال قرب کہنا قابل غور ہے کہ جو لوگ دنیا میں تھوڑا سا ذکر و شغل کر کے حق تعالیٰ کی رویت کی ہوس میں پڑتے ہیں کتنی بڑی غلطی ہے۔ کیا جبرئیل علیہ السلام سے زیادہ قرب چاہتے ہیں اور اس سے بھی بڑی غلطی ہے اگر رویت سے بڑھکر ذات کی کنہ کو ادراک کرنا چاہیں کیونکہ خداوند تعالیٰ کی ذات کی کنہ تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس کو ہرگز نہ سوچنا چاہئے البتہ افعال خداوندی میں غور اور تدبیر کرنا چاہئے۔ تفکروا فی الاء اللہ ولا تفکروا فی ذاتہ کسی بزرگ کا قول ہے

دور بینان بارگاہ الست	غیر ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست
آنچہ اندر راہ مے آید بدست	حیرت اندر حیرت اندر حیرت است
اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم	وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر	ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

ہاں البتہ قیامت میں حسب وعدہ رویت ذات بلا حجاب ہو گی اور حدیث میں جو آیا ہے کہ اس دن کوئی اور پردہ نہ ہو گا بجز رداء الکبریاء کے اس سے بلا حجاب ہونے پر شبہ نہ ہوا کیونکہ اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ رویت تو بلا حجاب ہو گی مگر عظمت و جلال و کبریائی کی وجہ سے احاطہ نہ ہو سکے گا۔ ردائے کبریا اس کو فرمایا ہے دنیا میں بلا حجاب رویت نہیں ہو سکتی۔ یہی عقیدہ اور مسئلہ شرعی ہے اور حضرت پیران پیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی طرف جو یہ شعر منسوب ہے کہ ؂

بیحجابانہ درآ از در کاشانۂ ما

تو یہ مؤول بہ حجاب محجوبین غافلین ہے یا قیامت کے روز کے لئے اشتیاق لقا کا اظہار فرماتے ہیں کیونکہ درآ صیغہ امر ہے اور وہ استقبال کے لئے ہے اور اگر یہ شعر کسی اور شاعر کا ہو تو ہم کو ضرورت تاویل کی نہیں۔

پیر سے اگر کوئی بات خلاف شرع ہو تو اس کو متنبہ کرے۔ مگر ادب سے اور اس کا بیان کہ عاشقوں کی گستاخی عین ادب ہے

حکایت حضرت سید احمد رحمۃ اللہ بریلوی رحمۃ اللہ مولانا شہید رحمۃ اللہ کے پیر ایک دن صبح کی نماز میں بوجہ نئی شادی ہونیکے ذرا دیر میں پہنچے ان کے مرید مولوی عبدالحی صاحب نماز کے بعد وعظ فرمانے بیٹھ گئے اس میں یہ بھی کہا کہ بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ جورو کی بغل میں پڑے رہتے ہیں اور تکبیر اولی قضا ہو جاتی ہے۔ جناب سید صاحب نے نہایت شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔ اس بیان کے بعد فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب نے باوجودیکہ ظاہرا یہ عنوان خلاف ادب تھا اس واسطے اس عنوان سے کہنے کی جرأت کی تھی کہ ان کو معلوم تھا کہ سید صاحب کے دل میں اس سے میل نہ آئیگا بلکہ خوش ہونگے اور ان کے خوش کرنے کو بے ادبی اختیار کی ؎

گفتگوئے عاشقاں در کار رب — جوشش عشق ست نے ترک ادب

باادب ترنیست زکس در نہاں — بے ادب ترنیست زکس در جہاں

ایسا ہی قصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کا جو حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ جب تم مجھ سے خفا ہوتی ہو اس وقت لا ورب ابراہیم کہتی ہو اور جس وقت خوش ہوتی ہو اس وقت لا ورب محمد کہتی ہو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ لا اھجر الا اسمك بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر کوئی اور کرے بے ادبی میں داخل ہو جائے بلکہ کفر ہو جائے مگر عاشق صادق جوش محبت اور علاقہ محبت سے کرتا ہے اس لئے وہ عفو ہوتی ہیں۔ حاصل یہ کہ ظاہرا باتیں بے ادبوں کی سی ہوتی ہیں اور باطنا ہوتی ہیں باادب ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد — کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر — ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

ایں ندانستند ایشاں از عمی — درمیاں فرقے بود بے منتہا

احمد و بوجہل در بتخانہ رفت   زیں شدن تا آں شدن فرقیست ژرف

مسجد کی حاضری کے وقت کیا حالت ہونی چاہیئے اور اس کا بیان کہ اس حالت کے حصول سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

آداب مسجد کو بلا ارادہ تشبہ ایسا خیال کرنا چاہیئے جیسا کہ حاکم دنیوی کی حضوری میں قلب اور جوارح کی حالت ہوتی ہے کہ اس کا مصداق بنجاتا ہے ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی   شاید کہ نگاہ کند آگاہ نباشی

اتنا تو ہونا چاہیئے اور ایسی حالت اول تو ہر وقت ہو ورنہ حضوری مساجد کے وقت تو ضروری ہے اور ہر وقت حاصل ہونا اس حالت کا یوں نہ سمجھنا چاہیئے کہ بزرگان پیشین پر ختم ہوگیا۔ ہم کو کب ہوسکتا ہے ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست   با کریماں کارہا دشوار نیست

دیکھیئے صحابہ کی کیفیت ادب مسجد کی یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن دو شخصوں کو جو مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ اگر تم باہر کے مسافر نہ ہوتے تو تمہیں سزا دیتا۔ اترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس میں یہ شبہ نہ ہو کہ یہ حکم عدم رفع صوت مسجد نبوی کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ مساجد سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہیں چنانچہ فلا یقربن مساجدنا میں آپ نے جمیع مساجد کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ ہاں مسجد نبوی کا اور زیادہ ادب ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ تو ہے ہی کہ ان المساجد للہ الخ اور جب اللہ کی ہوئیں تو یہ ادب کو بدرجۂ اولی المقتضی ہوگا اور جس طرح مسجد قابل ادب ہے۔ ایسے ہی اہل مسجد کا ادب بھی ضروری ہے وہ یہ کہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے جس سے اہل مسجد کو تاذی ہو مثلاً یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ایسی جگہ نہ کھڑا ہو جہاں اور آنے جانے والوں کو تکلیف ہو کیونکہ اس میں تکلیف ہے ذاکرین کو علیٰ ہذا ذکر جہر جس وقت کوئی اور شخص نماز پڑھ رہا ہو نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس کی نماز میں خلل ہوگا۔ اور اس کو تکلیف ہوگی اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسجدیں بموجب ارشاد نبوی ریاض الجنۃ ہیں اور جنت میں آزار تکلیف نہ ہونا چاہیئے ؎

بہشت آنجاکہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

دعا کے آداب اور اس کا بیان کہ دعا میں محض معنی ہی مقصود ہیں بخلاف اور عبادات کے کہ ان کے اندر ایک درجہ میں صورت بھی مقصود ہے اور بیدینوں کے ایک شبہ کا جواب

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط ان الذین یستکبرون عن عبادتے سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ٥ اس آیت کے مضمون ہی سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ مقصود بیان تنبیہات متعلقہ دعا ہے اور شاید کسی کو یہ خیال ہو ہم تو دعا کیا کرتے ہیں اور اس کی ضرورت وغیرہ کو بھی جانتے ہیں پھر کیوں تنبیہ کیجاتی ہے کیونکہ تنبیہ تو اس امر میں ضروری ہی جسکو جانتا نہ ہو یا کرتا نہ ہو سو ضرورت تنبیہ کی یوں ہے کہ باوجود جاننے اور کرنے کے بھی جب دعا کے بارہ میں تغافل برتا جاتا ہے یعنی اس کے ضروری آداب و شرائط سے بے پروائی کیجاتی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ جانی ہوئی چیزوں سے بھی بڑھکر کوئی قوی حجاب ہے کیونکہ مجہولات میں تو صرف جہل حجاب ہے کہ اس کا رفع ہونا سہل ہے اور جانی ہوئی چیز میں جب ایسا معاملہ کیا جاوے تو وہ حجاب زیادہ سخت ہوگا اور ہرچند کہ یہ تغافل اور قلب کا حاضر نہ ہونا سب عبادت میں قبیح ہے مگر دعا میں اقبح ہے وجہ یہ کہ عبادات میں گو اصل مقصود معنی ہے مگر تاہم ایک درجہ میں صورت بھی مقصود ہے بخلاف دعا کے کہ اس میں صرف معنی ہی مقصود ہے اور وہ نیاز و افتقار و انکسار و خشوع قلب ہے جب یہ بھی نہ ہوا تو وہ دعا کیا ہوئی۔ بیان اس کا یہ ہے کہ مثلاً نماز ہے کہ قرائن سے اسمیں علاوہ مقصود معنوی یعنی توجہ الی اللہ کی صورت بھی مراد اور مطلوب ہے کہ اس کے قیود ظاہری سے مفہوم ہوتا ہے مثلاً وضو۔ جہت۔ قبلہ۔ وقت۔ تعین رکعات وغیرہ۔ اب اگر کوئی شخص بغیر حضور قلب کے رکوع و سجود وغیرہ شرائط سے نماز پڑھ لے تو گو مقصود معنوی توجہ الی اللہ اسمیں نہیں ہوئی مگر فقیہ عالم یہی حکم دیگا کہ فرض ادا ہوگیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ صورت بھی کسی درجہ میں مطلوب ہے اور اسی کے تحقق سے صحت صلوۃ کا فتویٰ صحیح ہوا۔ اس تقریر سے

ان بدعتیوں کا یہ شبہ بھی رفع ہوگیا جو کہا کرتے ہیں کہ صاحب دل تو حاضر نہیں پھر نماز کیا پڑھیں معلوم ہوا کہ علاوہ حضور قلب کے کہ معنی اور حقیقت ہے نماز کی یہ صورت ظاہری رکوع سجود بھی مقصود ہے۔ دوسری نظیر لیجئے روزہ سے مقصود معنوی قوت بہیمیہ کا توڑنا اور مغلوب کرنا مطلوب ہے مگر بایں ہمہ اگر کوئی شخص سحری کو الیسا پیٹ بھر کھائے کہ افطار تک اس کو بھوک ہی نہ لگے تو اس صورت میں قوت بہیمیہ تو کچھ بھی نہیں ٹوٹی مگر روزہ کی چونکہ ظاہری صورت پوری ہوگئی ہے روزہ صحیح ہوگیا۔ تیسری نظیر اور لیجئے زکوٰۃ کہ مقصود معنوی اس سے اغناء مساکین ہے مگر بایں ہمہ اس کے لئے ایک خاص مقدار ایک خاص وقت معین ہے جس سے مقصودیت صورت ایک درجہ میں یہاں بھی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ صرف اغناء تو ان امور پر موقوف نہیں لیکن دعاء میں نہ کسی وقت کی شرط نہ زبان عربی کی شرط نہ کسی خاص جہت کی شرط نہ کوئی مقدار معین نہ وضو وغیرہ کی قید اس میں صرف عاجزی نیازمندی اپنی احتیاج کا اظہار اپنے مولیٰ کے آگے بس یہ کافی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں صورت پر بالکل نظر نہیں معنی ہی مقصود ہیں بس اب یہ صرف زبانی دعاء کہ آموختہ سا رٹا ہوا پڑھ دیا نہ خشوع نہ خشیت نہ دل میں اپنی عاجزی کا تصور یہ خالی از معنی دعا کیا ہوئی۔

دعاء میں حضور قلب کی ضرورت اور بغیر حضور قلب کے دعاء کی مثال

اس بے توجہی کی مثال تو ایسی ہوئی جیسا کوئی شخص کسی حاکم کے ہاں عرضی دینا چاہے اور اس طور پر عرضی پیش کرے کہ حاکم کی طرف پیٹھ کرے اور منہ اپنا کسی دوست یار کی طرف کر کے اس عرضی کو پڑھنا شروع کرے دو جملے پڑھ لئے پھر یار دوست سے ہنسی مشغول کرنے لگے پھر دو جملے پڑھ دئے اور ادھر مشغول ہو گئے اب سوچ لینا چاہیئے کہ حاکم کی نظر میں ایسی عرضی کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔ بلکہ الٹا یہ شخص قابل سزا ٹھیرایا جائیگا۔ بس یہی معاملہ ہے دعا کا دعا میں جب تک کہ پورے طور پر قلب کو حاضر نہ کریگا اور عاجزی اور فروتنی کے آثار اس پر نمایاں نہ ہونگے وہ دعا دعا نہیں خیال کیجا سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو قلب کی حالت کو دیکھتے ہیں ؎

ما بروں را ننگریم و قال را	ما دروں را بنگریم و حال را
ناظر قلبیم گر خاشع بود	گرچہ گفت لفظ نا خاضع بود

حدیث شریف میں ہے ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم غرض یہ بات

پورے طور پر ثابت ہوگئی کہ دنیا میں حضور اور خشوع ہی مقصود ہے اگر بے اس کے بھی کسی کی دعا قبول ہوجائے تو اس کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ خداوند تعالیٰ کا محض ابتدائی احسان ہے دعا کا اثر نہیں۔

دعاء کے امر میں اہتمام اور حکماء کی ایک بے عقلی

یہ ایک تمہید تھی مضمون دعاء کی اب آیت کا مضمون سنیئے اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے اس آیت میں بڑے اہتمام سے دعاء کا مضمون بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ شروع میں یہ تصریح فرمائی کہ وقال ربکم حالانکہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے مگر پھر اس کو اس لئے ظاہر فرمادیا کہ اسکی تاثیر نفس میں قوی ہوجائے اور مضمون مابعد کی وقعت دلوں میں زیادہ ہو پھر لفظ ربکم ارشاد فرمایا اس میں بوجہ اظہار ربوبیت گویا اشارہ ہے دعاء کے قبول کرلینے کا اس طور پر کہ چونکہ ہم ہمیشہ سے تمہاری پرورش کرتے آئے ہیں حتی کہ بدون تمہاری درخواست کے بھی کی ہے تو کیا تمہاری عرض کو درخواست کرنے پر بھی قبول نہ کرینگے ؎

ما نبودیم و تقاضا ما نبود لطف تو ناگفتۂ ما مے شنود

آیت اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ الخ میں اسی تربیت بے درخواست کا ذکر فرمایا ہے اس کے بعد پیدائش کے بعد کی حالت قابل غور ہے کہ یہ حالت ایسی تھی کہ کسی قسم کی تمیز اور شعور اس وقت تک نہ ہوا تھا اس حالت میں اگر تمام دنیا کے حکماء سقراط بقراط وغیرہ اکٹھا ہوکر صرف اتنی ہی تدبیر کرنا چاہیں کہ بچہ دودھ پینا سیکھ جائے تو ہرگز وہ قیامت تک اس پر قادر نہیں ہوسکتے یہ اسی قادر ذوالجلال کی حکمت اور اس کی رحمت اور عنایت ہے کہ اس نے بچے کو دودھ چوسنا سکھایا۔ حکماء کہینگے کہ یہ خود طبیعت کا فعل ہے مگر جبکہ خود وہ طبیعت ہی کو بے شعور مان چکے ہیں تو ایسے پر حکمت کاموں کا اس کی طرف منسوب کرنا بے شعوری نہیں تو اور کیا ہے تیسرا اہتمام ربکم کی اضافت ہے گویا فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ہیں تم ہم سے مانگو اور اسی کی نظیر دوسری آیت میں اضافت ہے وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ الی قولہ بعبادہ بصیرا حالانکہ یہاں عباد ماخوذین کا ذکر ہے مگر ان کو بھی اپنی طرف مضاف فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا رحمت ہے۔

آیت ولو یؤاخذ اللہ الناس الخ کے متعلق ایک عجیب تحقیق

اس آیت کے متعلق ایک فائدہ علمیہ تفسیریہ سمجھنے کے قابل ہے کہ آدمیوں کے مواخذے کی تقدیر پر تمام دواب کے ہلاک کو کیسے مرتب فرمایا۔ تو وجہ اسکی یہ ہے کہ سب چیزیں انسان ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا یعنی تمام چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں خواہ ان کا نفع بلا واسطہ تم کو پہونچے یا واسطہ در واسطہ پس چونکہ انسان کے لئے ہی سب چیزیں پیدا کی گئی ہیں اس لئے انسان اگر گناہ پر ہلاک کیا جاتا تو دوسری چیزیں بھی اس لئے ہلاک کیجاتیں کہ جب وہی نہ رہا جس کے لئے یہ سامان تھا تو پھر اس سامان کی کیا ضرورت جب آدمی نہ ہو تو پھر خیمے ڈیرے و دیگر اسباب سامان کس کام کے البتہ یہ شبہ اور باقی رہ گیا کہ بروں تو ان کے برے کام کی سزا ملتی ہے اور نیک آدمیوں کو کیوں ہلاک کیا جاتا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اچھے آدمی قدر قلیل ہوتے ہیں اور انسان کی ضرورتیں تمدن و آسائش کے متعلق اس کثرت سے ہیں کہ تھوڑے آدمی ہرگز اس کو پورا نہیں کر سکتے۔ پھر اگر بروں کے بعد نیک زندہ رہتے تو ان کو جینا وبال ہو جاتا۔ ان کے لئے یہ مرنا ہی مصلحت و رحمت ہوتا۔

دعا اگر دنیائے مباح کیلئے ہو وہ بھی عبادت ہے بخلاف اور عبادات کے اور اس کا راز اور فنا الفنا کی توضیح ایک مثال سے

ایک خصوصیت خاص دعا میں اور عبادات سے زیادہ یہ ہے کہ اور جتنی عبادتیں ہیں اگر دنیا کے لئے ہوں تو عبادات نہیں رہتیں مگر دعا ایک ایسی چیز ہے کہ یہ اگر دنیا کے لئے ہی ہو تب بھی عبادت ہے اور ثواب ملتا ہے مثلاً مال مانگے دولت مانگے یا اور کوئی دنیوی حاجت مانگے جب بھی ثواب کا مستحق بنے گا برخلاف اور عبادات کے کہ اگر انمیں دنیوی حاجت مطلوب ہو تو ثواب نہیں ملتا۔ چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی رہ نے لکھا ہے کہ اگر طبیب نے کسی کو رائے دی کہ تم آج دن کا کھانا نہ کھاؤ اگر کھایا تو ضرر دیگا اس نے کہا لاؤ آج روزہ ہی رکھ لیں پس روزہ رکھ لیا۔ تو اس کو خالص روزے کا ثواب نہ ملیگا کیونکہ اس کو

دراصل روزہ رکھنا مقصود نہیں ایسے ہی کوئی شخص مسافرت میں اس نیت سے مسجد کے اندر اعتکاف کرلے کہ سرائے کے کرایہ وغیرہ سے بچونگا تو اس کو خالص ثواب اعتکاف کا نہ ملیگا مگر دعا میں یہ بات نہیں چاہے کتنی ہی حاجتیں دنیوی مانگو مگر پھر بھی ثواب ملیگا۔ اور دعا میں یہ خصوصیت اسلئے ہے کہ دعا سراسر نیازمندی ہے اور عجز وانکسار اور اظہار عبدیت واحتیاج اور یہ دنیا کے مانگنے کے وقت بھی متحقق ہے اور نیازمندی خود ایک بڑا محبوب عمل ہے کیونکہ جہاں نیازمندی ہوگی وہاں کبر نہیں رہیگا اور کبر اور خودی بھی بڑا مبغوض اور بڑا حائل ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری ردا اور ازار سے مراد یہ کہ دونوں میرے وصف خاص ہیں کہ کوئی دوسرا ان دو وصفوں کا مدعی محق نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ منام میں جناب باری سے عرض کیا کہ دلنی علی اقرب الطرق الیک جواب ارشاد ہوا دع نفسک وتعال حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو کیا خوب فرمایا ہے فرماتے ہیں ؎

میان عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

تو در وگم شو وصال اینست وبس
گم شدن گم کن کمال اینست وبس

حاصل یہ کہ اپنی خودی کو مٹاؤ یہاں تک کہ اس مٹانے پر بھی نظر نہ رہے یعنی اس صفت فنا پر بھی نظر نہ رہے اور اس کا نام اصطلاح میں فناء الفناء ہے اور اس کو شاعرانہ مضمون نہ سمجھا جائے کہ مٹانے کو بھی مٹاؤ اس کے نظائر تو روزمرہ واقع ہوتے ہیں چنانچہ اس مسئلہ فناء الفناء کی توضیح اس مثال سے اچھی طرح ہو سکتی ہے کہ اگر کسی کا کوئی دلربا معشوق ہو اور عاشق اس کے خیال میں مستغرق ہو اس حالت میں اس عاشق کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ میں خیال کر رہا ہوں کسی کو یاد کیجئے اس یاد کیطرف ذرا بھی ذہن نہیں جاتا۔ آدمی سوتا ہے مگر اسوقت یہ خبر نہیں ہوتی کہ میں سوتا ہوں اور اگر یہ خبر ہو جائے تو وہ سوتا ہوا نہیں ہے

احوال عالیہ کے حصول سے مایوس نہ ہونا چاہیئے اور ان کے حصول کی شرط

اوران احوال عالیہ کو سن کر یہ ناامیدی نہ چاہیئے کہ بھلا ہم کو یہ دولت کب میسر ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا واسع ہے اس کو کچھ دشوار نہیں ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست　　با کریماں کارہا دشوار نیست

البتہ ایسے احوال کے حصول کے لئے صحبت شیخ کی ضرورت ہے اور صحبت وہ چیز ہے کہ دیکھو انڈا کیا چیز ہے سفیدی اور زردی کے سوا اس میں کچھ بھی نہ تھا مگر مرغی کے سینے سے اس میں جان آگئی تو کیا صحبت کاملین کی اس سے بھی گئی گذری اور یہ وسوسہ بھی نہ ہو کہ صحبت تو ایسی چیز ضرور ہے مگر خود وہ لوگ کہاں ہیں جن کی صحبت میں یہ برکت ہو سو یقین کے ساتھ سمجھو کہ اب بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس برکت کے موجود ہیں ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشان است　　خم و خمخانہ با مہر و نشان است

دل سے میدان طلب میں آنا چاہیئے۔ نری سوکھی روکھی آرزو سے کام نہیں چلتا صدق طلب ہونی چاہیئے اور کوشش ؎

گرچہ رخنہ نیست در عالم پدید　　خیرہ یوسف وار مے باید دوید

یوسف علیٰ نبینا و علیہ السلام کو کیسا اپنے مولیٰ پر بھروسا تھا کہ باوجود دروازے بند ہونے کے دوڑے اور کوشش کی اللہ تعالیٰ نے دروازے بھی کھولدئے اگر صدق دل سے طلب اور کوشش ہو تو مقصود ملنے کی یقینی امید ہے۔

رجوع بجانب سرخی (دعاء اگر دنیا کے لئے ہو وہ بھی عبادت ہے الخ)

غرض حاصل یہ ہے کہ دعاء کا خلاصہ نیاز مندی ہے اور دعاء خواہ کسی قسم کی ہو دینی ہو یا دنیوی ہو مگر ناجائز امر کے لئے نہ ہو سب عبادت ہے خواہ چھوٹی سی چھوٹی چیز کی ہو یا بڑی چیز کی حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا تعالیٰ سے مانگا کرو۔

اہل اللہ کبھی اظہار عبدیت کے لئے بے صبری کی صورت اختیار کرتے ہیں اور حضرت ایوب علیہ السلام کی شکایت مرض کی ایک لطیف توجیہ

حکایت۔ ایک بزرگ رو رہے تھے کسی نے پوچھا کیوں روتے ہو فرمایا بھوک لگی ہے

اس نے کہا کیا بچے ہو کہ بھوک سے روتے ہو انھوں نے فرمایا کہ جب مولی کی یہی مرضی ہو کہ میں بھوک سے روؤں تو پھر استقلال کیوں اختیار کروں ؎

گر طمع خواہد کہ زمن سلطان دیں | خاک بر فرق قناعت بعد ازیں
نالم ایزانالہا خوش آیدش | از دو عالم نالہ وغم بایدش

بعض اہل لطائف کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ میں مرض کی شکایت کا اظہار کروں تب فرمایا ربّ انی مسنی الضر الخ ورنہ یہ اظہار بے صبری کی وجہ سے نہ تھا اگر بیصبری ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی یوں تعریف نہ فرماتے انا وجدنا صابرا نعم العبد الخ ؎

درنیابد حال پختہ ہیچ خام | پس سخن کوتاہ باید والسلام

کاملین کا مقصود صرف حق تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے کیفیات باطنیہ پر ان کی نظر نہیں ہوتی

غرض ان کاملین کی نظر خدا تعالےٰ کی رضا پر ہوتی ہے اپنا حظ ظاہری یا باطنی کچھ مقصود نہیں ہوتا جس میں خدا تعالیٰ راضی ہوں وہی کرنے لگتے ہیں ؎

گفت معشوقے بعاشق اے فتا | تو بغربت دیدہ بس شہرہا
پس کدامی شہر ازانہا خوشتر است | گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است
ہر کجا یوسف رخ باشد چو ماہ | جنت است اوگرچہ باشد قعر چاہ
با تو دوزخ جنت است اے جانفزا | بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

عاشقوں کی کچھ اور ہی شان ہے۔

ذکر سے اصلی مقصود اور اس سے قصد دنیا کی مذمت خصوص تسخیر کا عدم جواز

حکایت حضرت حافظ محمد ضامن شہید علیہ الرحمۃ کی حکایت ہے فرمایا کرتے کہ ہم تو اس

واسطے ذکر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فاذکرونی اذکرکم یعنی احوال وکیفیات باطنی پر نظر نہ تھی دیکھیے محققین کی تو یہاں تک نگاہ ہے کہ خدا کے نام اور احکام میں کیفیات باطنی تک کا قصد نہ کریں اور افسوس آجکل لوگوں کا یہ حال ہے کہ وظائف تحصیل دنیا کے لئے پڑھتے ہیں کوئی دست غیب تلاش کرتا پھرتا ہے حالانکہ اس میں جواز تک بھی نہیں کیونکہ اس کے ذریعہ سے جو کچھ ملتا ہے وہ حرام ہے کیونکہ جن مسخر ہو جاتے ہیں اور وہ لوگوں کا مال چرا چرا کر عامل کو دیتے ہیں۔ یا اگر اپنا لائیں تب بھی مجبور ہو کر لاتے ہیں۔ ایسا ہی تسخیر قلوب کا حال ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے جو مال دیا جاتا ہے وہ طیب خاطر سے نہیں دیا جاتا مغلوب الرائے و مضطر ہو کر دیتا ہے۔

عملیات کی خرابیاں

اور اگر کسی عمل میں جواز بھی ہو تب بھی ایسے اغراض کیلئے اللہ تعالیٰ کے نام کی بیقدری کرنا اور بھی بے ادبی ہے اور احادیث میں سورہ واقعہ کا پڑھنا وغیرہ آیا ہے وہ دنیا کو معین دنیا بنانے کی غرض سے ہے جو کہ دین ہی ہے۔ کاش یہ لوگ بجائے ان اعمال کے دعا کیا کرتے اگر مقصود حاصل ہو جاتا تو بھی مطلب کا مطلب اور ثواب کا ثواب اور اگر نہ ہوتا تو بھی دعا کا ثواب کہیں گیا ہی نہ تھا۔ مذکورہ بالا خرابیوں کے علاوہ عمل میں ایک اور بھی خرابی ہے کہ دعا سے تو پیدا ہوتی ہے عاجزی اور فروتنی اور عمل سے پیدا ہوتا ہے دعویٰ عامل جانتا ہے کہ بس ہم نے یہ کر دیا اور وہ کر دیا۔

حکایت۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ کا لوگ ذکر کرتے ہیں کہ فرماتے تھے اگر صاحب نسبت عمل کرے تو نسبت سلب ہو جاتی ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ عامل کو خدا پر توکل نہیں رہتا اور عجب پیدا ہو جاتا ہے اور یہ منافی ہے نسبت مع اللہ کے۔

امور اختیاریہ میں بھی دعا کی ضرورت ہے اور اسباب کے موثر ہونے کی حقیقت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کے سرد ہو جانے کے قصہ سے رفع تعجب

دعا صرف امور غیر اختیاریہ کے ساتھ خاص نہیں جیسا عام خیال ہے کہ جو امر اپنے اختیار سے خارج

ہوتا ہے وہاں مجبور ہو کر دعا کرتے ہیں ورنہ تدبیر پر اعتماد ہوتا ہے بلکہ امور اختیاریہ میں بھی دعا کی سخت ضرورت ہے اور ہر چند کہ ان کا وجود اور ترتیب بظاہر تدبیر اور اسباب پر مبنی ہے لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے خود ان اسباب کا جمع ہو جانا واقع میں غیر اختیاری ہے اور اس کا بجز دعا، اور کوئی علاج نہیں۔ مثلاً کھیتی کرنے میں ہل چلانا بیج بونا وغیرہ تو اختیاری ہے مگر کھیتی اگنے کے واسطے جن شرائط اور اسباب کی ضرورت ہے وہ اختیار سے باہر ہیں مثلاً یہ کہ پالا نہ پڑے یا اور کوئی ایسی آفت نہ پڑے جو کھیتی کو اگنے نہ دے اس لئے اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ افرئیتم ما تحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون پھر ان سب کو احتیاج ہے تعلق مشیت خداوندی کی اور صاف ظاہر ہے کہ وہ عباد کے اختیار میں نہیں۔ بس ثابت ہو گیا کہ امور اختیاریہ میں بھی تدبیر اور کسب کے ساتھ دعا کی ضرورت ہے خصوصاً جبکہ اس پر نظر کیجائے کہ ہم جن اسباب کو اسباب سمجھے ہوئے ہیں وہ بھی درحقیقت برائے نام ہی اسباب ہیں ورنہ اصل میں ان میں بھی وصف سببیہ بمعنی تاثیر محل کلام میں ہے بلکہ احتمال ہے کہ عادت اللہ اس طرح جاری ہو کہ ان کے تلبس و اقتران کے بعد حق تعالیٰ اس اثر کو ابتداءً پیدا فرما دیتے ہو اور جب چاہیں اثر مرتب نہ فرمائیں جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعے میں اثر کو پیدا نہ فرمایا تو جو شخص اس راز کو سمجھ گیا وہ کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کے سرد ہونے میں تعجب نہیں کریگا کیونکہ اگر تعجب ہے تو تاثیر کے مسلوب ہونے میں ہے اور اثر پیدا نہ ہونا چنداں عجب نہیں بالجملہ ان اسباب کے تاثیر کی ایسی مثال معلوم ہوتی ہے کہ جیسے سرخ جھنڈی دکھانے سے ریل رک جاتی ہے اب کوئی نادان یہ سمجھے کہ سرخ جھنڈی میں کوئی تاثیر ہے جس سے ریل رک جاتی ہے تو یہ اس کی نادانی ہوگی۔ سرخ جھنڈی سے تو کیا رکتی وہ تو کسی چلانے والے کے روکنے سے رکی ہے۔ سرخ جھنڈی صرف اصطلاحی علامت قرار دی گئی ہے یہی مثال ہے اسباب اور ترتیب اثر کی۔ اصل کام تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہ اسباب و علامات محض عباد کی تسلی و دیگر حکمتوں کے لئے مقرر فرما دئے ہیں ؎

ایں سببہا در نظر ہا پردہا است　　　درحقیقت فاعل ہر شے خدا است
کب فلک کو یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں　　　کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

عارفین اس بات کو سمجھے اور حقیقت حال معلوم کر کے یوں گویا ہوئے ؎

عشق من پیدا و معشوقم نہاں | یار بیروں فتنۂ او در جہاں
کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل | نسیم صبح تیری مہربانی
کار زلف مست مشک افشانی اما عاشقاں | مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند
آب و خاک و باد و آتش بندہ اند | با من و تو مردہ با حق زندہ اند

مثنوی میں اس یہودی بادشاہ کی حکایت ہے جو مسلمانوں کو بتوں کے سجدے پر مجبور کرکے آگ میں ڈلواتا تھا یہاں تک کہ اخیر میں یہ قصہ ہوا کہ وہ آگ میں نہیں جلتے تھے اس پر اس یہودی بادشاہ نے آگ سے مجنونانہ غصہ میں یہ خطاب کیا کہ تجھے کیا ہو گیا تو نہیں جلاتی تو آگ نہیں رہی آگ نے باذن خالقہا جواب دیا ؎

گفت آتش من ہمانم آتشم | اندر آتا تو بہ بینی تابشم

پھر اس گستاخی کا یہ انجام ہوا ؎

بانگ آمد کار تو اس جا رسید | پائے دار لے سگ کہ قہر ما رسید

دیکھیے وہی آگ تھی ایک کو جلایا ایک کو نہ جلایا اس سے یہ بات بہت وضاحت سے ثابت ہو گئی کہ اسباب بھی باختیار حق ہیں جب یہ ہے تو اسباب کے اعتماد پر خالق سے قطع نظر و استغنا کرنا بڑی غلطی ہے۔ غرض امور اختیاریہ ہوں یا غیر اختیاریہ سب میں دعا کی حاجت ثابت ہوئی۔

امور اختیاریہ میں دعا کیساتھ تدبیر بھی کرنی چاہیئے اور مباشرت اسباب کا فائدہ

البتہ امور اختیاریہ میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ تدبیر بھی کیجائے اور دعا بھی یہ نہ ہو کہ بلا تدبیر صرف دعا پر اکتفا کیا جائے مثلاً کوئی شخص اولاد کی تمنا رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اول نکاح کرے اور پھر دعا کرے اور بے نکاح کے اگر یونہی چاہے کہ اولاد ہو جائے تو یہ اس کی نادانی ہے اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کئے ہیں اور ان میں حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں مطلق اسباب کا اس طور پر معطل چھوڑنا افراط و غلو ہے اور ایک گونہ تعلیل ہے حکم الہیہ کی جو کہ سوء ادب اور خلاف عبدیت ہے اور مباشرت

اسباب میں اظہار عبدیت اور افتقار الی اللہ بھی ہے جو کہ اعظم مقاصد سے ہے اس لئے ایسے امور میں مباشرت اسباب اور دعا دونوں کا ہونا ضروری ہے کہ اس میں اعتدال اور تعدیل ہے۔

دعا کے قبول ہونے پر بھروسہ اور یقین ہو تو بشرط عدم عارض خاص ضرور اثر ہوتا ہے گو اسباب ناتمام ہی ہوں

بعض دفعہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی رحمت و عنایات سے نیک بندوں کی عاجزی اور دعا و زاری پر نظر فرما کر محض اپنی قدرت سے تھوڑے سے ناتمام اسباب سے یا بلا اسباب بھی اثر مرتب فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں یہ قصہ موجود ہے کہ ایک نیک بی بی نے تنور میں سوختہ جھونک کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللھم ارزقنا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھا کہ تنور روٹیوں سے پُر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں قوت یقینیہ زیادہ تھی۔ پورا یقین اس کی رزاقی پر تھا۔ چنانچہ اس کا ظہور بلا اسباب ہوا۔ اور یہ حضرات تو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ تھے۔ ابلیس کے یقین اور توقع اجابت دعا کی کیفیت دیکھئے کہ عین غضب اور قہاری کے موقع پر بھی اس کو پورا بھروسہ تھا کہ غضب الٰہی اجابت دعا کیلئے مانع نہیں ان رحمتی سبقت غضبی۔ حالانکہ یہ سوال ایسا بعید ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی خلود اور دوام نہیں عنایت کیا گیا۔ ماجعلنا لبشر من قبلک الخلد مگر شیطان نے رحمت کی وسعت کے بھروسہ پھر اس کی دعا کر دی اور حکم بھی ہو گیا فانک من المنظرین الیٰ یوم الوقت المعلوم۔ دعا کے قبول ہونے پر بھروسہ اور یقین ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے اور یقین ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے بڑے آثار پیدا ہوتے ہیں

حکایت۔ چنانچہ حضرت علاء ابن الحضرمی حضرت صدیق اکبر کی خلافت میں جب غزوہ مرتدین کیلئے بحرین پر گئے اور راستہ میں دریا پڑا تو ساتھیوں نے اس وجہ سے کہ کشتی تیار نہ تھی ٹھہرنے کو کہا فرمانے لگے خلیفہ کا حکم ہے جلدی پہنچنے کا اسلئے میں ٹھہر نہیں سکتا اور یہ کہکر دعا کی کہ اے اللہ جس طرح تو نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے ان کو دریا سے پار کیا اسی طرح آج ہم کو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت

سے پار اتار دے اور دعا کر کے گھوڑا دریا میں ڈالدیا دریا پایاب ہوگیا اور سارا لشکر پار ہوگیا - اور مشہور حکایت ہے کہ ایک مولوی صاحب بسم اللہ کے فضائل میں وعظ فرما رہے تھے کہ بسم اللہ پڑھکر جو کام کریں وہ پورا ہوجاتا ہے - ایک جاہل گنوار نے سنا اور کہا یہ ترکیب تو اچھی ہاتھ آئی ہر روز کشتی کے پیسے دینے پڑتے ہیں بس بسم اللہ پڑھ کر دریا سے پار اتر جایا کرینگے - چنانچہ مدتوں وہ اسی طرح سے آتا جاتا رہا اتفاقاً ایک روز مولوی صاحب کی دعوت کی اور گھر لیجانے کے واسطے ان کو ساتھ لیا راستے میں وہی دریا آملا - مولوی صاحب کشتی کے انتظار میں رکے اس نے کہا مولوی صاحب آئیے کھڑے کیوں رہگئے مولوی صاحب بولے کہ کیسے آؤں اس نے کہا کہ بسم اللہ پڑھکر آجائیے میں تو ہمیشہ بسم اللہ ہی پڑھکر اتر جاتا ہوں مولوی صاحب کی تو ہمت نہ ہوئی مگر اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ ان کو بھی پار اتار دیا - یہ قوت یقینیہ ہی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو آسان کردیا - اسی وجہ سے بعض بزرگ تعویذ دیتے وقت کہدیتے ہیں کہ اس کو کھولنا مت ورنہ اثر نہیں ہوگا - وجہ اس کی یہی ہے کہ کھولنے سے دیکھنے والا وہی معمولی کلمات سمجھ کر ضعیف الیقین ہوجاتا ہے اور اثر نہیں ہوتا - ان مثالوں سے ظاہر ہوگیا کہ تھوڑے بہت اسباب جمع کر کے اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ دعا کیجائے تو اللہ تعالیٰ اس تھوڑے حیلہ میں یقین کی برکت سے سب کچھ دیدیتا ہے اور یہی معنے معلوم ہوتے ہیں واجملوا فی الطلب وتوکلوا علیہ کے کہ تدبیر اور مباشرت اسباب میں اختصار ہو - اجملوا اس کی طرف اشارہ ہے اور نظر تقدیر پر ہو - وتوکلوا علیہ میں اس کی طرف اشارہ ہے -

روزی کا مدار محض تدبیر پر نہیں ہے اور اسکا ایک نہایت بدیہی ثبوت

اور در حقیقت اگر روزی صرف سعی و تدبیر پر ہی موقوف ہوتی تو اکثر آدمی حکمت و تدبیر سے غنا حاصل کر سکتے تھے - مگر غنا اور تمول دیکھا جاتا ہے کہ حکمت اور تدبیر اور سعی پر موقوف نہیں بلکہ بکثرت دیکھا گیا ہے کہ ایک معمولی آدمی جو دو آنے تین آنے کی مختصر مزدوری کیا کرتا تھا چند سال میں وہ لکھ پتی ہوگیا - اگر غنا تدبیر اور سعی سے بلا تقدیر حاصل ہوسکتا ہے تو ہم ایک دوسرا آدمی منتخب کرتے ہیں جو قوت اور ہمت رائے و تدبیر میں اس سے زیادہ

اور مدت بھی اس کے لئے دو ہی تجویز کرتے ہیں اور اس پہلے کو دو آنہ روزانہ ملتے تھے ہم اس کے چار آنہ یومیہ دیتے ہیں اور اس پہلے شخص کا تمام کارنامہ اس کو دے دیتے ہیں پھر ہم دیکھیں گے کہ اس پہلے کے برابر یا اس کے قریب مضاعف مدت میں کما سکتا ہے۔ ہرگز نہیں ترقی کے اسباب اور تدابیر بہت قومیں جانتی ہیں مگر ترقی وہی قومیں کرتی ہیں کہ جن کی تدبیر اور سعی کے ساتھ تقدیر بھی مساعدت کرتی ہے ورنہ ان سے دگنی محنت کرتے ہیں اور افلاس نہیں جاتا۔

اسباب کے بھروسے دعا سے بےفکر نہ ہو جائے اور نہ توکل کر کے اسباب کو بالکل چھوڑ دے

اصل یہ ہے کہ نہ تو نرے اسباب پر مدار ہے بلکہ تقدیر اور مشیت کی موافقت شرط ہے اور نہ یہ کہ کارخانہ اسباب بالکل معطل ہے کہ اس کو چھوڑ کر صرف دعا سے ہی کام لیا جائے افراط اور تفریط دونوں کو چھوڑیں اس طرح سے کہ اسباب کو بھی اختیار کریں کیونکہ اس میں بھی اظہار ہے عبدیت اور افتقار الی اللہ کا اور اسباب کے بھروسہ دعا سے بھی غفلت نہ کی جائے۔ ہم میں بعضے جو متوکل ہوئے تو اس میں بھی غلو کرنے لگے ہیں۔ ہماری بھی وہی خیال ہے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی   تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اس خو کی بدولت بعض اوقات توکل نام ہوتا ہے واقعہ میں تعطل و کم ہمتی کا ؎

چو باز باش کہ صیدے کنی و لقمہ دہی   طفیل خوارہ مشو چوں کلاغ بے پر و بال

توکل کے شرائط و آداب

البتہ اگر اسباب معشیت میں اشتغال مضر اس کے دین کو یا مانع خدمت دین کو ہو اور یہ شخص اس کا اہل ہے اور توکل کی ہمت بھی ہے تو توکل بہتر ہے مثلاً اس کے متعلق تعلیم و تربیت دینی ہو تو اس کو توکل و دینی خدمت سے بہتر کوئی کام نہیں البتہ یہ ضروری بات ہے کہ توکل صرف اللہ پر ہو۔ لوگوں کی ہدایا و تحفہ کی طرف نفس کا اشراف نہ ہو حدیث میں من غیر اشراف نفس کی قید آئی ہے ورنہ وہ توکل علی اللہ نہیں۔ غرض لوگوں کی اموال کی

ناک میں نہ میٹھا ہے اس مقام پر ایک نکتہ سننے کے قابل ہے وہ یہ کہ بعض اوقات اہل کشف کو کشف سے آمد معلوم ہو کر مال کی طرف اشراف نفس پیدا ہو جاتا ہے یا بعض اوقات اموال مشتبہ کی حقیقت ظاہر ہو کر مال حلال ملنا مشکل ہو جاتا ہے سو کشف نہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ عمل یا لسنہ میں مخل نہیں ہوتا۔

حکایت۔ اشراف کے متعلق مالگرام کے ایک بزرگ عالم کا قصہ یاد آیا کہ ان کے خاص شاگرد یا مرید ان کے پاس آئے شیخ کے اضمحلال اور ناتوانی کو دیکھکر انھوں نے جانچ لیا کہ آج فاقہ ہے اس لیئے وہ اٹھے اور کچھ کھانا لیکر حاضر ہوئے اور پیش کیا شیخ نے فرمایا کہ گو یہ پہنچا ہے حاجت کے وقت لیکن مجھکو اس کے قبول کرنے میں ایک عذر ہے اسواسطے کہ جس وقت تم میرے پاس سے اٹھ گئے تھے اس وقت میرے دل میں خیال آیا تھا کہ کھانا لائیں گے کیونکہ میرے دل کا اور اشراف نفس اس کے ساتھ ہو گیا اور ایسی حالت میں ہدیہ لینا خلاف سنت ہے اس لئے اس کے لینے سے معذور ہوں ماشاء اللہ مرید یا شاگرد تھے سمجھدار کہ ذرا اصرار نہیں کیا جیسا کہ بعض کم فہم لوگوں کی عادت ہے کہ بزرگوں سے جھک جھک کیا کرتے ہیں حالانکہ نہایت سوء ادب ہے بلکہ فوراً کھانا لیکر اٹھ گئے اور آدھے رستے سے پھر لوٹ آئے اور وہی کھانا پھر پیش کیا اور عرض کیا کہ حضرت لیجئے اب تو میرے واپس چلے جانے سے اشراف نہیں رہا ہو گا اب قبول فرما لیجئے شیخ نے قبول فرما لیا۔ اور ان کی اس نکتہ رسی اور ذہانت پر آفریں فرمائی۔ آپ نے سنا بزرگان دین نے اشراف سے کس قدر تحرز کیا ہے۔ غرض توکل کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اشراف نہ ہو اور بدون اس کے اگر توکل ہو تو محمود ہے اور جو توکل کے شرائط نہ ہوں تو تدبیر مسنون ہے بالجملہ افراط و تفریط دونوں سے برکنار رہے اور اعتدال اختیار کرے ؎

گر توکل میکنی در کار کن — کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

گفت پیغمبر باآواز بلند — بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

اسباب کا اختیار کرنا توکل فرض کے خلاف نہیں اور اسباب اور توکل کے اجتماع کی توضیح ایک مثال سے

اور جان لینا چاہیئے کہ تدبیر و اسباب کا اختیار کرنا بھی توکل فرض کے خلاف نہیں ہے

اس کی بعینہٖ مثال توکیل کیسی سمجھ لینا چاہیئے مثلاً جب کوئی شخص کسی مقدمہ میں وکیل مقرر کرتا ہے تو کیا وکیل مقرر کرنے کے بعد یہ شخص نکما خالی بیٹھ جاتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ جتنی کوشش اس سے ہوسکتی ہے خود بھی کرتا ہے اور اس کو خلاف توکیل نہیں سمجھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ وکیل کے کرنے کا جو کام ہے وہ کریگا جو مجھ سے کچھ ہوسکتا ہے مجھ کو کرنا چاہیئے اسی طرح تدبیر کرنا اعتدال کے ساتھ توکل کے خلاف نہیں

توکل کے ساتھ ایک درجہ میں اسباب کی رعایت بھی ضروری ہے اور بعض ایسے امور پر تنبیہ جن سے دوسرونکو ایذا ہوتی ہی اور لوگ ان سے بے پروائی کرتے ہیں

بلکہ تدبیر ایسی چیز ہے کہ جو امور محض غیر اختیاری ہیں جن میں تدبیر کو اصلا دخل نہیں محض دعا ہی پر ان کا مدار ہے سنن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی دعا کے ساتھ کچھ صورت تدبیر اختیار کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک قصہ حدیث سے بیان کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوجائیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح توکل اور دعا کو جمع فرمایا اور اس حدیث کے ضمن میں اور بھی فوائد ہیں۔ ایک صحابی جن کا نام مقداد ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر مسافرانہ مقیم تھے اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں بتلادی تھیں کہ ان کا دودھ نکال کر کچھ خود اور رفقہ پی لیا کرو اور کچھ ہمارے لئے رکھدیا کرو۔ اور ان کا اسی طرح معمول تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور کو آنے میں دیر ہوئی تو میں سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کہیں دعوت ہوگئی ہوگی یہ خیال کرکے آپ کا حصہ بھی پی گیا۔ مگر اتفاق سے جب پی چکا اس وقت خیال آیا کہ شاید آپ نے کچھ نہ کھایا ہو اور بے چینی کا یہ حال ہوا کہ کروٹیں بدلتا ہوں اور نیند نہیں آتی اس کشمکش و پیچ میں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی عادت شریفہ آنے کے وقت یہ تھی کہ جب تشریف لاتے اور دیکھتے کہ گھر والے لیٹے ہیں تو بہت آہستہ سے سلام کرتے اس طرح سے کہ اگر حاضرین جاگتے ہوتے تو سن لیتے اور اگر سوتے

ہوتے تو آنکھ نہ کھلتی۔ اسی طرح نسائی میں حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ سے آپ کا شب برات میں بقیع میں جانے کے لئے آہستہ اُٹھنا اور آہستہ سے کواڑ کھولنا سب کام آہستہ سے کرنا تاکہ سونیوالے کو تکلیف نہ ہو آیا ہے سو اسی طرح سلام بھی آہستہ سے فرماتے کہ اگر کوئی جاگتا ہو تو سُن لے اور سوتا ہو تو اس کی نیند میں خلل نہ آئے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعض لوگ دوسرے آدمیوں کی تکلیف کا اصلا خیال نہیں کرتے سوتے آدمیوں میں اُٹھ کر سب کام بے تکلف زور زور سے کرتے ہیں اور اس سے دوسروں کو ایذا ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ امر بھی موجب ایذا ہے کہ مشغول کار آدمی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے اس کے ضروری کام میں حرج بھی ہوتا ہے اور پریشانی بھی

آجکل محض لفظ پرستی رہ گئی ہے آداب و اخلاق کی حقیقت سے اہل علم بھی بے خبر ہیں

حضرات ہماری سبھی حالتیں بگڑ رہی ہیں۔ ہر چیز میں افراط و تفریط ہو رہی ہے اور عوام کی کیا شکایت کریں انصاف یہ ہے کہ آداب کو بعض اہل علم تک نہیں جانتے۔ محض لفظ پرستی رہ گئی ہے ع

مولوی گشتی و آگاہ نیستی　　　　خود کجا و از کجا و کیستی

اس لفظ پرستی پر ایک مثال یاد آئی ایک شخص کا انتقال ہوا موت کے قریب بیٹے کو وصیت کی کہ جو کوئی میری تعزیت کو آئے اس کو اونچی جگہ بٹھانا۔ اور نرم اور شیریں باتیں کرنا اور بھاری کپڑے پہنکر اس سے ملنا اور قیمتی کھانا کھلانا۔ اب صاحبزادے کی سنئے کہ ایک صاحب اُن کے والد کے دوست تعزیت کو آئے آپ نے فوراً نوکروں کو حکم دیا کہ ان کو مچان پر بٹھا دو وہ آئے اور مجرموں کی طرح سے ان کو زبردستی پکڑ کر مچان پر بٹھا دیا۔ اب وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کیا معاملہ ہے نوکر کہتے ہیں کہ آقا کا یہی حکم ہے۔ اب آقا صاحب تشریف لائے تو اس انداز سے کہ جاجم دری۔ قالین میں لپٹے ہوئے ایک عجب تغلول کیسی شکل بنے ہوئے ہیں۔ آخر مہمان نے کچھ تعزیت میں کہا کہ تو جواب میں فرماتے ہیں گڑ۔ انھوں نے کچھ اور کہا تو جواب ملتا ہے روئی۔ مہمان بیچارہ دنگ ہے۔ غرض کھانے کا وقت آیا گوشت گلا نہ تھا

مہمان نے کہیں اس کا شکوہ کیا تو آپ تیز ہو کر کہتے ہیں واہ صاحب میں نے آپ کے لئے پچاس روپے کا کتا کاٹ ڈالا اور آپ کو پسند نہیں آیا۔ اب مہمان اور بھی پریشان ہے آخر تحقیق کیا تو انھوں نے بیان کیا کہ ابا جان نے وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد اگر کوئی شخص تعزیت کے واسطے تمہارے پاس آئے تو اس کو اونچی جگہ بٹھانا۔ اس واسطے میں نے مچان پر بٹھایا کہ سب سے اونچی جگہ یہی تھی۔ اور یہ کہا تھا کہ بھاری کپڑے پہن کر ان سے ملنا تو اس دری قالین سے بھاری کوئی کپڑا نہ تھا۔ تیسرے یہ کہا تھا کہ نرم اور میٹھی باتیں کرنا تو گڑ اور روئی سے زیادہ نرم اور میٹھی چیز مجھکو نہ معلوم ہوئی اور وصیت کی تھی کہ قیمتی کھانا کھلانا تو اس کتے سے زیادہ کوئی جانور قیمتی ہمارے گھر نہ تھا۔ مہمان لعنت بھیجکر وہاں سے رخصت ہوا۔ پس یہی حالت ہماری ہے کہ الفاظ یاد کر لئے ہیں اور حقیقت آداب و اخلاق اعمال کی نہیں سمجھے۔ چنانچہ ہم نے اخلاق نام صرف چاپلوسی اور خوشامد اور میٹھی باتیں کرنے کا رکھ لیا ہے۔ سو حقیقت میں اخلاق کو نفاق سے بدل دیا ہے۔ اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ ہے کسی کو کسی قسم کی ایذا ظاہری و باطنی یا حضور یا غیبت میں نہ پہونچے۔ ہم نے یہ سمجھا کہ اخلاق ظاہر داری کا نام ہے گو اس سے ایذا ہی پہونچے۔ اس کی کچھ پرواہ نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفقت اور رعایت کہ سلام بھی کرتے ہیں تو اس طرح سے کہ کوئی بےچین نہ ہو۔

رجوع بجانب سرخی (توکل کے ساتھ ایک درجہ میں اسباب کی بھی رعایت ضروری ہے)

غرض آنحضرت عشا کے بعد تشریف لائے اور حسب معمول سلام کر کے برتنوں کی طرف چلے اور وہ صحابی جو دودھ پی کر لیٹ گئے تھے یہ سب دیکھ رہے ہیں آپ کو اس میں دودھ نہ ملا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بھوک لگی ہوئی تھی اور طعام کی حاجت تھی آپ نے حسب معمول کچھ نفلیں پڑھیں اور یوں دعا فرمائی۔ اللھم اطعم من اطعمنے دیکھئے یہ امر قابل غور ہے کہ اس دعا میں آپ نے توکل کے ساتھ اسباب کی کس لطیف طور پر رعایت فرمائی کہ یہ ظاہر کر دیا کہ کھانا اکثر اس طرح ملتا ہے کہ کوئی شخص ظاہر میں لے آئے

ورنہ یہ بھی تو دعا فرما سکتے تھے کہ اے اللہ آسمان سے مائدہ یا رزق بھیج مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توکل اور تدبیر کو کس لطیف طریق پر جمع فرمایا جیسا مذکور ہوا تتمہ قصہ کا یہ ہے کہ اس دعا کے سننے کے بعد وہ صحابی اُٹھے چونکہ ان کو یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی ہوگی اسلئے گو بکریوں کا دودھ دوہ چکے تھے مگر پھر برتن لیکر بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بکریوں نے اس قدر دودھ دیا کہ برتن بھر گیا۔ اس برتن کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ غرض اس قصہ کے بیان سے یہ تھی کہ دیکھنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا و توکل کے ساتھ اسباب کی رعایت کس طور پر فرمائی۔ پس معلوم ہوا کہ نہ دعا کے بھروسے اسباب کو چھوڑ دے اور نہ اسباب میں ایسا انہماک ہو کہ مسبب الاسباب پر نظر نہ رہے اعتدال اصل طریقہ نبویہ ہے اور یہ بدون تحصیل تبحر و علوم دین کے حاصل ہونا مشکل ہے کوئی آسان کام نہیں جو ہر ایک دعویٰ کرنے لگے ؎

بر کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

آنحضرت کے افعال سے تو یہاں تک اس اعتدال کا پتہ چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل بطور خرق عادت ظہور میں آتے ہیں ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رضؓ کی دعوت کا قصہ جو جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اس کا شاہد ہے۔ آنحضرت نے ان کو فرمایا تھا کہ ہانڈی چولھے سے مت اُتارنا پھر اس میں آکر آب دہن ملا دیا اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہوگئی۔ اس طرح حدیث میں اور بھی معجزات کے قصے ہیں۔ کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ خرق عادت میں تھوڑی سی رعایت اسباب کی کیگئی۔ مثلاً چولھے پر ہانڈی اور توے کا رکھا رہنا اور ڈھک دینا وغیرہ کی صورت اسباب کو حجاب بنایا گیا۔ ورنہ ایسے بھی کھانا بڑھ سکتا تھا۔

اسباب کے اندر منہمک ہونا سبب ہے ترک دعا کا

یہ آداب ہیں توکل اور تدبیر کے سید المرسلین سے ان کو سیکھنا چاہیئے ان سے غافل رہنا بعض اوقات سبب ہو جاتا ہے۔ انہماک فی الاسباب کا جو ایک سبب ہے ترک دعا کا

جس کا حاصل ہے اسباب میں انہماک اور مسبب الاسباب پر نظر رکھنا اور عقیدت کی کمزوری

یہ خیال کہ ہم دعاء کے قابل نہیں ہم کیا دعا کریں در حقیقت شیطانی وسوسے اور بعض احوال باطنہ کا ایک دوسرے کے ساتھ مشتبہ ہونا اور ہماری عبادت کی حقیقت

اب ایک دوسرا سبب دعا نہ کرنے کا سنئے وہ یہ کہ عقیدہ تو دعاء کا ہے مگر یہ خیال ہو جاتا ہے کہ ہم دعاء کے قابل نہیں ہم کیا دعا کریں اور در حقیقت یہ بھی شیطان کا ایک وسوسہ ہے۔ جو ان لوگوں کے دلوں میں تواضع کے رنگ میں ڈالا گیا ہے۔ در حقیقت بعض احوال باطنہ کچھ اس قسم کے ظاہراً مشتبہ معلوم ہوا کرتے ہیں کہ ان کو بھلا یا برا قرار دینے میں بڑی فہم و دقت نظر آگاہی شرع شریف کی سخت ضرورت پڑتی ہے چنانچہ آیت مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان میں اہل لطائف اس طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں چنانچہ اس مقام پر دوامر میں التباس ہو جاتا ہے۔ ایک تو تواضع اور حیا اس کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتے ہوئے بھی اس کا خیال رہے اپنی عبدیت اور خدائے تعالیٰ سے شرم کرنا ملحوظ رہے۔ ورنہ اگر صرف دعا کیوقت تو تواضع کے خیال سے دعاء نہ کیجائے۔ اور گناہ کرتے وقت بیباک اور نڈر ہو جائیں۔ تو یہ در حقیقت تواضع نہیں ہے۔ بلکہ کم ہمتی اور سستی ہے۔ شیطان نے برکات دعاء سے محروم کرنے کے واسطے ایک حیلہ سکھا دیا ہے لہذا اس کا وسوسہ بھی دل میں نہ لانا چاہیئے اور دعاء بڑے اہتمام سے کرنی چاہیئے کہ وہ خالی نہیں جاتی اور کچھ نہ ہو یہ کیا کم ہے کہ آخرت کیلئے اس کا اجر جمع رہیگا۔ اور اہل حال کے جو اقوال ہیں مثلاً ؎

احب مناجات الحبیب باوجہ | ولکن لسان المذنبین کلیل

سو وہ غلبہ حال کے ہیں جس میں وہ معذور ہیں مگر قابل تقلید نہیں۔ الحاصل حیا و تواضع میں رضائے خداوندی پیش نظر ہوتی ہے اور یہ نہ ہو تو کم ہمتی ہے۔ ان باتوں میں فرق کرنے

کے واسطے بڑی ضرورت ہے علم شریعت کی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص لاصلوٰۃ الابحضور القلب میں بھی یہی حیلہ جو دعا میں کیا ہے نکال لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز چھوڑ بیٹھے گا لہٰذا ایسے وساوس ناقابل اعتبار ہیں جو کچھ جیسا کچھ ہو سکے کرنا چاہیئے۔ بھلا بُرا جو کچھ بھی ہو خدا کے دروازے پر آنا چاہیئے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ۔۔۔ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ۔۔۔ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ایسا شخص ایک غلطی تو یہ کرتا ہے کہ کم ہمتی سے عبادت اور طاعت اور دعا کی طرف نہیں آتا اور دوسری غلطی یہ کرتا ہے کہ اپنی نسبت گمان کرتا ہے کہ میں کسی وقت پاک صاف ہو کر حق عبادت ادا کر سکتا ہوں اور ایسے وقت عبادت کروں گا اور جو عبادت کر رہا ہے گویا بزبان حال اس کا حق ادا کرنے کا مدعی ہے اور یہ بھاری غلطی ہے انسان کبھی پورا پاک نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے قابل بننا اور اس کا حق عبادت کرنا کیا اس سے ممکن ہے ع وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

خود ثنا گفتن زمن ترک ثناست ۔۔۔ کایں دلیل ہستی و ہستی خطاست

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ اس معنے میں کہ ہم آپ کی ثنا نہیں کر سکتے فرماتے ہیں ؎

خدا در انتظار حمد ما نیست ۔۔۔ محمد چشم بر راہ ثنا نیست
خدا مدح آفریں مصطفیٰ بس ۔۔۔ محمد حامد حمد خدا بس
مناجاتے اگر خواہی بیاں کرد ۔۔۔ بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد
محمد از تو مے خواہم خدا را ۔۔۔ الٰہی از تو حب مصطفیٰ را

اسے پاک سمجھنے کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں لا تزکوا انفسکم الخ ہم اور ہماری عبادت تو ایسی ہے کہ یہی غنیمت ہے کہ اس پر مواخذہ نہ ہو کیونکہ ہماری ثنا ایسی ہے جیسا مولٰنا فرماتے ہیں ؎

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست ۔۔۔ ایں نہ مدح است او مگر آگاہ نیست

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ | وز گرانجانی و چالاکی ہمہ
من نگردم پاک از تسبیح شاں | پاک ہم ایشاں شوند و درفشاں

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ - حالانکہ عصمت انبیا ایک مسلّم مسئلہ ہے۔ پھر یہ استغفار گویا اپنی حالت عبادت کو کمال خداوندی کے مقابلہ میں ناتمام دیکھکر ہوتا تھا۔ یعنی اپنی عبادت وحمد وثنا کو غیر قابل قرب خداوندی سمجھ کر استغفار کر رہے ہیں۔ یہ حالت ہے اکابر مقبولین کی کہ بایں ہمہ علو مرتبہ بمقابلہ کمال حقوق خداوندی اپنے آپ کو محض ہیچ سمجھ رہے ہیں اور یہ نہیں کہ وہ واقع میں کمال ووصال سے خالی ہیں بلکہ ؎

دل آرام در بر دل آرام جو | لب از تشنگی خشک بر طرف جو
نگویم کہ بر آب قادر نیند | کہ بر ساحل نیل مستسقی اند ؎
داماں نگہ تنگ گل حسن تو بسیار | گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

جب خواص کی یہ کیفیت ہے تو ہم عوام کس شمار میں ہیں۔ ہم پر یہ ان کی عنایت ہے۔ کہ باوجودی بداعمالی خراب حالی جاننے کے پھر ہم کو اپنی طاعت وحمد وثنا دعاء والتجا کی رخصت دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ کرد اگر وہ باوجود علم کے ہم سے کھوٹے مال اور ناقص عبادت کو قبول کرتے ہیں تو پھر بندہ کو کس قسم کا عذر پیش کرنا گو وہ عذر ناقابلیت ہی کا ہو کس درجہ حماقت ہے ؎

چو طمع خواہد ز تو سلطان دین | خاک بر فرق قناعت بعد ازیں
ایں قبول ذکر تو از رحمت است | چو نماز مستحاضہ رخصت است

یہ دوسرا سبب تھا دعاء کے نہ کرنے کا یعنی اپنے آپ کو دعاء کے قابل نہ سمجھنا جس کی اصلاح پوری طور سے کردی گئی۔

اس خیال کی تردید کہ دعا قبول تو ہوتی ہی نہیں پھر دعا کیا کریں

اب تیسرا سبب بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ بعضے یہ سمجھ کر دعا نہیں کرتے کہ قبول تو ہوتی ہی نہیں پھر دعاء سے کیا فائدہ۔ سو خود بھی سمجھنا غلط ہے۔ کہ خداوند تعالی دعا قبول نہیں کرتے۔ واقع میں موانع قبول دعا، خود اپنی ذات میں ہوتے ہیں مثلاً دل سے خشوع وخضوع

کے ساتھ جو درج ہے دعار کی دعاء نہ کرنا محض زبان سے کہدینا۔ حدیث میں ہے ان اللہ لا یستجیب الدعاء من قلب لاہ سو یہ قصور اپنا ہے ورنہ وہ ذات تو سب پر مہربان اور اس کا فیض سب پر محیط ہے اپنے میں قابلیت نہ ہو تو اس کا کیا علاج ؎

اُس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر ۔ تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے ؎

توبہ برلب سبحہ برکف دل پر از ذوق گناہ ۔ عصیت را خندہ مے آید بر استغفار ما

اور مثلاً گناہ کی بات کی دعاء کرنا حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔ جب تک گناہ اور قطعیہ رحم کی دعا نہ ہو سو بعض دفعہ اکثر دعائیں گناہ کی ہوتی ہے اب ان کا قبول نہ کرنا ہی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے مثلاً موروثی زمین کے جھگڑے میں مالکانہ قبضہ کی دعاء خود گناہ ہے۔ ایسے ہی بعض لوگ بزرگوں سے دعا کراتے ہیں کہ ہمارا لڑکا فلاں امتحان میں پاس ہو جائے اس کو ڈپٹی کلکٹری۔ تحصیلداری مل جائے سو یہ دعا ہی سرے سے ناجائز ہے کیونکہ حکومت کی اکثر ملازمتیں خلاف شرع ہیں۔

مشائخ کے اپنے بعض متعلقین کی ناجائز ملازمتیں نہ چھڑانیکی وجہ

اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بزرگوں کے متعلقین بعض ڈپٹی کلکٹری تحصیلداری وغیرہ حکومت کے عہدوں پر ہوتے ہیں سو اگر یہ نوکری ناجائز ہے تو وہ بزرگ ان کو کیوں نہیں روکتے جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ ہیں تو یہ نوکریاں ناجائز مگر جو لوگ اس میں مبتلا ہیں اور ان کے روزگار کی صورت بجز اس کے اور کچھ ہے نہیں اگر ان کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے گا اور وہ نوکری چھوڑ دیں گے تو بوجہ عدم سبیل معاش وہ اس سے زیادہ کسی گناہ میں مبتلا ہوں گے۔ سو در حقیقت ان کو اجازت نہیں دیجاتی۔ بلکہ اور بہت سے بڑے بڑے گناہوں سے بچا کر ایک چھوٹے گناہ پر رکھا جاتا ہے۔

مشائخ اور علماء کو چاہیئے کہ ناجائز مقدمات اور امور ممنوعہ کے واسطے دعا کرنے میں احتیاط کریں

اور ایسی دعاء میں خود مشائخ اور علماء کو احتیاط کرنی چاہیئے کہ ایسے ناجائز مقدمات اور امور ممنوعہ کے واسطے دعاء نہ کیا کریں کیونکہ گناہ ہوگا۔ اور صاحب حاجت تو صاحب الغرض مجنوں ہوتا ہے اس پر اعتبار اور بھروسہ نہیں چاہیئے۔ اور اگر ایسا ہی کسی کی دل شکنی وغیرہ کا خیال ہو تو یوں دعا کریں کہ یاالٰہی جس کا حق ہو اس کو دلوائیے۔ باقی ایسی ناجائز دعاء نہ اپنے لئے کرے نہ غیر کیلئے ناجائز امور کی دعاء یا دعاء کا غافل دل سے کرنا منجملہ ان موانع کے ہے جن کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی۔

بعض مرتبہ حق تعالیٰ بندہ کی آرزو اس لئے پوری نہیں کرتے کہ وہ اس کیلئے بہتر نہیں ہوتی اور اس پر ایک حکایت

اور اگر موانع بھی مرتفع ہو جائیں تو بعض دفعہ اس وجہ سے قبول نہیں ہوتی کہ درحقیقت وہ دعاء اس کے لئے بہتر نہیں ہوتی۔ اور خلاف حکمت ہوتی ہے۔ اس لئے ترحماً قبول نہیں فرماتے اس کی ایسی ہی مثال کیجئے جیسے بچہ انگارے کو اچھا سمجھ کر منہ میں ڈالنے لگے۔ تو شفیق ماں باپ اس کو منع کرتے اور اس کے ہاتھ سے چھین لیتے ہیں ؎

آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند ۔۔۔ اُو مصلحت تو از تو بہتر داند

حکایت: چنانچہ حکایت ہے کہ کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ دعا کرائی تھی کہ کل کی بات معلوم ہو جایا کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نصیحت کی کہ اس کو جانے دے اس نے نصیحت نہ مانی اور اصرار کیا انھوں نے دعا کردی اور وہ قبول ہوگئی اس کو معلوم ہوا کہ کل کو میرا گھوڑا مر جائیگا۔ اس نے فوراً بازار میں جاکر بیچ ڈالا اور خوش ہوا۔ پھر معلوم ہوا کہ کل کو میں مر جاؤنگا۔ بہت پریشان ہوا اور موسیٰ علیہ السلام سے جاکر عرض کیا کہ کیا کروں وحی آئی کہ اس سے کہدو کہ تجھکو اس کشف راز سے منع کیا گیا تھا تو نے نہ مانا۔ آخر تو نے دیکھا کہ اصل یہ ہے کہ تیرے گھر پر ایک بلا آنے والی ہے ہم نے چاہا جانور پر پڑ جائے تو نے اسکو جدا کردیا۔ ہم نے چاہا کہ غلام پر پڑ جائے تو نے اس کو بھی جدا کردیا۔ اب تو ہی رہ گیا۔ اگر تجھ کو پہلے سے آئندہ کی خبر نہ ہوا کرتی تو گھوڑا اور غلام کیوں بیچا جاتا۔ اور تو معرض ہلاکت میں کیوں پڑتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بعض مصلحت انسان نہیں سمجھتا۔ تو اس معلوم ہونے پر

اس کو بہت پریشانی اٹھانی پڑی تھی

ذاکرین کو چاہیئے کہ اپنی خواہش سے کسی حالت کی تمنا طلب نکریں بلکہ جو حالت غیر اختیاری اللہ تعالیٰ وارد فرمائیں اسی کو بہتر جانیں

یہاں سے ذاکرین شاغلین کے واسطے یہی نصیحت نکلتی ہے کہ جو حالت غیر اختیاری اللہ تعالیٰ وارد فرمائیں اسی کو اپنے لئے بہتر جانیں۔ اور اپنی خواہش سے کسی پسندیدہ حالت کی تمنا نہ کریں ۵

بدر دو صاف ترا حکم نیست دم در کش   کہ ہر چہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

مجاہدے سے کسی خاص حالت کا مقصد ٹھیک نہیں ۵

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن   کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

ہر حالت جو اس کی طرف سے آئے وہی مناسب ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذوق و شوق و انبساط باعث عجب ہو جاتا ہے تو مربی حقیقی اس کا علاج اس طرح فرماتے ہیں کہ حزن و ملال اور انقباض کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں۔ جس سے تواضع و انکسار پیدا ہوتا ہے۔ الغرض اپنے لئے کوئی فکر اپنی خواہش دلپسند پر نہ کرنا چاہیئے ۵

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست   کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

بعض لوگ ذکر و شغل کرتے ہیں اور کسی خاص حالت اور ثمرہ کے حاصل نہ ہونے پر جس کو غلط فہمی سے انھوں نے مقصود سمجھ رکھا ہے غمگین ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔ یہ لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں اصل مقصود رضائے حق ہے۔ جس کا طریق ذکر و طاعت ہے۔ جس کو یہ حاصل ہے سب کچھ حاصل ہے تو ان کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے۔ کہ ان کو ذکر و طاعت کی توفیق تو دی ہے ع   بلا بودے اگر ایں ہم نبودے۔

حقیقت میں یہ طلب اور درد و غم بھی نعمت عظمیٰ ہے جس کا شکر کرنا چاہیئے ۵

گفت آں اللہ تو لبیک ماست   ویں نیاز و سوز و درد ت پیک ماست

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب ارشاد

حکایت اگر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے کوئی خادم اس امر کی شکایت کرتا تو فرماتے

کہ خدا کا شکر کرو کہ اس نے اپنا نام لینے کی توفیق تو دی ہے۔ اور اس موقعہ پر اکثر یہ شعر فرمایا کرتے ؎

یابم اوراںنیابم جستجوئے میکنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

اور فرمایا کرتے کہ جس طاعت کے بعد پھر اس طاعت کی توفیق ہو یہ طاعت سابقہ کے قبول کی علامت ہے تو قبول کتنی بڑی نعمت ہے۔

عشاق کی نظر کسی قسم کے قبول پر نہیں ہوتی

غرض قبول اسی میں منحصر نہیں کہ اس کی خواہش کے موافق ہو اور عشاق کی نظر تو کسی قسم کے قبول پر ہی نہیں ہوتی ان کی حالت تو یہ ہے ؎

از دعا نبود مراد عاشقاں
جز سخن گفتن بآں شیریں زباں

عاشقان خدا کو عشق میں مجنوں سے تو کم نہ ہونا چاہیئے۔ کیا اس کے نام کی مشق کچھ کم دولت ہے جو اور چیزوں کی تمنا کی جاتی ہے ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد
در بیاباں غمش بنشستہ فرد

ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم
می نمودی بہر کس نامہ رقم

گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں
مے نویسی نامہ بہر کیست ایں

گفت مشق نام لیلےٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می دہم

کبھی قبولیت دعا کی اس طرح ہوتی ہے کہ اس کا اجر آخرت کے لئے ذخیرہ کیا جاتا ہے

اور علاوہ اس کے کہ وہ دعا ان کی مصلحت کے مناسب نہ ہو کبھی یہ بھی ہوتا ہے اس کا اجر آخرت کیلئے ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ سو تعجب ہے کہ مومن ذخیرۂ آخرت پر قناعت نہ کرے متاع دنیا کے حاصل نہ ہونے پر افسوس کرے۔ مومن کامل تو نعمت اخرویہ کے روبرو نبوی سلطنت تک کو گرد سمجھتے ہیں۔

حکایت ایک دفعہ سلطان سنجر شاہ ملک نیمروز نے حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رح

رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو میں ملک نیمروز آپ کو ہدیہ کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں حضرتؒ نے یہ دو شعر تحریر فرمائے ؎

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد | در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبراز ملک نیم شب | من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

دعاء، رضاء بالقضا کے خلاف نہیں

بعض لوگوں کو شاید یہ شبہ ہو کہ دعاء رضاء بالقضا کے خلاف ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ دعاء اور رضاء دونوں جمع ہو سکتے ہیں اس طور پر کہ عین دعاء کے وقت یہ قصد ہے کہ اگر دعاء کے موافق ہو گیا تو یہی قضا ہے اس پر راضی ہونگے۔ اور اگر اس کے خلاف ہوا تو وہی قضا ہے اس پر راضی ہونگے۔ اور چونکہ دعاء بھی مامور بہ ہے اس لئے وہ بھی داخل قضا ہے۔

مغلوب الحال خود معذور ہوتا ہے لیکن دوسرے کو اس کی تقلید جائز نہیں اور حضرت شاہ فخر دھلوی کی حکایت کی ایک عجیب توجیہ

اور اکثر بزرگوں سے غلبۂ حال میں اس قسم کی باتیں ہوا کرتی ہیں کہ جن کی نہ تقلید درست ہے نہ ان کی باتوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور نہ ان پر انکار درست ہے وہ معذور ہیں۔

حکایت چنانچہ شاہ فخر دہلوی رحؒ ایک روز جمعہ کی نماز پڑھکر مسجد سے باہر نکلتے تھے کہ سیڑھیوں پر ایک بڑھیا نے شربت کا پیالہ پیش کیا اور کہا بیٹا اس کو پی لو شاہ صاحب روزے سے تھے۔ روزے کا کچھ خیال نہ کیا اور شربت پی لیا۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ فرمایا کہ روزے کی تلافی قضا سے ہو سکتی ہے مگر دل شکنی کی تلافی نہیں ہو سکتی اس واسطے میں نے پی لیا۔ ہمارے حاجی صاحب علیہ الرحمۃ نے اس قصہ کے متعلق فرمایا کہ شاہ صاحب پر اس وقت غلبۂ حال میں قلب کی فضیلت منکشف اور روزے کی فضیلت مستور تھی اس واسطے ایسا کیا اگر کوئی صاحب تمکین اور اپنی حالت پر غالب ہوتا تو وہ یوں کرتا کہ نرمی سے اس کا جواب دیکر اس کو بھی راضی رکھتا اور روزہ بھی نہ توڑتا مغلوب الحال

کی تقلید کسی دوسرے کو جائز نہیں اس کے واسطے خود شریعت کے صاف اور کھلے ہوئے احکام موجود ہیں جن میں کوئی کھٹکا نہیں۔ فی طلعۃ الشمس ما یغنیك عن الرحال۔

طریق سلوک عوام اور خواص دونوں کیلئے ہے اور اس کا بیان

کہ مسلمان دنیا دار نہیں ہوتا

یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ عوام یہ نہ سمجھیں کہ طریق سلوک خواص کے لئے ہے۔ ہم دنیا داروں کے لئے نہیں سو بات یہ ہے کہ سرے سے یہ تقسیم ہی صحیح نہیں کہ دنیا داروں کے لئے اور احکام اور دینداروں کیلئے اور احکام کیونکہ مسلمان ہونیکی حیثیت سے سب برابر ہیں اور احکام شرعی سب کے ساتھ یکساں متعلق ہیں۔ بلکہ حقیقت میں مسلمان دنیا دار ہوتا ہی نہیں کیونکہ دنیا داری حقیقت میں یہ ہے کہ حرام وحلال میں کچھ امتیاز نہ رہے جس طرح سے بنے مال حاصل کرنے کو مقصود سمجھے۔ اگر کہیں دونوں غرضیں دین دنیا کی جمع ہو جائیں تو دنیوی غرض کو مقدم رکھا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ دین سے ہم کو کوئی غرض نہیں کیونکہ شریعت کے احکام اس قدر دشوار ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل کریں تو دنیا کی زندگی مشکل ہے سو ظاہر ہے کہ اسلام کے ساتھ ان خیالات کی گنجائش کہاں ہے کیونکہ اس سے تو باری تعالیٰ کی تکذیب کی نوبت پہونچتی ہے۔ یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعہا۔

شریعت کے اندر تنگی ہونیکا شبہ اور اس کا جواب

اور اگر یہ عذر کیا جائے کہ ہم تکذیب نہیں کرتے۔ مگر جب واقعات ہی روزمرہ اس امر کی شہادت دے رہے ہیں۔ کہ احکام شرعیہ پر چلنا بہت مشکل ہے تو ہمارا کیا قصور ہے اس اشتباہ کا جواب یہ ہے کہ ایک مشقت تو ہوتی ہے ذات حکم میں مثلاً وہ حکم فی حد ذاتہ سخت اور دشوار ہو یہ اصرار واغلال کہلاتے ہیں۔ امم سابقہ میں بعضے ایسے احکام تھے مگر اس امت میں اس قسم کے احکام نہیں رکھے گئے اور ایک مشقت یہ ہے کہ در اصل ذات حکم میں تو کوئی دشواری نہیں مگر ہم نے اپنے اغراض فاسدہ کی وجہ سے خود

اپنی حالت ایسی بگاڑلی اور قوم نے متفق ہو کر شریعت کے خلاف عادتیں اختیار کرلیں کہ وہ رسم عام ہوگئی اور ظاہر ہے کہ جب اس رسم عام کے خلاف کوئی حکم شرعی پر چلنا چاہیگا تو ضرور اس کو اس آسان اور بے ضرر حکم میں دشواری پیدا ہوگی اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی طبیب کسی مرض کو دو پیسے کا نسخہ لکھدے مگر مریض چونکہ ایسے گاؤں میں رہتا ہے کہ جہاں کے لوگوں کی نادانی کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ وہ لوگ اس قسم کی ضروری اور مفید چیزوں کی رغبت نہیں رکھتے ۔ وہ چیزیں وہاں نہیں آئیں اور نہیں مل سکتیں۔ اس دو پیسے کے نسخہ کو وہاں نہیں پی سکتا۔ اب فی نفسہ نسخہ گراں نہیں کمیاب نہیں مگر اس گاؤں والوں نے خود اپنا دستور بگاڑ رکھا ہے ۔ اس واسطے وہاں نہیں مل سکتا۔ اس صورت میں ہر عاقل یہی کہیگا کہ علاج بالکل آسان ہے مگر یہ قصور اس جگہ کے رہنے والوں کا ہے کہ ایسی معمولی چیزیں بھی نہیں مل سکتیں۔ ایسا ہی ہمارا حال ہے کہ مجموعۂ قوم نے ملکر ایسی حالت بگاڑ دی ہے کہ اب احکام شرعیہ کے بجالانے میں دشواری پیدا ہوگئی ہے مثلاً بہانہ کیا جاتا ہے کہ تنخواہ کم ہے بھلا اگر رشوت نہ لیں تو کام کیسے چلے اگر اپنے اخراجات اندازہ سے رکھے جائیں تو تنخواہ کیوں نہ کفالت کرے یا مثلاً عام طور پر بیر۔ آم کی بیع پھل آنے سے پہلے کی جاتی ہے ۔ اور اگر ایک بچنا چاہے تو ضرور کسی قدر دقت پیش آتی ہے۔ لیکن اگر سب اتفاق کرلیں کہ اس طرح سے کوئی خرید و فروخت نہ کرے تو دیکھیں پھر کیا دشواری پیش آتی ہے دشواری حقیقی تو وہ ہے کہ اگر سب ملکر بھی اس کو دور کرنا چاہیں جب بھی دور نہ ہو سکے اور جو سب ملکر اس مذموم رسم اور طریق کو چھوڑنا چاہیں اور وہ چھوٹ جائے تو یہ دشوار نہیں آسان ہے یہ عارضی دشواری تو صرف اپنا طرز معاشرت بگاڑ دینے اور طریق تعامل کو خراب کر دینے سے پیدا ہوگئی ہے۔ سو یہ تنگی خود اپنے اوپر تنگی ڈال لینے سے ہوئی تعجب ہے کہ خود اپنی تنگی کو نہ دیکھیں۔ شریعت پر تنگی کا الزام دیں ۔ جیسا کہ اس شیر نے جس کا قصہ مثنوی میں ہے خرگوش کے بہکانے سے اپنا عکس دیکھا اور اس کو دوسرا شیر سمجھ کر اس پر حملہ کرنے کو کوئیں میں کود پڑا۔ در اصل وہ خود اپنے اوپر حملہ کر رہا تھا۔ ایسے ہی ہم اپنے عیب کو آئینہ شریعت میں دیکھ رہے ہیں اور نا سمجھی سے اس کو شریعت کی تنگی بتا رہے ہیں سو یہ درحقیقت شریعت پر حملہ نہ ہوا بلکہ خود اپنی ذات پر حملہ کر رہے ہیں ؎

حملہ برخود می کنی اے سادہ مرد ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

ہماری تنگی کا یہی قصہ ہے۔

رشوت لینے کا عذر اور اس کا جواب

بعض لوگ عذر کرتے ہیں کہ ہم ناجائز معاملات رشوت ستانی وغیرہ ضرورت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ لوگ جس کو ضرورت کہتے ہیں وہ ضرورت ہی نہیں بلکہ محض حظوظ نفسانیہ ہیں جن کا نام ضرورت رکھدیا ہے مثلاً کسی کی نوکری کے پیسے میں اتنی گنجایش ہے کہ معمولی درمیانی قیمت کے کپڑے پہن سکتا ہے مگر بیش قیمت زرق برق کپڑے بنانے کی گنجائش نہیں اس صورت میں عقلمند آدمی کبھی بھی ایسے گراں قدر کپڑوں کی ضرورت تسلیم نہیں کر سکتا۔ کہ جس ضرورت کیواسطے رشوت وغیرہ لینا پڑے۔ اور اگر اس پر بھی کچھ تنگی ہو تو آخر صبر کی تعلیم اسی حالت کے لئے ہے اور جو مرتبہ صبر سے گذر جائے تو ایسے لوگوں کی امداد کیواسطے شریعت نے خاص قواعد مقرر کئے ہیں اُن سے منتفع ہونا چاہیئے۔

ایک مثنوی کے شعر "اہل دنیا کافران مطلق اند الخ" کا حل

غرض مسلمان کو مسلمان ہونیکی حیثیت سے کسی حالت میں بھی دنیا کو دین پر ترجیح دینا جائز نہیں پس اس اعتبار سے مسلمان دنیادار ہو ہی نہیں سکتا۔ صرف کفار ہی اہل دنیا ہیں جو دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اس شعر کا مطلب اس تقریر پر بالکل صاف ہوگیا ؎

اہل دنیا کافران مطلق اند　　روز و شب در چق چق و در بق بق اند

یعنی پہلے مصرعہ میں مبتدا موخر اور خبر مقدم ہے یعنی جو شخص کافران مطلق ہیں صرف وہی اہل دنیا ہیں۔ باقی مسلمان کی تو شان ہی اور ہے اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا اس میں عام مومنین کے لیے درجہ ولایت کا ثابت کیا گیا ہے۔ گو وہ ولایت عامہ ہی ہو کیونکہ خاصہ میں اتنا اور زیادہ ہے الذین اٰمنوا وکانوا یتقون۔

عود بجانب سرخی (طریق سلوک عوام اور خواص دونوں کیلئے ہے الخ)

اور اگر دنیاداری کے معنی عام لئے جائیں کہ طلب المال ولو علی وجہ الحلال تو یہ

منافی دین کی نہیں تاکہ ایسا شخص مخاطب احکام دینیہ کا نہ ہو کیونکہ خود حضرات انبیاء علیہم السلام سے کاروبار دنیوی اکل و شرب و نکاح و صنعت وغیرہ سبھی کچھ ثابت ہے۔ غرض دنیوی کاروبار دین کے منافی نہیں بشرطیکہ وہ شریعت کے دائرے میں ہوں۔

اہل اللہ کبھی اپنے نفس کی بھی قدر کرنے لگتے ہیں اور اس کا راز

راز اس میں یہ ہے کہ کوئی چیز حتیٰ کہ اپنا نفس بھی ہمارا ملک حقیقی نہیں کہ جس طرح چاہیں اسمیں تصرف کریں بلکہ یہ ہم سب سرکاری چپراسی ہیں۔ سرکاری حد سے زیادہ اس سے کام لینا یا سرکاری اصول کے خلاف اس کی بے قدری کرنا جائز نہیں۔ اہل اللہ اسی بنا پر کبھی اپنے نفس کی بھی قدر کرنے لگتے ہیں اور عام لوگ کچھ اور سمجھ جاتے ہیں ؎

درنیابد حال پختہ ہیچ خام   پس سخن کوتاہ باید والسلام

سو وہ حضرات اس حیثیت سے اپنے نفس کی قدر کرتے ہیں کہ وہ اس نفس کو سرکاری چیز سمجھتے ہیں۔ اور اسی طرح ہاتھ پاؤں۔ دماغ یہ سب سرکاری مشینیں ہیں جن کو ہمارے سپرد کیا گیا ہے اگر ہم اپنی بے اعتدالی سے ان کو بگاڑیں گے تو خود مورد عتاب مستوجب عذاب بنیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے کہ اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا اگر اپنے دل و دماغ آنکھ کی حفاظت اور خدمت اس نیت سے کرینگے کہ یہ ہمارے مولا کی سپرد کی ہوئی چیزیں ہیں انکی عزت اور حرمت خدمت و حفاظت ہم پر بوجہ عبد و خادم ہونے کے ضروری ہے تو اس میں بھی ثواب ملیگا یہی معنی ہیں انما الاعمال بالنیات کے اور اس مرتبہ میں کہ ان اعضاء کو محبوب سے تعلق ہے کسی نے کہا ہے ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است   افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را   کہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اور بعض کے کلام سے جو ان اشیاء کا اپنی طرف منسوب ہونا اور اس نسبت کے درجہ میں ایسے اقوال صادر ہونا معلوم ہوتا ہے جیسے کہا گیا ہے ؎

بخدا رشکم آید ز دو چشم روشن خود   کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

تو یہ غلبہ ہے حال کا ورنہ اہل علم کی تحقیق وہی ہے۔

جس چیز کو محبوب کے ساتھ تعلق ہوتا ہے وہ بھی محبوب ہو جاتی ہے

مع ایک مثال کے

حکایت۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ جب آپ کو دولت وصول ہو چکی ہے تو اب کیوں تسبیح رکھتے ہیں آپ نے کیا لطیف جواب دیا کہ میاں جس کی بدولت ہم کو یہ دولت ملی کیا اب اس رفیق کو چھوڑ دیں ہرگز نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے رستہ میں جہاد کیلئے گھوڑا پالتا ہے اس گھوڑے کا بول و براز بھی ضائع نہیں جاتا بلکہ میزان اعمال میں اس کے اندازہ کے موافق اعمال رکھے جاویں گے اور ان پر ثواب ملیگا یہ سب برکت نسبت علی اللہ کی ہے اور ایسی خسیس اشیاء کے حسنات میں شمار ہونے کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص مصری خریدے تو جو تنکا مصری میں ہوگا وہ بھی مصری کے بھاؤ ملیگا۔

دعاء کے اول و آخر درود شریف پڑھنے کا راز

اور دعاء کے اول و آخر درود شریف پڑھنے کی بھی یہی حکمت ہے کہ درود شریف کو تو بہرحال اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول کرینگے۔ اور یہ ان کے کرم سے بعید ہے کہ اول و آخر کو تو قبول کرلیں اور بیچ والی لپٹی ہوئی چیز کو رد کردیں۔ اور درود شریف ضرور قبول ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خاص و مقبول و محبوب ہیں آپ پر بے کسی کی درخواست کے بھی رحمت فرماتے ہیں۔ سو جب کسی نے آپ پر رحمت کرنے کی درخواست کی تو یہ گویا اس شخص کی خیر خواہی ظاہر ہوئی جس سے یہ بھی مقبول ہو گیا۔ اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص ہر عید پر اپنے لڑکے کو کچھ انعام دیا کرتا ہے تو وہ دے ہی گا۔ اگر کسی شخص نے اس کو انعام دینے کی نسبت کہہ بھی دیا تو وہ شخص اس کہنے کی وجہ سے اس کہنے والے پر بھی مہربان ہو جائیگا۔ اور یہ سمجھیگا کہ اس کو ہمارے لڑکے سے محبت ہے۔ اس لئے درود شریف ضرور قبول ہوتی ہے اور طفیل میں یہ شخص بھی جب درود شریف قبول ہوگا تو دعا اس کے ساتھ وہ بھی ضرور قبول ہوگی۔ ایسی ہی مثال ہے جیسے

کھانڈ کے چنے کے اندر چنا ہوتا ہے اور اوپر کھانڈ لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اس مٹھائی کے سبب وہ چنے بھی مٹھائی کے حساب میں بکتے ہیں۔ کیونکہ ان پر کھانڈ لپٹی ہوئی ہے اسواسطے وہ اسی کے حکم میں ہو گئی۔ اسی طرح وہ دعا بھی گویا درود شریف کے حکم میں ہو گئی یا جیسے تپے مٹھائی کے ساتھ جاتے ہیں اور پھر ان کو کوئی واپس نہیں کرتا۔

نماز کیلئے جماعت کے مشروع ہونے کا راز اور اس کے متعلق ایک شبہ و اس کا جواب

اور یہی راز و حکمت ہے نماز میں جماعت کی کیونکہ ع بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم۔ جماعت میں نیک بھی ہوتے ہیں ان کی نماز غالبًا قبول ہوگی۔ اور بروں کی نماز بھی چونکہ نیکوں کے ساتھ ہے اس واسطے وہ بھی قبول ہو جاویگی۔ اس کی ایک فقہی نظیر ہے وہ یہ کہ اگر متعدد اشیا ایک سودے سے خریدی جائیں تو یا سب واپس کیجاتی ہیں یا سب رکھی جاتی ہیں۔ اور جو ہر ایک کا الگ الگ سودا ہوتا ہے تو معیب کو واپس کر سکتے ہیں پس اللہ تعالیٰ بھی بندوں سے یہی معاملہ کرتے ہیں۔ اس لئے جماعت مشروع فرمائی گئی۔ کیونکہ یہ تو مستبعد ہے کہ سب کی نمازیں واپس فرمائیں۔ تو سب ہی کو قبول فرمالیں گے۔ البتہ اس میں ایک شبہ یہ رہ گیا کہ جماعت تو صرف فرضوں کے ساتھ مخصوص ہے وہ تو اس جماعت کے ذریعہ سے قبول ہو گئی مگر سنت باقی رہگئی اس کا جواب یہ ہے کہ تابع ہمیشہ اپنے مطبوع کے حکم میں ہوا کرتا ہے سنتیں تابع ہیں فرضوں کی وہ بھی فرضوں کے ساتھ قبول ہو جائیں گی۔ جیسے کوئی شخص گائے بھینس خریدے تو اس کے رسہ وغیرہ بھی گو وہ کیسے ہی بوسیدہ ہوں لے لیتا ہے۔ غرض انضمام و اقتران کے یہ فوائد ہیں۔

رجوع بجانب سرخی (جس چیز کو محبوب کے ساتھ تعلق ہوتا ہے وہ بھی محبوب ہو جاتی ہے الخ)

اسی طرح اگر کوئی شخص اعمال دنیویہ میں بھی نیت خیر رکھے گا تو اس کو ضرور ثواب ملیگا

حکایت ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی اپنے مرید کے گھر گئے وہاں ان کے گھر روشندان دیکھا۔ پوچھا یہ کیوں رکھا ہے اس نے جواب دیا۔ روشنی کے واسطے انہوں نے فرمایا کہ روشنی تو بدون نیت روشنی کے بھی آتی اگر اس کے رکھنے میں یہ نیت کر لیتا کہ اس میں سے اذان کی آواز آیا کرے گی تو تجھے اس کا ثواب بھی ملتا رہتا۔ اور روشنی تو خود آہی جاتی مطلب یہ ہے کہ نیت صالحہ رکھنے سے سب اعمال دنیوی بھی قابل ثواب بن جاتے ہیں۔

رجوع بجانب (طریق سلوک عوام اور خاص دونوں کے لئے ہے اور اس کا بیان کہ مسلمان دنیادار نہیں ہو سکتا)

پس ایسی دنیا منافی دین نہیں پس ایسا دنیادار بھی دیندار ہی ہے اور پہلے معنی کر دنیادار کوئی مسلمان نہیں تو سب مسلمان دیندار ہی ہوئے اور دو قسمیں بن کر کوئی فرق نہیں ہوا یہ دیندار دنیادار کا فرق بوجہ جہل بالاحکام کے ہم نے تراش لیا ہے اور جب فرق نہ ہوا تو کیا وجہ ہے کہ دستور العمل الگ الگ رکھا جائے یہ بات جدا رہی کہ حالت عذر و ضرورت میں کسی کے لئے کچھ تخفیف کر دی جائے سو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دستور العمل ہر ایک کے واسطے الگ الگ تجویز کیا جائے دستور العمل تو ایک ہی رہیگا۔ مواقع ضرورت اس سے مستثنے سمجھے جائیں گے۔

یاایھا المزمل کی تفسیر اور اس کا بیان کہ کامل باوجود کمال کے لوازم بشریت سے نہیں نکلتا اور اس کا راز

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یا ایھا المزمل قم الیل الا قلیلا نصفہ۔ اوانقص منہ قلیلا او زد علیہ الآیۃ مزمل کے معنی ہیں چادر اوڑھنے والا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی تکذیب سے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو چاہتے تھے کہ یہ کمبخت ایمان لے آئیں تاکہ نار جہنم سے چھوٹ جائیں اور وہ لوگ ایمان تو کیا

لاتے الٹی تکذیب پر کمر باندھ رکھی تھی اور آیات الٰہی سے تمسخر اور مقابلہ کیا کرتے تھے اس وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شدت غم و رنج و حزن و ملال کے چادر اوڑھ کر بیٹھ گئے تھے اس لئے خاص اس حالت کے اعتبار سے یاایھاالمزمل ندا و خطاب میں فرمایا گیا تاکہ آنحضرت کو ایک گونہ تسلی ہو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص ہجوم اعدا اور ان کے طعن و تشنیع سے پریشان ہو رہا ہو اُس وقت اس کا محبوب خاص ایسی حالت کے عنوان سے اس کو پکارے جس کے ساتھ اس کا تلبس ہے تو دیکھئے اس شخص کو کتنی تسلی ہوگی اور اس لفظ کی لذت اس کو کتنی معلوم ہوگی جس کی ایک وجہ یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ محبوب کو میرے حال پر نظر ہے ایسا ہی یہاں بھی یاایھاالمزمل کے عنوان سے جو کہ مناسب وقت سے ہے ندا دیکر آنحضرت کو تسکین دی گئی ہے اور بعد اس کے بعض اعمال کا حکم دیا جاتا ہے اور ان بعض عارضی احوال پر صبر کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ ایک دوسرے مقام پر بھی اسی طرح ارشاد فرمایا ہے کہ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے اوپر کی مثال میں اس شخص کا محبوب اس کو یہ کہے کہ میاں تم ہم سے باتیں کرو ہم کو دیکھو دشمنوں کو بکنے دو جو بکتے ہیں آؤ تم ہم سے باتیں کرو یہ کام کرو وہ کام کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ایسا تسلیہ بذریعہ وحی کے ہوا مگر امت میں اہل اللہ کو اس قسم کے خطابات وغیرہ بذریعہ الہام اور واردات کے ہوتے ہیں اور اس مقام پر لفظ مزمل کی تفسیر سے ایک مسئلہ نکلتا ہے وہ یہ کہ سابقاً معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اوڑھنے کی وجہ شدت ملال و حزن تھی اس سے ثابت ہوا کہ کامل باوجود کمال کے لوازم بشریت سے نہیں نکلتا جیسا یہاں پر بوجہ تکذیب مخالفین کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مغموم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ ہم لوگوں کا غم ایسے مواقع پر بوجہ تنگ دلی و ضعف تحمل کے ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم بوجہ غایت شفقت اور رحم کے تھا۔ آپ اس پر مغموم تھے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائینگے تو جہنم میں جائینگے۔ اس وجہ سے ان پر رحم آتا تھا اور غم پیدا ہوتا تھا چنانچہ ارشاد ہے لعلک باخع نفسک الخ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

مگر یہ تو ثابت ہوا کہ کامل باوجود کمال عرفاں کے لوازم طبعی سے نہیں نکلتا اور یہی ہونا بھی چاہیے کیونکہ اگر کسی کو اذیت و مصیبت میں تکلیف جو لازمہ طبعی ہے محسوس نہ ہو تو صبر کیسے متحقق ہوگا۔ کیونکہ صبر تو نام ہے ناگوار چیز پر ضبط نفس کرنے کا اور جب کسی کو کوئی چیز ناگوار ہی نہ معلوم ہو تو ضبط کیا کریگا۔

غلبۂ حال کا کمال نہ ہونا اور ایک مغلوب الحال کی حکایت اور اُس کا ناقص ہونا معہ دلیل اور مثال

البتہ غلبہ حال میں محسوس نہ ہونا اور بات ہے لیکن غلبۂ حال خود کوئی کمال کی چیز نہیں۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ بیٹے کے مرنے کی خبر سنی تو قہقہہ لگا کر ہنسے اور ادھر آنحضرت کا اپنے بیٹے ابراہیم پر آنسو بہانا ثابت ہے اور یہ فرمانا کہ انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون اب اگر کسی ظاہر بین شخص کے سامنے یہ دونوں قصّے بیان کر دئے جائیں اور یہ نہ ظاہر کیا جائے کہ یہ قصہ کس کا ہے اور وہ کس کا تو ظاہر بات ہے کہ یہ شخص پہلے بزرگ کو جنہوں نے قہقہہ لگایا زیادہ کمال سمجھے گا۔ حالانکہ یہ مسئلہ مسلم و بدیہی ہے کہ ولی کسی حال میں نبی سے نہیں بڑھ سکتا۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ اولیاء کے کمالات انبیاء کے کمالات سے مستفاد ہیں سو دراصل ان دونوں قصوں کی حقیقت یہ ہے کہ اس ولی کی نظر صرف حقوق حق پر تھی حقوق عباد و اولاد کی اہمیت اس کے قلب سے مستور تھی اس واسطے حقوق عباد کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ جو ترحم کی وجہ سے غم پیدا ہوتا۔ اور آنحضرت کی نظر دونوں حقوق پر تھی۔ حقوق حق پر بھی اور حقوق عباد پر بھی اللہ تعالیٰ کے حقوق رعایت سے تو صبر کیا اور جزا فزا نہیں کیا اور حقوق عباد یعنی ترحم علے الاولاد کی وجہ سے آنسو جاری ہوئے سخت دلی نہیں کی انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء اس کی ایک مثال ہے مثلاً آئینہ کے دیکھنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو ضرورت سے خریداری وغیرہ کے صرف آئینہ کو دیکھتے ہیں اس کی موٹائی چوڑائی شفافیت پر ان کی نظر ہوتی ہے یہ مثال ہے محجوبین غافلین اہل صورت کی اور ایک وہ کہ صرف اس چیز کو دیکھتے ہیں جو کہ آئینہ میں منعکس ہوتی ہے اور آئینہ کو نہیں دیکھتے یہ مثال ہے غیر کاملین مغلوب الحال لوگوں کی یہ غلبۂ حال سے مظہر کو نہیں دیکھتے

صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں اور ایک وہ جو آئینہ اور صورت منعکسہ دونوں کو دیکھتے ہیں اور دونوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں اس کو جمع الجمع کہتے ہیں ۔ یہ شان ہے انبیا علیہم السلام اور عارفین کاملین کی کہ حقوق حق کی رعایت کیساتھ حقوق عباد کی رعایت بھی ان کے نصب العین رہتی ہے یہ لوگ جامع ہیں ؎

برکف جام شریعت درکف سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

ایسی باریکیوں کے سمجھنے کے واسطے بڑے فہم کی ضرورت ہے ورنہ ظاہر میں تو ناگوار نہ گزرنا زیادہ کمال معلوم ہوتا ہے بہ نسبت ناگوار گزرنے کے۔

بعض حالات کمال سمجھے جاتے ہیں حالانکہ ان میں نقصان پوشیدہ ہوتا ہے

اسی طرح دوسری کیفیات وجدانیہ کے تفاضل میں اسی قسم کی غلطی واقع ہوتی ہے کہ بعض باتیں کمال سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں کوئی نقص خفی ہوتا ہے جیسے مبالغہ فی التواضع مقتضی ہوجاتا ہے ناشکری کی طرف کیونکہ اس میں ایہام ہوجاتا ہے انکار نعمت کا۔ ایسا ہی بعض آدمی کہدیتے ہیں کہ ہم نے ذکر و شغل کیا مگر کچھ نہیں ہوا اور سمجھتے ہیں کہ یہ کہنا انکسار ہے حالانکہ علاوہ ناشکری نعمت ذکر کے اس میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے ذکر و شغل کو اس قابل سمجھا کہ اس کو قبول کیا جاوے اور اس کے صلہ میں اس کو بڑا رتبہ دیا جاوے اور یہ کبر ہے ۔

ذاکر کو ثمرات کا طالب نہ ہونا چاہیئے

یہ نفس کے بڑے بڑے مکر ہیں ان لوگوں کو یہ خبر نہیں کہ ذکر خود ایک مستقل نعمت ہے۔

حکایت ہمارے حضرت حاجی صاحب رح سے اگر کوئی خادم اس قسم کی شکایت کرتا تو آپ فرماتے کہ خود ذکر کی توفیق ہونا کیا تھوڑی نعمت ہے۔ جو دوسرے ثمرات کی تمنا کرتے ہو اور اکثر ایسے موقع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یابم اورا یا نیابم جستجوئے مے کنم حاصل آید یا نیاید آرزوئے مے کنم

ع بلا بودے اگرایں ہم نہ بودے الخ کسی خادم نے حضرت سے بیان کیا تھا کہ میں نے اب کے چلّہ کھینچا اور روزانہ سوالاکھ اسم ذات پڑھا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ شاید حضرت مجھ سے ناراض ہیں کہ ثمرہ نہیں ملا۔ فرمایا کہ اگر میں ناراض ہوتا تو تمہیں سوالاکھ پڑھنے کی توفیق ہی کہاں ہوتی اور یہ ثمرات کہ طالب ایک اور بہت بڑی غلطی میں ہیں کیونکہ وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہ ثمرات اصل مقصود ہیں۔ اور اعمال مقصود بالعرض اور یہ سخت غلطی ہے۔ اعمال خود مقصود بالذات ہیں اور اصل ثمرہ ان کا حصول رضا دخول جنت دیدار خداوندی ہے۔ افسوس کہ طالب ثمرات عشق میں مجنوں سے بھی کم ہیں وہ تو لیلےٰ کے نام کی مشق کو بڑا مقصود سمجھ رہا ہے اور یہ لوگ دوسری چیزوں کی تلاش میں ہیں۔ کیا مولیٰ کا لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہے ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد ۔۔۔ در بیابان غمش بنشستہ فرد

ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم ۔۔۔ مے نمودے بہر کس نامہ رقم

گفت اے مجنون شیدا چیست ایں ۔۔۔ می نویسی نامہ بہر کیست ایں

گفت مشق نام لیلےٰ مے کنم ۔۔۔ خاطر خود را تسلی میدہم

ہمیشم لبکہ داند ماہ رویم ۔۔۔ کہ من نیز از خریداران اویم

کبھی ثمرات کا قصد مت کرو۔ یہ تو ایک قسم کی مزدوری ہوئی جو کہ عشق و محبت کے سراسر خلاف ہے ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن ۔۔۔ کہ خواجہ روش بندہ پروری داند

حکایت۔ ایک عارف کو غیب سے آواز آئی کہ تمہاری عبادت قبول نہیں ہوئی انھوں نے اس پر بھی عبادت کو نہ چھوڑا۔ بلکہ بدستور اسی طرح پھر بھی عبادت کرتے رہے کسی نے اُن سے کہا کہ جب تمہاری عبادت قبول نہیں ہوتی تو پھر اس کے کرنے کی کیا ضرورت ہے انھوں نے کیا اچھا جواب دیا کہ بھائی اگر کوئی اور دروازہ ہوتا تو اس کو چھوڑ کر اس طرف چلے جاتے جب دوسرا دروازہ ہی نہیں پھر اور کہاں جائیں اور کیا چارہ کریں ؎

توانی ازاں دل بپرداختن ۔۔۔ کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

پس پھر غیب سے آواز آئی کہ جب ہمارے سوا تمہارا اور کوئی نہیں تو خیر جیسی کچھ ہے ویسی قبول ہے ؎

قبول است گرچہ ہنر نیستت — کہ جز ما پناہے دگر نیستت

عبادت میں تو بجز رضائے خدا کے اور ثمرات کا طلب کرنا بھی اخلاص کے بالکل خلاف ہے۔ وما امروا الا لیعبدو اللہ مخلصین لہ الدین ۰

از خدا غیر خدا را خواستن — ظن افزونیست کلی کاستن

بدرد وصاف ترا حکم نیست دم درکش — کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

میلان طبیعت کا معاصی کی طرف کمال کے منافی نہیں بشرطیکہ اُس کے مقتضیٰ پر عمل نہ ہو اور کاملین اور غیر کاملین کا فرق

اور اوپر جو بیان ہوا ہے کہ کامل لوازم بشریہ سے نہیں نکلتا اس سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ طبیعت کا میلان انسانی خواہشوں کی طرف یہ ایک امر طبعی ہے۔ سو طبیعت کا میلان اگر کسی معصیت کی طرف ہو یہ منافی کمال نہیں۔ بعض لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ میلان کو بھی مقبولیت و تقویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں اور پھر جی ہی جی میں کڑھتے ہیں اور قلب کی ساری توجہ اسی فکر وغم میں مصروف کر دیتے ہیں۔ مثلاً پہلے کبھی کسی کے ساتھ تعشق تھا پھر اللہ تعالیٰ نے توفیق توبہ کی عطا فرمائی اور وہ تعلق نہ رہا۔ اب اگر حصول کمال کے بعد کبھی طبیعت کی رغبت اس طرف معلوم ہونے لگے تو پریشان ہوتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ میلان بھی تقویٰ کے خلاف ہے خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ خود معصیت تو خلاف تقویٰ ہے میلان معصیت اس کے خلاف نہیں۔ میلان معصیت بعض اوقات بعد کمال کے بھی زائل نہیں ہوتا۔ اس کے زوال کی فکر فضول ہے۔ ہاں البتہ کاملین اور دوسرے میں یہ فرق ہے کہ کاملین کا میلان غیر ثابت اور مغلوب ہوتا ہے۔ تھوڑے سے تذکر سے زائل ہو جاتا ہے۔ جناب باری ارشاد فرماتے ہیں اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون اور اس سے پہلے واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ اور متوسطین اہل سلوک کا میلان ذرا شدید ہوتا ہے۔ دل کو بہت تنگی پیش آتی ہے اور مجاہدہ سے مغلوب ہوتا ہے اور مجوبین کا میلان ادھر غالب ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت میں کہ اگر میلان نہ رہے تو معاصی سے بچنا کوئی کمال ہی نہیں۔ اور میلان میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور مجاہدہ

سے ترقی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کو ان مدارج میں ترقی نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں مجاہدہ متصور نہیں اور بشر میں مجاہدہ بوجہ میلان اور رغبت معاصی کے متصور ہے اس لئے ان کے مدارج میں بسبیل لاتقف عند حد ترقی ہوتی رہتی ہے۔

معاصی کی طرف میلان کے منافی کمال نہ ہونے اور قرب عہد نبوت کی برکت پر حکایت

حکایت - حکیم ترمذی ایک بزرگ گزرے ہیں۔ جوانی میں ان پر ایک عورت عاشق ہوگئی تھی۔ اور ہر وقت ان کی تلاش اور جستجو میں رہتی آخر کار ایک دن موقع پر ایک باغ میں ان کو دیکھا اور وہ باغ چاروں طرف سے چار دیواری کی وجہ سے بند تھا وہاں پہنچکر اس نے اپنے مطلب کی درخواست کی یہ گھبرائے اور گناہ سے بچنے کی غرض سے بھاگ کر دیوار سے کود پڑے۔ اس قصّے کے بعد ایک روز بڑھاپے کے زمانہ میں وسوسے کے طور پر خیال آیا کہ اگر میں اس عورت کی دلشکنی نہ کرتا اور اس کا مطلب پورا کردیتا اور پیچھے توبہ کرلیتا تو یہ گناہ بھی معاف ہوجاتا۔ اور اس کی دلشکنی بھی نہ ہوتی اس وسوسہ کا آنا تھا کہ بہت پریشان ہوئے اور روئے ؎

بردل سالک ہزاراں غم بود   گر ز باغ دل خلالے کم شود

اور اس پر قلق ہوا کہ جوانی میں تو میں اس گناہ سے اس کوشش سے بچا اور آج بڑھاپے میں یہ حال ہے۔ اور یہ سمجھے کہ جو کچھ میں نے اعمال اشغال کئے ہیں وہ سب غارت اور اکارت گئے اس پر حکیم موصوف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے حکیم کیوں غم کرتے ہو تمہارا درجہ وہی ہے اور جو کچھ تم نے کیا وہ ضائع نہیں ہوا۔ اور اس وسوسہ کی یہ وجہ تھی کہ یہ زمانہ وسوسہ کا میرے زمانے سے دور ہوگیا تھا۔ اور اس گناہ سے بچنے کی یہ وجہ ہے کہ وہ زمانہ میرے زمانہ سے بہت قریب تھا۔ اور قرب عہد نبوی میں برکت ہے۔

حکایت ایک بزرگ اسی وجہ سے باسی روٹی کو پسند فرمایا کرتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب ہے اور تازی میں کسی قدر بعد آگیا ہے سبحان اللہ

جب قرب عہد نبوت میں یہ برکت ہے تو ارشادات نبوت پر عمل کرنے میں کیسی برکت ہوگی
حکایت۔ ایک مولوی صاحب کہ طبیب بھی تھے مجھ سے اپنا قصہ بیان فرماتے تھے۔ کہ میں بیمار ہوا بخار تھا۔ ہر چند علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا آخر کار میں نے اس حدیث کے مطابق جس میں بخار کا علاج غسل سے آیا ہے نہر میں غسل کیا۔ ان کا بیان ہے کہ اس کے بعد مجھے اور بیماریاں تو ہوئیں مگر بخار کبھی نہیں ہوا۔ ہر چند کہ بعض شراح اس علاج غسل کو غیر مادی بخار کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں۔ مگر اہل عقیدت کے لئے سب اقسام کو عام ہے۔ علاوہ ازیں یہ مسئلہ طبیہ ہے کہ دوا معین ہے فاعل نہیں سو اہل عقیدت کی طبیعت میں اس عمل سے قوت ہوگی اور وہ اپنی قوت سے فعل کریگی۔ حکیم ترمذی کے اس قصہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ باوجود میلان کے ان کو میلان معصیت کا ہوا۔ اور ان کے کمال کی تصدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رویائے صادقہ میں فرمائی۔

بعض طالبین کا یہ کوشش کرنا کہ ہم میں بُرے کام کی رغبت ہی پیدا نہ ہو بالکل غلط ہے اور اس کا علاج

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ جو شیوخ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ کوئی ایسی چیز بتا دیجئے کہ کبھی ہم میں بُرے کام کی رغبت ہی نہ پیدا ہو یہ بالکل غلطی ہے اور منشا اس کا ناواقفی ہے انسان جب تک زندہ ہے لوازم بشریہ سے چھوٹ نہیں سکتا کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ وسوسہ یا خیال آہی جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کسی عورت کے دیکھنے وغیرہ سے اس کی طرف میلان یا وسوسہ معلوم ہو تو اپنے گھر میں بیوی سے رفع حاجت کرے۔ ان الذین معہا مثل الذی معہا اس علاج سے وہ طبیعت کا میلان دور ہو جائیگا۔ اطبا نے بھی تعشق کا علاج تزوج لکھا ہے۔ اگر خاص معشوقہ سے ہو تو بہت ہی بہتر ہے۔ ورنہ غیر جگہ بھی نکاح کرنے سے دوسرے کے تعشق میں کمی آجاتی ہے۔ باقی تھوڑا بہت میلان تو تمام عمر رہتا ہے۔ اگر اس کے مقتضی پر عمل نہ ہو تو اس کی فکر نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس کی طرف توجہ کرنے سے اور اس فکر میں پڑنے سے وہ اور بڑھیگا اور تنگی پیش آویگی۔ اور سالک اس جھگڑے میں پھنس کر مطالعہ محبوب سے غافل ہو جاویگا

اور انسان صرف مطالعہ محبوب ہی کے لئے پیدا ہوا ہے اس کو دوسری جانب اتنی توجہ ہی نہ کرنی چاہیئے۔ اگر ان باتوں کی طرف طبیعت کو نہ لگایا جائیگا یہ آپ سے آپ دور ہوجاویگی۔ بالخصوص وسوسہ کا تو علاج یہی ہے۔ کہ اس کی طرف خیال ہی نہ کرے اور اپنی توجہ ذکر کی طرف رکھے۔ اس سے وہ وسوسہ خود بخود جاتا رہتا ہے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ وسوسہ کا آنا کوئی نقصان کی بات نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے جو تنگی پیدا ہوتی ہے وہ موجب تصفیہ قلب ہوجاتی ہے۔ اور اس کے دور کرنے میں جو مجاہدہ ہوتا ہے اس سے رفع درجات ہوتا ہے اور جو بیان کیا گیا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے اوپر بد گمانی کرے اور ان باتوں کی طرف زیادہ التفات نہ کرے۔ اور زیادہ موشگافی اور باریک بینی سے کرید کرید کر عیوب کو نہ دیکھے یہ خواص اہل طریق کے واسطے ہے کیونکہ وہ اس طرف لگ کر مطالعہ محبوب سے غافل ہو جائیں گے۔ باقی عوام کو بیفکر ہونا نہ چاہیئے کیونکہ اگر وہ اپنے عیوب کی نگہداشت اس مستعدی سے نہ کرینگے تو اور بڑے بڑے گناہوں میں گرفتار ہو جائینگے۔

دستور العمل برائے سالک متضمن باصلاح اغلاط کہ سالک را اکثر ابتلا بداں واقع میشود و تفسیر بعض آیات سورہ مزمل

ارشاد ہوتا ہے یاایھا المزمل قم الیل الا قلیلا الایہ۔ ہر چند کہ یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم اس کا امت کو بھی شامل ہے۔ اب ندائے یاایھا المزمل کے بعد احکام کا بیان شروع ہوتا ہے۔ حاصل احکام کا یہ ہے کہ تعلق دو طرح کے ہیں ایک خالق کے ساتھ دوسرا مخلوق کے ساتھ۔ مخلوق کے ساتھ جو تعلق ہے وہ دو قسم کا ہے موافق کے ساتھ اور مخالف کے ساتھ ان ہی تعلقات کے کچھ اعمال و آداب میں سے چند امر بیان ہوتے ہیں اول تعلق خالق کے ساتھ ہے اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے قم الیل الا قلیلا اس میں ایک تو قیام و طاعت ادب تعلیم کیا ہے اور اس کے ساتھ اقتصاد (میانہ روی) کا ارشاد فرمایا ہے۔ ادب یہ کہ قیام لیل کے لئے وہ وقت مقرر فرمایا گیا جو کہ نہ بھوک کی تکلیف کا وقت ہے اور نہ معدہ کی پری کا وقت ہے

کہ طبیعت میں گرانی اور بوجھ ہو اور قیام میں کدورت ہو بلکہ ایسا وقت دونوں تکلیفوں سے خالی ہے اور طبیعت میں نشاط اور سرور ہوتا ہے اور اس میں تشبہ بالملائکہ بھی ہوتا ہے کیونکہ ان کی یہی شان ہے کہ نہ بھوک لگے نہ کھانے سے گرانبار ہوں اور نیز رات کے وقت یکسوئی بھی ہوتی ہے اور اقتصاد یہ کی ساری رات کے قیام کا حکم نہیں دیا کیونکہ اس میں سخت تعب تھا۔ بلکہ کچھ حصہ سونے کے لئے بھی رکھا گیا۔ اور چونکہ ہر وقت اور ہر حالت اور ہر شخص کے لئے ایک مقدار معین نہیں ہو سکتی۔ اس لئے او تخیرہ سے نصف اور ثلث اور دو ثلث میں جو مفہوم ہے او انقص منہ قلیلاً او زد علیہ۔ کا جیسا دوسرے رکوع سے معلوم ہوتا ہے اختیار دیکر مخاطب کی رائے پر چھوڑا گیا۔ کہ اگر زیادہ قیام نہ ہو سکے تو تھوڑا ہی سہی حدیث میں ہے وشیئ من الدلجۃ۔ اس اقتصاد میں ایک یہ بھی حکمت اور مصلحت ہے کہ توسط میں دوام ہو سکتا ہے اور افراط میں دوام نہیں ہو سکتا۔ اور پہلے یہ قیام لیل کہ مراد تہجد ہے فرض تھا۔ بعد اس کے فرضیت منسوخ ہو کر مسنونیت باقی رہ گئی اور اقرب الی الدلیل تہجد کا سنت موکدہ ہونا ہے تہجد سے محروم رہنے والوں کو اکثر غلطیاں ہو رہی ہیں بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تہجد صرف آخر ہی شب ہوتا ہے اور اس وقت اٹھنا دشوار ہے اس لئے انھوں نے چھوڑ رکھا ہے یاد رکھو کہ اگر آخر شب میں نہ اُٹھ سکے تو اول شب میں بھی وتر سے پہلے تہجد پڑھنا جائز ہے بعضے یہ سمجھ رہے ہیں کہ تہجد کے بعد سونا نہ چاہیئے۔ اور سونے سے تہجد جاتا رہتا ہے یہ لوگ اس لئے نہیں اُٹھتے یہ بھی غلطی ہے۔ تہجد کے بعد سونا بھی جائز ہے غرض اہل سلوک کے لئے یہ عمل تہجد کا بھی ضروری ہے اور اگر کبھی قضا ہو جائے تو زیادہ غم میں نہ پڑے۔ تہجد کی قضاؤں میں کرلے اس آیت سے یہی مراد ہے۔ وھو الذی جعل اللیل والنھار خلفۃ لمن اراد ان یذکر الخ بعض لوگوں کا اگر تہجد قضا ہو جائے تو حد سے زیادہ پریشان ہوتے ہیں اور کراہتے ہیں۔ اور افسوس کرتے ہیں کہ ہمارا تہجد کبھی قضا نہ ہوا تھا۔ یہ کیا ہو گیا۔ یاد رکھو اتنی پریشانی کا انجام بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ بجائے مطالعہ محبوب کے اپنے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس فکر میں لگ کر اصل ذکر سے جو کہ مقصود ہے رہ جاتے ہیں اور انسان مطالعہ محبوب کے لئے پیدا ہوا ہے اس کو غیر میں مشغول نہ ہونا چاہیئے ع

غرض نفس کو پریشانی میں زیادہ نہ مبتلا کیا جاوے اور تجربہ ہے کہ بعض اوقات آسانی رکھنے سے نفس خوشی سے کام دیتا ہے اور تنگی اور بوجھ ڈالنے سے پہلا کام بھی چھوٹ جاتا ہے اس لئے بہت تنگی نہ کرو کہ مزدور خوش دل کند کار بیش۔ بعض محققین کا قول ہے کہ ذاکر شاغل کو مرغن کھانا کھانا چاہیئے۔ ورنہ ضعف ہو جائیگا۔ اور کسی وقت بیکار ہو جائیگا خوب کھاؤ پیؤ اور اس سے کام لو البتہ یہ یاد رہے کہ کھانے پینے میں ایسی زیادتی نہ ہو کہ کسل ہو جائے یا بیماری ہو جائے اور بیمار ہو کر اور خرابی میں پڑ جائے اسی لئے کلوا والشربوا کے ساتھ ولا تسرفوا بھی فرمایا ہے۔

حکایت۔ حضرت اہل بیت میں سے کسی بزرگ کا قصہ ہے کہ ان سے کسی نصرانی حکیم نے پوچھا تھا کہ قرآن شریف کو کتاب جامع کہتے ہیں اس میں طب کہ ضروری چیز ہے نہیں ہے۔ فرمایا اصل طب موجود ہے کلوا والشربوا ولا تسرفوا۔ وہ دنگ رہگیا۔

حکایت۔ بطور جملہ معترضہ کے یاد آگیا کہ غالب جو کہ آزاد شاعر ہے اس نے اپنے مذاق پر یہ شعر کہا تھا ؎

ہم تو بہ جب کرینگے شراب و کباب سے ۔۔۔ قرآن میں جو آیا کلوا واشربوا نہ ہو

کسی نے اس کا خوب جواب دیا ؎

تسلیم قول آپ کا ہم جب کریں جناب ۔۔۔ جب آگے واشربوا کے ولا تسرفوا نہ ہو

ایسا ہی روحانی تنگی قبض حزن وغیرہ سے بھی پریشان نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں بھی تزکیۂ نفس ہوا کرتا ہے خاص کر وسوسہ کی طرف تو التفات بھی نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ درپے ہونے سے اس میں اور بھی ترقی ہوتی ہے محقق اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتا اور وسوسہ کے پیچھے پڑنے میں اس کے سوا اور بھی بہت خرابیاں ہیں۔ اسی ایک وسوسہ سے اور شاخیں نکلنی شروع ہوتی ہیں۔ اور رہا غم سو وہ الگ ہے اور غم کی وجہ سے اصل ذکر و شغل کا فوت ہونا یہ الگ ہے ایسا ہی استغفار اور توبہ کے وقت معاصی کے تذکر واستحضار میں ایک قسم کا توسط ہونا چاہیئے۔ یہ ضروری نہیں کہ سب گناہوں کی پوری فہرست پڑھنے بیٹھ جاتے صرف اجمالی طور پر سب گناہوں سے توبہ کرے ہر گناہ کا

نام ضروری نہیں۔ حدیث میں ہے وانت اعلم بہ۔ اس سے بھی یہی بات نکلتی ہے اس میں سب گناہ آگئے اگرچہ یاد نہ آئیں۔ کیونکہ اس سوچ میں وقت ضائع کرنا مطالعہ محبوب سے غافل ہونا ہے۔ البتہ جو خود یاد آجائے اس سے بالخصوص بھی توبہ کرلے۔

حکایت۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ رمی جمار کے وقت وہاں جوتیاں مار رہا تھا اور ایک ایک گناہ گن گن کر شیطان کو گالیاں دیتا تھا۔ اور مارتا تھا۔ سو یہ لغو ہے ہر ایک گناہ کا نام لینا اور تلاش اور سوچ میں عمر عزیز کو جو دراصل مطالعہ محبوب کے لئے تھی اس سوچ بچار میں کھونا نہ چاہیئے ؎

عمر عزیز قابل سوز و گداز نیست　　　ایں رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

اہل سلوک کو بالخصوص اس کا خیال بہت ضروری ہے۔ کہ مطالعہ محبوب سے غفلت نہ ہو واقع میں عارف ہی کی نظر ان امور تک پہنچتی ہے۔

حکایت۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی خادم نے اس بات کا افسوس ظاہر کیا کہ آپ کی بیماری کی وجہ سے مدت تک حرم میں حاضر ہونا نصیب نہ ہوا۔ آپ نے خواص سے فرمایا کہ اگر یہ شخص عارف ہوتا تو اس پر کبھی افسوس نہ کرتا۔ کیونکہ مقصود قرب حق ہے اور اس کے لئے جس طرح نماز حرم ایک طریق ہے اسی طرح اس کے لئے مرض بھی ایک طریق ہے۔ تو بندہ کا کیا منصب ہے کہ اپنے لئے خود ایک طریق معین کرے یہ مربی کے اختیار میں ہے۔ طبیب کی تجویز مریض کی تجویز سے ہزار درجہ زیادہ بہتر ہے ؎

بدر و صاف ترا حکم نیست دم درکش　　　کہ ہرچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

یہ سب بیان تھا قیام لیل اور اس کے آداب کا اقتصاد کے ساتھ اب دوسرا معمول اہل سلوک کا مذکور ہوتا ہے ورتل القرآن ترتیلا ترتیل کے معنی ہیں تھام تھام کر پڑھنا۔

صحابہ کے زمانہ میں تلاوت اور تکثیر نوافل بھی حصول نسبت کیلئے کافی تھے بعد میں ذکر کے اندر قیودات خاصہ تغیر زمانہ کی وجہ سے علاجاً ایجاد کی گئیں

صحابہ کے زمانہ میں ایک یہ بھی طریق حصول نسبت کا تھا کہ قرآن اور نماز پر مداومت اور محافظت کرتے تھے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خواب میں دریافت کرنا کہ آجکل کے صوفیہ کے طریقوں میں سے کونسا طریقہ آپ کے موافق ہے اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد کہ ہمارے زمانے میں تقرب کا ذریعہ ذکر کے ساتھ قرآن اور نماز بھی تھا اور اب صرف ذکر پر اکتفا کرلیا ہے مشہور ہے اور اس تغیر کی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ صحابہ رض کے قلوب بہ برکت صحبت نبوی اس قابل تھے کہ ان کو اور قیود کی جو بعد میں حادث ہوئیں ضرورت نہ تھی - ان کے قلوب میں صحبت نبوی کے فیض سے خلوص پیدا ہو چکا تھا وہ حضرات تلاوت قرآن اور کثرت نوافل سے بھی نسبت حاصل کر سکتے تھے ان کو اذکار کے قیود زاید کی حاجت نہ تھی برخلاف بعد کے لوگوں کے کہ ان میں وہ خلوص بدون اہتمام کے پیدا نہیں ہو سکتا - اس لئے صوفیہ کرام نے کہ اپنے فن کے مجتہد گزرے ہیں اذکار اشغال خاصہ اور ان کی قیود ایجاد کیں اس وجہ سے کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ خلوت میں جب ایک ہی اسم کا بہ تکرار ورد کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ضرب وجہر وغیرہ قیود مناسبہ کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے اور اس کی تاثیر نفس و قلب میں اوقع واثبت ہوتی ہے اور رقت و سوز پیدا ہو کر موجب محبت ہو جاتا ہے اور محبت سے عبادت میں اخلاص پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ عبادت خالص کا حکم فرماتے ہیں وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین وامرت ان اعبد الخ وغیرہ من الآیات - پس معلوم ہوا کہ حضرات صوفیہ نے یہ قیود ذکر کے بطور معالجہ تجویز فرمائے ہیں اور اصل مقصود یہی اخلاص ہے - پس اگر کسی شخص کو ان قیود سے مناسبت نہ ہو یا بغیر ان قیود کے کسی کو اذکار مسنونہ نوافل و تلاوت قرآن میں پورا اخلاص پیدا ہو سکتا ہو تو صوفیہ کرام ایسے شخص کے لئے ان قیود کی ضرورت نہیں سمجھتے - پس اب معلوم ہو گیا کہ یہ تمام قیود اصلاح و تقویت کے واسطے علاجاً تجویز کئے گئے ہیں - کوئی شرعی امر قربت مقصودہ نہیں سمجھا جاتا - جو بدعت کہا جائے -

رجوع بجانب سرخی (دستور العمل برائے سالک الخ)

الحاصل یہ دوسرا دستور العمل تھا - اہل سلوک کے واسطے یعنی تلاوت قرآن اس کے

بعد ارشاد فرماتے ہیں انا سنلقی علیک قولاً ثقیلا۔ اس کو ما قبل سے اس طور پر ربط ہے کہ مراد قولاً ثقیلاً سے وہی ہے جو کہ ثقیل تھی۔ اور نماز اور تلاوت کلام مجید کی مزاولت سے قوت احتمال انتقال وحی کی پیدا ہوگی۔ اس لئے پہلے نماز اور تلاوت کا حکم فرمایا پھر انا سنلقی الخ میں وحی کا وعدہ کیا اب اس کی تحقیق کہ نزول وحی کے وقت ثقل معلوم ہونے کا کیا سبب تھا سو یہ امر عقول متوسط سے خارج ہے باقی روایات سے ثقل ہونا ثابت ہے چنانچہ نزول وحی کے وقت اونٹنی کا بیٹھ جانا اور ایک صحابی کا یہ قول کہ نزول وحی کے وقت (جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ران ان کی ران پر تھی) یہ معلوم ہوتا تھا کہ میری ران بیٹھی جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت شدت سرما میں بھی نزول وحی کے وقت پسینہ آجاتا اس ثقل کے آثار روایات میں وارد ہیں۔ اور ان آیات میں کہ الم نشرح لک صدرک و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک یہ شرح صدر اور وضع وزر جو موجب نقض ظہر تھا میرے نزدیک اسی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت لو انزلنا ھذا القراٰن علی جبل۔ اس معنی میں بھی بہت ہی صاف ہے اور نماز اور تلاوت اور ذکر کی مزاولت اور کثرت سے قوت کا پیدا ہونا اور ثقل وحی کے احتمال کی طاقت پیدا ہو جانا اس طور پر ہے کہ چونکہ ذکر وغیرہ سے واردات اور فیوض غیبیہ علمی و عملی قلب پر فائض ہوتے ہیں ان کے درود سے قلب میں بتدریج قوت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے شدت و ثقل کا مقابلہ اس کیلئے آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اہل تلوین کا اضطراب اور اہل تمکین کا استقلال اسی وجہ سے ہے کہ پہلے قلب میں قوت تحمل کی نہ تھی پھر ذکر کی کثرت سے احتمال انتقال کی طاقت آگئی۔ اور اس شعر میں ان ہی واردات میں سے بعض کا ذکر ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء | بے کتاب و بے معید و اوستا

اور یہ حالات واردہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں کبھی ذوق و شوق و سرور انبساط ہوتا ہے کبھی حزن و انقباض ہوتا ہے۔ بسط کے الگ فائدے ہیں اور قبض کے علیحدہ مصالح اور سب محمود ہیں۔ کیونکہ قبض میں بھی تزکیہ نفس و اصلاح عجب ہوتی ہے ؎

چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بیں | تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

چونکہ قبض آید ترا اے راہرو | آں صلاح تست آتش دل مشو

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ رات کو اٹھنے کے وقت کیونکہ شور و شغب سے سکون ہوتا ہے اور اشغال معاش کا بھی وقت نہیں ہوتا۔ اس لئے قلب میں یکسوئی ہوتی ہے اور اس لئے اس وقت جو کچھ زبان سے پڑھا جاتا ہے دل کو اس سے بہت تاثیر ہوتی ہے اور جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا اثر قوی ہوتا ہے تو گویا اس آیت میں ان ناشئۃ اللیل الخ مضمون آیت ماقبل قم اللیل و رتل القرآن الخ کی تعلیل ہے کہ اس وقت بوجہ ان اسباب کے حضور قلب زیادہ ہوتا ہے لہذا قیام لیل و ترتیل کا فائدہ اس وقت پورے طور سے حاصل ہوگا۔

حضور قلب کا نہایت آسان طریقہ

اور حضور قلب کے متعلق ایک طریقہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے وہ یہ کہ مبتدی ہر ہر لفظ پر بتکلف مستقل ارادہ کرے اسی طرح الفاظ پر توجہ رہنے سے حضور قلب حاصل ہو جاتا ہے اور بعد چندے ملکہ ہو جاتا ہے زیادہ تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی اور منتہی کو ملاحظہ ذات سے حضور میسر ہو سکتا ہے ابتداء میں یہ مشکل ہے کیونکہ مبتدی کو غائب کا تصور جمتا نہیں اور منتہی ذات کا ملاحظہ رکھ سکتا ہے۔

رجوع بجانب سرخی (دستور العمل برائے سالک)

اس کے بعد فرماتے ہیں ان لک فی النھار سبحا طویلا پہلے بطور حکمت کے بیان ہوا ہے کہ تہجد اور قرآن مجید پڑھا جائے کیونکہ اس وقت اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ اب اس کے علاوہ ایک اور وجہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کو دن میں اور کام بھی رہتے ہیں ان کی وجہ سے خاص قسم کی توجہ الی اللہ تام نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ وقت شب کا کہ مصروفیت سے خالی ہے تجویز کیا گیا اور وہ کاروبار یہ ہیں مثلاً تبلیغ دین۔ تربیت خلائق۔ حوائج ضروریہ لازمیہ بشریت ہرچند کہ تبلیغ دین اور تربیت خلائق خود بھی دین ہے لیکن چونکہ ان میں ایک قسم کا تعلق مخلوق سے بھی ہوتا ہے۔ لہذا اس میں خاص قسم کی توجہ الی اللہ پورے طور پر نہیں ہو سکتی جیسی خاص خلوت میں ہو سکتی ہے۔

خلق کی طرف مشغولی منافی کمال کے نہیں اور اس کا بیان کہ صاحب خلق کی طرف فطری مشغولی منافی کمال کے نہیں

اور اس کا بیان کہ صاحب کمال کی بھی ہر وقت یکساں حالت نہیں رہتی اور اسکی حکمتیں

یہاں سے بھی اس اوپر والی بات کی تائید ہوتی ہے کہ انسان باوجود کمال کے بھی لوازم بشریہ سے بالکل چھوٹ نہیں سکتا۔ دیکھئے آیت صاف دلالت کر رہی ہے نہار کا سبح طویل یکسوئی سے ایک درجہ میں آپ کو بھی مانع ہوجاتا۔ اور چونکہ آپ کے تمام احوال کامل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ خلق کی طرف مشغول ہونا منافی کمال نہیں پس صاحب کمال پر بھی ہر وقت یکساں حالت نہیں رہتی۔

حکایت حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت حنظلہ رض کا قصہ حدیث میں ہے کہ حضرت حنظلہ رض نے اپنے کو اس بنا پر منافق کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ اور حالت ہوتی ہے اور پیچھے کچھ اور اس پر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ یہ حالت تو ہماری بھی ہے آخر یہ قصہ حضور میں پہنچا اس پر آنحضرت نے فرمایا ولکن یا حنظلۃ ساعۃ وساعۃ ایک گھڑی کیسی ایک گھڑی کیسی اور درحقیقت اگر ہر وقت وہی حالت تجلی کی رہے خود جسمانی ترکیب بھی ٹھیک نہ رہے اول تو تعطل ہوگا کیونکہ حالت علیہ میں انتظام تغذیہ وغیرہ کا ممکن نہیں پھر اس فنا کی نوبت آجائے گی۔ ولنعم ما قیل ؎

چو سلطان عزت علم بر کشد | جہاں سر بجیب عدم درکشد

دوسری مصلحت یہ بھی ہے کہ ذوق ولذت جب ہی آتی ہے کہ اس حالت میں دوام نہ ہو ورنہ دوام سے حادث ہوجائے گی اور لذت جو بسبب حدت کے معلوم ہوتی نہ رہیگی کل جدید لذیذ اس کے علاوہ ایک اور حکمت بھی ہے وہ یہ کہ غلبۂ استغراق میں قصد نہ رہیگا اور بلا قصد کے اعمال کا اجر نہیں اور بلا اعمال قرب نہیں ملتا۔ اور اعمال ہی دنیا میں مقصود

ہیں۔ دنیا میں انہیں اعمال کے واسطے بھیجا گیا ہے ورنہ دنیا میں آنے سے پہلے روح کو خود ایسی حالتیں حاصل تھیں۔ اور حضور کو دائم میسر تھا۔ مگر اعمال نہ تھے۔ ان کے واسطے دنیا میں بھیجا گیا لہٰذا اعمال اور ان کا اجرا مہتم بالشان ٹھیرا۔ اس لئے محققین صوفیہ نے فرمایا ہے کہ استغراق میں ترقی نہیں ہوتی۔ ان سب باتوں سے معلوم ہو گیا کہ تجلی میں جیسی حکمتیں ہیں ویسی ہی استتار میں بھی ہیں۔

کامل کو بعد تکمیل بھی ذکر سے غفلت نہ چاہیئے

اور یہاں ایک فائدہ قابل غور معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ باوجودیکہ تبلیغ دین و تعلیم احکام متعدی نفع ہے اور وہ نفع لازمی سے بڑھکر ہے اس لئے منتہی کو اس کا زیادہ اہتمام ہوتا ہے۔ مگر باں ہمہ یہ ارشاد ہے کہ چونکہ آپ کو دن میں بہت کام رہتے ہیں رات کو تہجد اور قرآن پڑھا کیجئے۔ اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ فاذا فرغت فانصب والی ربک فرغب اس سے یہ ثابت ہوا کہ کامل کو اپنے لئے بھی کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیئے اور بعد تکمیل بھی ذکر سے غفلت نہ چاہیئے۔ ورنہ خود اس کا وہ حال رہیگا نہ دوسروں کو اس سے کامل نفع پہنچے گا۔ کیونکہ بدون خود کئے ہوئے تعلیم میں برکت نہیں ہوتی یہی معنی ہیں قول مشہور میں لاورد لہ۔ لاوردلہ کے البتہ یہ غلطی ہے کہ منتہی قطع تعلق کرکے دوام خلوت اختیار کرلے ؂

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

سالک بلا اجازت شیخ خود اپنے کو قابل ارشاد نہ سمجھے اور نہ ذکر و شغل اس نیت سے کرے

لیکن خود اپنے کو قابل ارشاد نہ سمجھنے لگے۔ البتہ جب شیخ اجازت دیدے تو امتثالاً اس کام کو بھی شروع کردے اور پہلے سے اس کی نیت کرنا سخت مضر ہے اور اس نیت کے ساتھ کامیابی مشکل ہے۔ وجہ یہ کہ یہ نیت بڑا بننے کا شعبہ ہے۔

رجوع بجانب سمرخی (خلق کی طرف مشغولی منافی کمال کے نہیں الخ)

اب کامل کی توجہ الی الخلق میں ایک شبہ رہا وہ یہ کہ اشتغال بالخلق اس کو یاد حق سے مانع ہوگا۔ سو اس شبہ کی منتہی کامل کے حق میں گنجائش نہیں کیونکہ منتہی کی بہ سبب وسعت صدر کے یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کو شغل خلق یاد حق سے مانع نہیں ہوتا۔ اور نیز خلق کے ساتھ اس کا مشغول ہونا بھی بامر حق ہوتا ہے اور اس کو مقصود اس سے امتثال امر اور رضائے حق جل وعلا ہی ہوتی ہے اور خلق کی طرف اس کی توجہ خدا ہی کے لئے ہوتی ہے اس لئے اس کو اشتغال بالخلق مانع عن الحق نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اشتغال خود حقوق خلق سے ہے۔

تربیت اور ارشاد کے وقت بھی خدا تعالیٰ سے غفلت نہ ہونی چاہیئے

اور اس آیت میں سبحا طویلا بطور جملہ معترضہ کے مخلوق کے اس حق کی طرف اشارہ ہے اور مخلوق کا وہ حق یہ ہے کہ نصح عام تربیت ارشاد لیکن اس حق خلق میں حق خالق کو نہ بھولنا چاہیئے۔ چنانچہ یہاں بھی مخلوق کے حقوق کے بیان سے پہلے قم اللیل الخ میں حقوق اللہ بیان کئے گئے تھے۔ اور مخلوق کے حقوق کے بعد بھی واذکر اسم ربک فرمایا گیا ہے تو گویا یہ اشارہ ہے اس طرف کہ اس شغل میں ہمیں نہ بھول جانا اول آخر دونوں جگہ یاد دلایا گیا ہے۔

مبتدی کو ذکر اور تلاوت کے وقت کیا تصور رکھنا چاہیئے

اور واذکر اسم ربک میں اکثر مفسرین لفظ اسم کو زاید کہتے ہیں اور بعض زائد نہیں قرار دیتے اور اس اختلاف سے یہاں ایک عجیب مسئلہ مستفاد ہو گیا۔ اور اختلاف امتی رحمۃ کا ظہور ہو گیا۔ اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ اسم کا قول تو موافق حالت منتہی کے ہے اور عدم زیادہ کا قول موافق حالت منتہی کے ہے اور عدم زیادہ کا قول موافق حالت مبتدی کے ہے۔ کیونکہ مبتدی کو خود مسمی اور مذکور کا تصور کم جمتا ہے اس کے لئے یہی کافی ہے کہ اسم ہی کا تصور ہو جائے۔ برخلاف منتہی کے اس کو ملاحظ ذات بلا واسطہ سہل ہے اور حدیث ان تعبد اللہ کانک تراہ میں مشہور توجیہ بر منتہی کا طریق اور اس کی

حالت کا بیان ہے اور عام کے لئے حضور کا ایک سہل اور مفید طریق خدا کے فضل سے سمجھ میں آیا ہے وہ یہ کہ آدمی یہ خیال کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن کی مثلاً فرمائش کی ہے اور میں اس فرمائش پر اس کو سنا رہا ہوں اس سے بہت آسانی سے حضور میسر ہو جاتا ہے۔

رجوع بجانب سرخی (دستور العمل برائے سالک الخ) اور غیر اللہ سے قطع تعلق کرنیکے معنی اور قبض کے فوائد

اس کے بعد ارشاد ہے وتبتل الیہ تبتیلا اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تبتل کو صرف واذکر سم کے متعلق کیا جائے تو اس صورت میں تبتل سے اشارہ ہوگا۔ مراقبہ کی طرف یعنی ذکر کے ساتھ مراقبہ ہو اور ایک یہ کہ تبتل کو مستقل حکم کہا جائے۔ مطلب یہ ہوگا کہ علاوہ احکام مذکورہ کے یہ بھی حکم ہے کہ سب سے قطع تعلق کرو بایں معنی کہ سب کا تعلق اللہ تعالیٰ کے تعلق علمی اور حبی سے مغلوب ہو جائے اور اثر اس مغلوبیت کا تعارض مقاصد کے وقت معلوم ہوتا ہے مثلاً ایک وقت میں دو کام متضاد پیش آئے ایک کام تو اللہ تعالیٰ کے تعلق کا ہے اور دوسرا غیر اللہ کے تعلق کا اور دونوں کا جمع ہونا ممکن نہ ہو تو ایسے وقت پر اللہ کے کام کو اختیار کرنا اور خلاف مرضی حق کو چھوڑ دینا بس یہی معنی ہے قطع تعلق کے نہ یہ کہ کسی سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھے ؎

تعلق حجاب ست ذی حاصلی چو پیوندہا بگسلی واصلی

البتہ اختلاط میں افراط کرنا مضر ہے اس کے آگے فرماتے ہیں کہ رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا مطلب یہ کہ اللہ پر توکل کرو اس سے معلوم ہوا کہ اہل سلوک کے لئے توکل کی بھی ضرورت ہے اور یہ ان کا معمول ہونا چاہیئے۔ نکتہ اس توکل کی تعلیم میں یہ ہے کہ اعمال مذکورہ بالا کے اختیار کرنے کے بعد حالت میں تغیر و تبدل قبض و بسط شروع ہوگا اس میں ضرورت توکل کی ہوگی۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ آخر وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اس لیئے اس نے جو حالت تم پر وارد کی ہے اس میں کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ اور ثابت ہے کہ اکثر قبض میں تصفیہ و تذکیہ خوب ہوتا ہے اس لئے تم کو تنگ دل نہ ہونا چاہیئے اور خدا

پر بھروسہ رکھنا چاہیئے اس میں کچھ مصلحت رکھی ہوگی اور مشرق و مغرب کا ذکر قبض و بسط کی حالت کے کس قدر مناسب ہے مشرق تو حالت بسط کے مناسب ہے کہ اس میں ظہور ہوتا ہے واردات کا اور مغرب مناسب ہے حالت قبض کے پس مشرق و مغرب کا نمونہ باطن انسان میں بھی پایا گیا ولنعم ماقیل ؎

آسمانہاست در ولایت جان　　کار فرمائے آسمان جہاں
درر‌ہِ روح پست و بالاہاست　　کوہ ہائے بلند و بالا ہاست

اور جس طرح مغرب میں آفتاب مستور ہوتا ہے معدوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح قبض میں کیفیات سلب نہیں ہوتیں بلکہ مستور ہو جاتی ہیں اور پھر بسط میں گویا طلوع ہو جاتی ہیں حاصل کل کا یہ ہوا کہ اہل سلوک کے لئے یہاں چند ضروری معمول بیان کئے گئے قیام لیل یعنی تہجد تلاوت قرآن تبلیغ دین۔ ذکر و تبتل۔ توکل اور چونکہ تعلق خلق کی دو قسم ہیں ایک موافقین کے ساتھ اس کا بیان اشارۃً ان لک فی النہار سبحًا طویلا میں ہوا ہے جس کا حاصل تبلیغ دین اور ارشاد و تربیت ہے۔ چونکہ موافقین سے تعلق محبت کا ہے اس کے حقوق بوجہ اس کے کہ وہ حالت طبعی ہے تقاضائے حب کی وجہ سے خود بخود ادا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس میں زیادہ اہتمام کی ضرورت نہ ہوئی البتہ مخالف کے معاملہ میں ممکن تھا کہ کچھ افراط و تفریط ہو جاتی اس لئے اس کا بیان اہتمام سے فرماتے ہیں واصبر علےٰ ما یقولون واہجرہم ہجرًا جمیلا۔ مطلب یہ کہ مخالف کی ایذا پر صبر کیجئے اور ان سے علیحدہ رہیئے۔ اچھے طور پر کہیں ایسا نہ ہو کہ سختی سے ان کی آتش عناد اور بھڑک اٹھے اور زیادہ تکلیف پہنچائیں۔ ہجر جمیل سے مراد قطع تعلق ہے اس طرح پر کہ قلب میں تنگی نہ ہو پھر جب صبر کی تعلیم دی گئی تو اس کی تسہیل کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی اپنے انتقام لینے کی خبر سنا کر آپ کی تسلی بھی فرمائی جاتی ہے۔ کہ وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ ومھلھم قلیلا۔ یعنی مخالفین کے معاملہ کو ہم پر چھوڑ دیجئے۔ ہم ان سے پورا بدلہ لے لینگے یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اہل حق کے مخالفین سے پورا انتقام لیتے ہیں اس لئے بھی مناسب یہی ہے صبر اختیار کیا جائے۔ کیونکہ جب اپنے سے بالادست بدلہ لینے والا موجود ہے تو کیوں فکر کیجائے۔ خدا تعالیٰ کی اس سنت کے موافق مخالف کو آخرت اور دنیا دونوں میں رسوائی ہو جاتی ہے ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات ۔۔۔ با درد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد ۔۔۔ تا دلے صاحبدلے نامد بدرد

اہل تصوف کے لباس خاص اختیار کرنے کی وجہ

اور یا ایہا المزمل میں دو لطیفے بھی معلوم ہوئے ایک یہ کہ جس طرح آپ بوجہ غایت حزن والم اپنے اوپر چادر اوڑھے ہوئے تھے اسی طرح بعض اہل طریق کا معمول ہوتا ہے کہ چادر ایسے طور پر لپیٹ لیتے ہیں کہ نظر منتشر نہ ہو اور اس سے قلب منتشر نہ ہو اور جمعیت کے ساتھ ذکر میں لگا رہے۔ دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ المزمل کے معنی عام میں کمبل اوڑھنا بھی ہے تو یا ایہا المزمل میں اشارہ ہوگا لقب یا ایہا الصوفی کی طرف کیونکہ لفظ صوفی میں گو اختلاف ہے مگر ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مراد موٹا کپڑا کمبل وغیرہ مراد لیا جائے پس صوفی اور مزمل متقارب المعنی ہوئے اور اہل تصوف نے یہ لباس اس لئے اختیار کیا تھا کہ جلدی پھٹتے نہیں۔ جلدی میلا نہ ہو اور بار بار دھونا نہ پڑے۔ اور بعض اہل شفقت اس خاص وجہ سے بھی یہ شعار رکھتے تھے مستور ہونے کی حالت میں بعض لوگ ان کو ایذا پہنچا کر مبتلائے وبال ہو جاتے تھے۔ اس لئے انھوں نے ایک علامت مقرر کی جیسے آیت ذلک ادنیٰ ان یعرفن فلا یوذین اس کی نظیر ہے بس یہ حکمتیں تھیں اس لباس میں اور اب تو محض ریا و سمعہ کی غرض سے پہنتے ہیں جو بالکل اس شعر کا مصداق ہے

نقد صوفی نہ ہمہ صافی بیغش باشد ۔۔۔ اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

اس لئے یہ اب قابل ترک ہو گیا ہے

معاصی خواہ کبائر ہوں یا صغائر سب ہی سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ اصل حقیقت کے اعتبار سے ہر گناہ کبیرہ ہی ہے مع

دلیل اور مثال

ہر گناہ گو وہ صغیرہ ہو اپنی حقیقت کے اعتبار سے عظیم ہی ہے کیونکہ حقیقت گناہ کی

نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ اجل جلالہٗ کی اور ظاہر ہے نافرمانی گو کسی قسم کی ہو زیادہ ہی بری ہے اور گناہوں کے درجات میں جو چھوٹائی بڑائی کا تفاوت ہے وہ ایک امر اضافی ہے کہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اور دوسرا اس سے چھوٹا ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے سب گناہ بڑے ہی ہیں۔ کسی کو ہلکا نہ سمجھنا چاہیئے اس چھوٹے بڑے ہونیکی ایسی مثال ہے کہ جیسے آسمان دنیا عرش سے تو چھوٹا ہے مگر درحقیقت کوئی چھوٹی چیز نہیں دوسری مثال ناپاکی اور پلیدی کی ہے کہ پلیدی چاہے تھوڑی ہو یا بہت مگر حقیقت تو دونوں کی پلیدی ہے۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ جتنی کسی کی عظمت اور احسان ہوتا ہے اتنی ہی اسکی نافرمانی کرنا بری بات ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور احسان کے برابر نہ کسی کی عظمت نہ کسی کا احسان تو اس کی نافرمانی سب سے زیادہ بری ہوگی۔ پس وہ اپنی اس حقیقت اور مقتضیٰ کے اعتبار سے عظیم ہی ہوگی۔ اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جاتا۔ مگر پھر جو اس پر جرأت کرتے ہو تو اس جرأت کے چند اسباب ہیں! بعضے گناہ کو تو صغیرہ سمجھ کر ارتکاب کر لیا جاتا ہے حالانکہ اسی راز کی وجہ سے فقہار نے لکھا ہے۔ کہ استخفاف گناہ کفر ہے گو چھوٹا ہی ہو۔ گناہ کی مثال تو آگ کیسی ہے ایک چنگاری بھی مکان جلانے کے لئے کافی ہے۔ اور بڑا انگارہ بھی بس صغیرہ چنگاری ہے اور بڑا انگارہ۔ پس عمل کرنے کے لئے یہ پوچھنا کہ یہ صغیرہ ہے یا کبیرہ شبہ میں ڈالنا ہے کہ اگر کبیرہ ہوگا تو بچیں گے اور اگر صغیرہ ہوا تو خیر ہم ایسے شخص سے اجازت لیتے ہیں کہ لاؤ تمہارے چھپر میں چھوٹی سی چنگاری رکھدیں اگر یہ ناگوار ہے تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کیسے گوارا ہے۔ وہ چنگاری گو چھوٹی ہو مگر پھیلتے پھیلتے انگارہ ہی ہو جائیگا۔ اسی طرح آدمی اول صغیرہ کرتا ہے اور وہ چھوٹتا نہیں۔ اس اصرار سے وہ صغیرہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اور زیادہ مدت تک کرتے رہنے سے اس کو ہلکا ہی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور وہ اس جہت سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔

توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرنا سخت غلطی ہے مع ایک مثال کے

بعضے توبہ کے بھروسے گناہ کرتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے۔ کیونکہ گناہ کی جب عادت ہو جاتی ہے پھر توبہ بھی مشکل ہو جاتی ہے کیونکہ نئے گناہ سے جن کی ابھی لذت نہیں رچی توبہ کرنا آسان ہے اور عادت والے گناہ سے توبہ بہت مشکل ہے علاوہ اس کے جب چھوٹے

گناہوں سے اجتناب نہیں کیا جاتا ہے تو طبیعت بیباک ہوجاتی ہے اور دل کھل جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ کبیرہ بھی ہونے لگتے ہیں۔ جیسے صاف کپڑے کو بارش میں کیچڑ وغیرہ سے بچایا جاتا ہے اور جب بہت چھینٹیں پڑجاتی ہیں تو پھر دامن کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ کپڑا بالکل خراب ہوجاتا ہے ایسا ہی گناہ کا معاملہ ہے کہ جس گناہ کی طبیعت عادی ہوجاتی ہے وہ پرانا ہوجاتا ہے اور چھوٹتا نہیں۔ مثلاً زمینداروں کاشتکاروں وغیرہ میں یہ گناہ بمنزلہ عادت ہوگئے۔ غصب۔ ظلم۔ بیع باطل۔ جیسے آم اور بیر کی بیع متعارف اور یتیموں اور نابالغوں کے مال میں تصرف دیکھئے یہ گناہ کس طرح سب بے کھٹکے کرتے ہیں۔ اور خیال میں بھی نہیں لاتے۔ البتہ شراب نہیں پئیں گے۔ تو یہ تفاوت اسی عادت ہوجانے سے اصرار و استخفاف بلکہ استحسان کی نوبت آجاتی ہے اس لئے توبہ مشکل ہوجاتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہے تو زبانی جیسے کسی نے کہا ہے ؎

سبحہ درکف توبہ برلب دل پراز ذوق گناہ

معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

چنانچہ ان امور مذکرہ بالا سے توبہ تو کیسی اور الٹے ان امور کے ترک کو خلاف ریاست اور ذلت سمجھتے ہیں۔ اور گناہ سے دل برا نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایمان کی نشانی یہ ہے۔ اذا سرتک حسنتک وساء تک سیئتک۔ غرض توبہ ان وجوہ سے مشکل ہوجاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے بھروسے گناہ کرنا نہایت حماقت ہے مگر بعض نادان پھر بھی دھوکے میں ہیں اور توبہ کے توقع پر گناہوں پر دلیری کرتے ہیں۔ اس شخص کی ایسی مثال ہے کہ اس کے پاس مرہم اور اس کے بھروسے وہ اپنی انگلیاں آگ میں جلا لیتا ہو۔ کیا یہ شخص پورا احمق نہیں ہوگا۔ کیا کسی عاقل نے کبھی ایسا کیا ہے۔ جب اس آگ پر دلیری نہیں کی جاسکتی۔ تو دوزخ کی آگ تو اس آگ سے ستر حصہ زیادہ تیز ہے۔ بلکہ مرہم تو پھر بھی من کل الوجوہ اختیاری ہے اور توبہ گو بظاہر اختیاری ہے مگر مرہم کی طرح من کل الوجوہ اختیاری نہیں۔ کیونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے التوبۃ ندم جس کو یوں بھی تعبیر کیا ہے دھو تحرق الحشا علی الخطا و تالم القلب علی الاثم۔ پس توبہ اس سوزش اور جلن کو کہتے ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ تالم مقولہ انفعال سے ہے اور وہ اختیار سے خارج ہے۔

توبہ کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب

البتہ اس پر ایک طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے کہ جب توبہ امر اختیاری نہیں اور حسب الارشاد لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعہا کے غیر اختیاری کی تکلیف دی نہیں گئی تو پھر توبوا کا امر کیوں کیا گیا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اختیاری کی دو قسم ہیں ایک وہ جو خود اختیار میں ہوں سو توبہ بایں معنے اختیاری ہے کہ اس کے اسباب اختیاری ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کا مراقبہ سو اس کے کرنے سے عادۃ اللہ یو نہیں جاری ہے کہ ندامت اور تالم قلب جو حقیقت میں توبہ ہے پیدا ہو جاتی ہے لہذا توبوا کا حکم دیا گیا ہے۔ جنانچہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسہم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبہم

مطلب یہ کہ اگر ان سے گناہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کو یاد کرتے ہیں یہاں پر ذکروا اللہ میں مضاف محذوف ہے یعنی ذکروا عذاب اللہ وعظمۃ اللہ اور واقعی اللہ تعالیٰ کی عظمت ایسی ہی چیز ہے کہ اس کے یاد رکھنے سے نافرمانی نہیں ہو سکتی۔ اور وہ ہے بھی قابل یاد رکھنے کے پس اس کو دل سے بھلا کر اس کی نافرمانی پر کمر باندھ لینا بڑی بے باکی کی بات ہے۔

توبہ میں تاخیر نہ کرنا چاہیئے اور فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور اس کا بیان کہ جس کو صحت اور ضروری سامان خرچ حاصل ہے اس کو گویا دنیا کی تمام نعمتیں حاصل ہو گئیں

بعضے منتظر رہتے ہیں کہ فلاں کام کر کے توبہ اور تدارک کریں گے حالانکہ ممکن ہے کہ اس کو موانع کے ہجوم سے اتنی مہلت ہی نہ ملے اس لئے اس وقت کے امکان اور فراغت کو غنیمت سمجھو اور جب یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کا مراقبہ کرنے سے توبہ نصیب ہوتی ہے تو اب دوسری بات قابل غور ہے کہ اس

مراقبہ کیلئے بھی فرصت اور فراغت کی ضرورت ہے بعض لوگ اس فراغت کو بھی قدر نہیں کرتے حالانکہ وہ بہت بڑی غنیمت چیز ہے حدیث شریف میں ہے اغتنم خمسًا قبل خمس اور ان میں سے ایک یہ ہے فراغک قبل شغلک مشغول آدمیوں کی حالت میں غور کرنے سے فراغ کی قدر معلوم ہوتی ہے وہ بیچارے ہر وقت بلا میں مبتلا ہیں ان کو کوئی وقت فرصت کا اور ایسے سوچ کا نہیں ملتا بس یہ حالت ہے کہ ع

چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

فراغ کی قدر کے بارے میں خوب کہا گیا ہے ؎

خوشا روزگارے کہ دارد کسی | کہ بازار حرصش نباشد بسے
بقدر ضرورت یسارے بود | کند کارے از مرد کارے بود

اور اسی حدیث شریف میں دوسری چیز ہے صحتک قبل سقمک تیسری شبابک قبل ھرمک نیز حدیث شریف میں ہے کہ من اصبح اٰمنًا فی سربہ معافًا فی جسدہ وعندہ قوت یومہ فکانما حیزت لہ الدنیا بحذافیرھا۔ واقع میں یہی بات ہے کیونکہ اگر زیادہ بھی ہو تب بھی اس کے کام تو ہر روز ایک ہی روز کا قوت آئیگا بس اس میں یہ اور قلیل والا برابر ہوا ؎

گر بریزی بحر را در کوزۂ | چند گنجد قسمت یک روزۂ
چوں ترا نانے و خرقانے بود | ہر بن موئے تو سلطانی بود

حکایت۔ چنانچہ اسی زمانہ کے ایک متمول کی حکایت ہے کہ وہ ایک روز اپنے خزانے کو دیکھنے گیا جو زیر زمین بڑے مکان میں تھا اور وہ مکان گاہ گاہ کھلتا تھا اتفاق سے اس کو وہاں دیر لگ گئی اور کسی کو خبر تھی نہیں۔ ملازموں نے دروازہ بند کر لیا اور وہ بہت بڑا مکان تھا اور دروازوں کا سلسلہ بڑی دور تک تھا اور یہ اتنی دور تھا کہ وہاں سے آواز باہر نہیں آسکتی تھی۔ الغرض وہ یہودی وہاں جواہرات کے ڈھیروں میں بھوکا پیاسا مرگیا۔ اس وقت کوئی اس سے پوچھتا تو اس کے نزدیک ایک بسکٹ اور پانی کے گلاس کے سامنے سارا خزانہ ہیچ تھا۔ ایسی ہی حکایت ہے کہ کسی بھوکے کو ایک تھیلی پڑی ملی کھول کر دیکھا تو اشرفیاں ہیں۔ پھینک کر زمین پر ماری اور افسوس کیا اور کہا کہ اگر یہ گیہوں کے دانے ہوتے تو کچھ کام آتے الغرض فراغ اور صحت اور ضروری سامان

خرچ یہ بہت غنیمت چیزیں ہیں یہ ہر وقت میسر نہیں آئیں اس لئے اس کو غنیمت سمجھے اس وقت کی فرصت کو ہاتھ سے نہ دے اور توبہ بہت جلدی کرلے۔

خدا تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے علم کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے متاثر ہوکر زیادہ اطاعت کی جائے نہ یہ کہ اور گستاخی اور نافرمانی کیجائے

بعضے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے ناز پر توبہ نہیں کرتے۔ حالانکہ رحمت اور مغفرت کی چیزیں اس لئے دی گئی ہیں کہ تائب کو یاس نہ ہو جیسا کہا گیا ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اور جرأت اور دلیری کے واسطے نہیں کہ اور دلیر ہوکر گناہ کرو بلکہ احسان اور رحمت خداوندی کی اطلاع کا مقتضا یہ تھا کہ متاثر ہوکر اور بھی طاعت اور فرمانبرداری کرتے نہ کہ اور جرأت اور گستاخی اور نافرمانی کی جائے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو وہ اور زیادہ محبت و اطاعت کرتا ہے نہ کہ مخالفت و سرکشی

گناہ کے اندر کوئی لذت نہیں اور اس کی توضیح مثال سے

رہا یہ اشکال کہ واقعی اس کا مقتضیٰ تو یہی تھا مگر ایک دوسرا مقتضے کہ لذت ہے وہ غالب ہو گیا چنانچہ گناہ میں ظاہر ہے کہ کیا مزا اور لذت ہے اس کو چھوڑنا اس لئے مشکل ہے کہ سو اگر ادراک صحیح ہے تو یہ اشکال بالکل ٹھیک نہیں کیونکہ گناہ میں جو لذت ہے اس کی مثال کھجلی جیسی ہے کہ خود اس میں کوئی لذت نہیں محض مرض کی وجہ سے لذت معلوم ہوتی ہے۔ پھر فوراً ہی سوزش پیدا ہوتی ہے۔ سو یہ در اصل مرض ہے جیسا سانپ کے کاٹے ہوئے کو کڑوا بھی میٹھا معلوم ہونے لگتا ہے سو کسی عاقل کو ایسی لذت علاج سے مانع نہیں ہوتی۔

حقیقی لذت طاعت کے اندر ہے دنیا کے تنعمات تو درحقیقت جان کیلئے عذاب ہیں

البتہ حقیقی لذت طاعت میں ہے چونکہ ان لوگوں نے ابھی اعمال آخرت اور پرہیزگاری اور طاعت کی لذت چکھی نہیں اس لئے گناہ اور نفسانی لذات ان کو مرغوب معلوم ہوتے ہیں آخرت اور پرہیزگاری کی لذت حضرت ابراہیم ادہم رح سے پوچھیئے کہ کس طرح اس کے پیچھے سلطنت کی لذت ترک کردی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رح نے اس لذت کے پیچھے لباس شاہانہ ترک کرکے غریبانہ کپڑوں پر کفایت کی اور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رح کو سلطان سنجر نے ملک نیمروز دینا چاہا اس کے جواب میں یہ شعر تحریر فرمائے ؎

چوچتر سنجری رخ بختم سیاہ باد — دردل بود اگر ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب — من ملک نیمروز بیک جو نمی خورم

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے — بہ ازانکہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے ؎
پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی — کہ یکدم با خدا بودن باز ملک سلیمانی ؎

چونکہ یہ لذت و تنعمات درحقیقت جان کے لئے عذاب ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ولا تعجبك اموالهم الخ

اول تو ان سب چیزوں کا مرضی کے موافق حاصل ہونا غیر اختیاری اور اگر حاصل بھی ہوگئیں تو ان سب مشغولی اور تعلق کی پریشانی اور بے آرامی یہ دوسرا عتاب حقیقت میں آرام تو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یہ کلفتیں تو گناہ النفسی ہیں اور بعض کلفتیں آفاقی بھی مرتب ہوتی ہیں چنانچہ ان نافرمانیوں کی بدولت طرح طرح کی بیماریاں طاعون وغیرہ وبائی امراض آپس کی نااتفاقیاں وغیرہ ظہور میں آتی ہیں۔

بیماری وغیرہ کے ظاہری اسباب گو کچھ امور طبعیہ بھی ہوں مگر اصلی اسباب اس کے گناہ ہیں اور اس کا بیان کہ جو خدا تعالے

کی اطاعت کرتا ہے اسکی سب اطاعت کرتے ہیں

اور ان بیماریوں کے ظاہری اسباب گو کچھ امور طبعیہ ہوں مگر ذنوب اُن کے اسباب حقیقیہ اور اصلیہ ہیں اور دونوں میں تعارض نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ سزا تو ہو گناہ کی وجہ سے مگر ظہور اس سزا کا اسباب طبعیہ کے ذریعہ سے ہوا ہو اور چونکہ لوگ ذنوب کو ان امراض کا سبب نہیں قرار دیتے اس لئے صرف طبی علاج پر اکتفا کرتے ہیں اور اصلی علاج کہ استغفار ہے وہ نہیں کرتے وہ بھی کرنا چاہیئے ؎

چند خوانی حکمت یونانیاں — حکمت ایمانیاں را ہم بخواں
صحت ایں حس بجوید از طبیب — صحت آں حس بجوید از حبیب
صحت ایں حس ز معموری تن — صحت آں حس ز تخریب بدن

اور ذنوب سے مصائب کا آنا نصوص سے ثابت ہے مَا اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم

حکایت۔ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار تھے وہ شوخی کرنے لگا۔ فرمانے لگے ہم سے آج کوئی گناہ ہو گیا ہے اس کی وجہ سے یہ ہماری نافرمانی کرتا ہے ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ
ہر کہ ترسید از حق و تقوے گزید — ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

حکایت اس کے مناسب جناب پیر و مرشد حاجی صاحب علیہ الرحمۃ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ پیران کلیر سے واپس ہوتے ہوئے سہارنپور تشریف لائے لوگوں نے آپ کو ایک ایسے مکان میں اترا دیا کہ وہاں ایک جن نے سخت آزار پہنچا رکھا تھا۔ حتیٰ کہ وہ مکان بالکل معطل چھوڑ دیا گیا تھا۔ جب حضرت رات کو اٹھے دیکھتے کیا ہیں کہ ایک آدمی آیا اور سلام کیا اور مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت نے تعجب سے پوچھا تم کون ہو۔ کیونکہ مکان بند تھا اس نے عرض کیا میں ایک جن ہوں اور میری ہی وجہ سے یہ مکان خالی پڑا ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ تم کو خدا کا خوف نہیں کہ لوگوں کو تکلیف دیتے ہو۔ اس نے عہد کیا کہ میں اب تکلیف نہ دونگا۔ اس کے بعد وہ جن اس مکان سے چلا گیا۔ اور وہ مکان آباد ہو گیا تو یہ اثر جن پر حضرت کی طاعت ہی کا تھا۔

حکایت - ایک سیر کی روایت ہے کہ حضرت عمرو ابن العاص نے جب مصر فتح کیا تو ایک بار دریائے نیل خشک ہو گیا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کبھی پہلے بھی ایسا ہوا ہے اور لوگ ایسے دقت کیا کرتے ہیں۔ عرض کیا کہ یہاں یہ رسم ہے کہ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے تو لوگ ایک کنواری لڑکی کو بناؤ سنگار کر کے اس میں ڈال دیتے ہیں۔ دریائے نیل پھر جوش مار کر جاری ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا کبھی نہ ہوگا۔ اور یہ ۱؎

سب حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ حضرت نے ایک والا نامہ دریائے نیل کے نام لکھا جس کا حاصل یہ تھا کہ اے دریائے نیل اگر تو اپنی قدرت اور طاقت سے جوش پر آتا ہے تو ہم کو تیری ہرگز پروا نہیں ہے اور اگر خدا کی قدرت اور مشیت سے جوش پر آتا ہے تو میں خدا کے سچے نبی ؐ کا خلیفہ ہوں اور تجھ کو حکم کرتا ہوں کہ خدا کے حکم سے جاری ہو جا۔ یہ والا نامہ دریائے نیل میں قاصد نے ڈال دیا۔ ہنوز دریا جوش پر رہتا ہے۔ اور برابر اس کے ذریعہ سے زراعت وغیرہ کی آبپاشی ہوتی ہے۔

۱؎ یہاں تک یہ حکایت ہم کو الرفیق حصہ دوم میں ناتمام ملی اسلئے باقی حکایت کو اپنی یاد سے پورا کر دیا۔ اگر اس میں کمی بیشی ہو گئی ہو تو ناظرین اس کی کمی بیشی کو پورا کر لیں۔

الحمد للہ آج ۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۲ھ کو کتاب مکمل شائع ہو گئی اور اس ہی سلسلہ کا مضمون سنہ ۱۳۴۳ھ سے سنہ ۱۳۵۲ھ تک کا انفاس عیسیٰ میں شائع ہو چکا ہے گویا یہ الرفیق فی سواء الطریق کا تیسرا حصہ ہے۔

تمام شد

در افضل الکتابت درجبرڈ پھاٹک حبش خاں دہلی کتابت شد

۲ر جولائی سنہ ۳۳ء